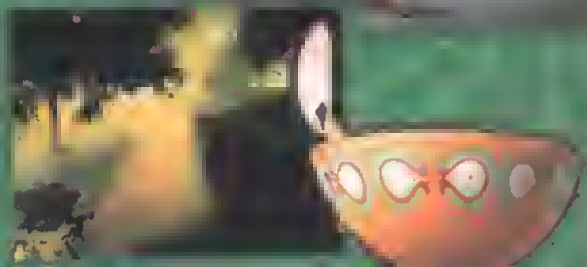


# زندگی دُھوپ اور چھاؤں

نگہت عبداللہ



# زندگی دھوپ چھاؤں

نگہت عبداللہ

خزینہ علم و ادب

الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور

فون: 37211468 - 37314169

## انتساب

اس کہانی ”زندگی دھوپ چھاؤں“ کے ہر اس کردار کے نام  
 جو اپنی محبت، اپنی منزل کو پانے میں ٹھوکر ضرور کھاتا ہے  
 مگر کوئی قیل از وقت سنبھلتا ہے  
 اور کوئی ٹھوکر کھا کر سنبھلتا ہے

(نگہت عبداللہ)

☆.....☆.....☆

## یہی لفظ

نارین لبرام !

ناول "زندگی دھوپ چھاؤں" لکھنے کے دوران میں جن فشیب و فرائز سے گزری ہوں، یہ میں یا میرا ہونا ہی نہیں، یہ وہاں میری کوشش تھی کہ مختصر عرصہ کے بعد آپ کی خدمت میں اپنا ایک نیا ناول پیش کروں، مگر ہوتا ہوا ہوتا ہے، وہ نہیں جو اس کا بند چاہے۔

مختصر عرصہ کے طویل ہوتے میں کئی مسائل درپیش رہے اور کسی اپنے کے پھڑنے کا غم بھی شامل حال آیا، میں نے اہمیت نہیں ہاری اور نہ ہی اپنی حسی روح کو بھٹکنے دیا۔ اسی کوشش کی بناء پر میرا یہ نیا ناول "زندگی دھوپ چھاؤں" ایک طویل عرصہ کے بعد ہی آئی، مگر آج آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

ناول "زندگی دھوپ چھاؤں" میں، میں نے ایک طویل کہانی اور ایک مختصر کہانی تخلیق کو کیا ہے۔ مختصر کہانی میری ان کے ایک یا دو کا کہانی ہے جس کو میں نے ایک نئے انداز میں ایک طویل کہانی میں ضم کیا ہے۔

شیطان !!

شیطان ازل سے آدم اور حوا کے درمیان موجود ہے۔

بے شک شیطان موجود ہے۔

ہاں ! شیطان واقعی ہی موجود ہے، لیکن اس سے بڑی ذات اللہ کی ہے، اور یہ ہماری بد قسمتی ہے۔ اللہ پر بھروسہ کرنے کی بجائے خود کو آرام سے شیطان کے حوالے کر دیتے ہیں۔

بڑے رنگین خواب دکھاتا ہے یہ شیطان مردود۔ انسان اپنی سدھ بدھ ہی کھو بیٹھتا ہے۔ ہوش شب آتا ہے، وہی رنگین خواب بھیا تک تعبیر لے کر سامنے آتے ہیں۔

میرے اس ناول "زندگی دُھوپ چھاؤں" میں، میں نے ایسی ہی ایک کشش کی ہے کہ ہم وہ کے درمیان موجود قیصر شیطان کس طرح ہمیں اپنے جال میں پھانسا ہے اور ہمیں اپنی منزل سے کیسے بھٹکا رہتا ہے.....؟

نتیجہ کیا نکلتا ہے.....؟

کون بھٹکتا ہے.....؟

کون سمجھتا ہے.....؟

جیت کس کی ہوتی ہے.....؟

شیطان مردود کی.....؟

یا پھر خاک آدم کی.....؟

اس کا فیصلہ آپ خود کیجئے گا۔

اُمید ہے کہ آپ کو میرا ناول "زندگی دُھوپ چھاؤں" بھی شروع سے آخر تک اپنے سفر میں لے

رکھے گا اور بے حد پسند آئے گا، انشاء اللہ.....!

اپنے مارے سے ضرور نواز دیئے گا۔

## زندگی دُھوپ چھاؤں

دور راتل بڑی دیر زور سے بجی تھی۔ چانیہ نے گھبرا کر انیال کو "خدا حافظ" کہہ کر بیورو رکھ دیا۔ بھر گیس کی طرف دھڑکادی۔ اس کے گیس کھولنے تک دور راتل بھر بجتی ہی تھی۔

"کھول رہی ہوں بھی....."

اس نے گیس کھول دیا اور اس کو اسیلہ کچل کر پوچھنے لگی۔

"مرا بیٹھیں آئی.....؟"

"نہیں.....!"

اساں گھر کی سے پریشان تھیں۔ مختصر جواب دے کر میڈی اندر چلی گئیں تو وہ ان کے پیچھے آئے ہوئے

ہوئی۔

خیر اندیش

عقمت عبد اللہ

"اماں.....! میں نے کہا بھی تھا کہ راجہ کو سناٹے آئے گا۔ کتنے دن ہو گئے ہیں اسے آئے دے۔"

"اپنے گھر کے کھیزوں سے ٹکلی تو آئے گی تاں.....؟"

اساں نے یوں تاگواری کا اظہار کیا جیسے وہ اس مسئلے میں مزید کچھ نہیں سننا چاہتی تھیں، اور وہ سمجھ کر پوچھنے

لگی۔

"کیسی ہے دہلی درویشی.....؟"

"ٹھیک ہیں.....! شوقی رانت نکال رہا ہے، جب ہی کزور لگ رہا تھا۔"

اساں جواب دے کر پوچھنے لگیں۔

"تم نے کھانا کھا لیا کیا.....؟"

"جی.....! لے آؤں.....؟"

"نہیں۔۔۔! ابھی تو بھوک بھی نہیں ہے۔ پانی پلاؤ۔۔۔! ازراہ خدمت لانا۔۔۔"

"جی اچھا!"

وہ بھاگ کر پانی لے آئی اور وہاں اس انیس تھما کر پیٹتے ہوئے کہنے لگی۔

"کیوں جاتی ہیں آپ والدہ کے گھر۔۔۔؟ مت چلیا کریں۔۔۔! اب بھی کڑھتی ہیں گی۔"

اماں نے ایک نظر اسے دیکھا پھر پانی پنا کر لیٹ گئیں تو وہ اندھ کر ان کے پاس آ بیٹھی۔

"اماں! کیا پھر والدہ کی ساس نے کچھ کہا ہے۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔!"

اماں نے آنکھیں بند کر لیں تو وہ کچھ دیر انیس دیکھتی رہی۔ پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اچھا بسا  
"وہ غراب ہو گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے وانیال کے فون نے اس کے دل میں خوش گوار سی ہلچل مچائی تھی۔ اب اماں کی طرح  
وہ بھی آرزو ہو گئی تھی۔

کہتے ہیں، خوشی کا دوسرا نام شادی ہے۔ لیکن والدہ کی شادی کر کے تو اماں اب اکوہنگ ہی لگ گیا تھا۔  
مالانکہ والدہ خصوصاً اماں اسے نوسرال والوں کی شکایت نہیں کرتی تھی۔ اپنی طرف سے تو بے چاہی "سب ٹھیک  
ہے" کا سکل ہوتی تھی، لیکن ماں باپ اس کا چہرہ دیکھتے تھے، جس پر ہر قسم انیس بھیغ نظر آتا تھا۔

خوبصدا صاحب کی ۱۱ بیٹیاں تھیں، بڑی والدہ جس کی پڑھ سال پہلے شادی ہوئی تھی اور وہ جی جانیہ۔ اس  
نے اس سال کی رجب میں کیا تھا اور اب اماں کے ساتھ گھر والی میں مصروف تھی۔ چار بیٹے پہلے تک اس کی زندگی میں  
کوئی رنگ نہیں تھا۔ برسوں سے لگی بندھی روغن چلی آ رہی تھی کہ اس کا چانک وانیال کی آمد نے اس کے اندر ہلچل مچا دی  
تھی۔

یہ چاہے پہلے کی بات تھی۔ وہ کالج سے آئی تھی کہ وانیال ایک دم اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا تھا۔

"آپ خوبصدا صاحب کی بیٹی ہیں ناں۔۔۔؟"

"کیوں۔۔۔؟ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔۔۔؟"

اور گھبرا گئی تھی۔

"مجھے خوبصدا صاحب سے آپ کی شکایت کرنی ہے۔"

وہ نگاہ بہت جمیدگی سے بولا تھا۔

"میری شکایت۔۔۔؟"

وہ مز پریشان ہو گئی تھی۔

"میں نے کہا کیا ہے۔۔۔؟"

"کیا نہیں کیا۔۔۔؟؟ مجھے پچھلے انسان کو پاگل کر دیا ہے۔"

وہ ہنوز خمیدہ بنا۔

"پاگل۔۔۔؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔؟"

"پاگل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ آپ خود سوچیں، انیس اٹھ ہے اور میں اس وقت یہاں کھڑا ہوں۔ یہ

پاگل کن نہیں تو اوروہ کیا ہے۔۔۔؟"

وانیال کی وضاحت پر وہ ابرو بگڑی۔

"تو اس میں میرا کیا قصہ ہے۔۔۔؟"

"سراسر آپ کا ہی قصہ ہے۔"

وہ فوراً بولا تھا۔

"سرسرہ کائے قدم افغانی سیدھی دل میں ازرتی جلی جاتی ہیں۔"

"جی۔۔۔؟"

وہ بے احتیاء وہ قدم پیچھے ہٹتی تھی۔

"جی۔۔۔!"

وہ دلکشی سے مسکرایا تھا۔

"میں صرف آپ کی ایک جھٹک دیکھنے کے لئے اس وقت انیس سے بھاگ چلا آ ہوں۔ وہ دیکھیں

سامنے میرا گھر ہے۔ ہاں نہیں تو کھڑا ہوں آپ کے لئے۔"

اس نے بے احتیاء اس کے اشارے کی طرف اس کے گھر کو دیکھا، پھر پلٹ کر حیز قدموں سے چل تو

پڑی تھی چون اس کا حیران وہیں رہ گیا تھا اور اگلے روز کاٹ جاتے ہوئے اس کا دل انہالی لے رہا تھا۔

☆ .. ☆ .. ☆

میننگ کے وہاں وہ بار بار وائٹم دیکھ رہا تھا۔ پھر وہاں سے نکلے ہی اس نے گاؤں کی گھر کے واسطے پر ڈال

دی۔ گوکہ معمول سے کچھ لیٹ ہو گیا تھا، پھر بھی جانے کیوں اسے یقین تھا کہ جانیہ سے ملاقات ضرور ہوگی اور آج

کل تو وہ اپنے دل کی ہر بات پر اماں لے آتا تھا۔ جب ہی لیٹ ہونے کے باوجود وہ چل پڑا تھا۔

اور دھمکی آہا قاسم ملے ہوا تھا کہ ایک جگہ وہ ڈکے کنا ے خوبصدا صاحب کو بیٹھے دیکھ کر اس نے ایک دم

گاؤں کی گوبریک لگا دی تھی۔

"خوبصدا صاحب یہاں۔۔۔؟"

وہ سوچتے ہوئے گاؤں سے آ کر کران کے پاس چلا آیا اور وہ رے تشرنیش سے پوچھنے لگا۔

"خیر یہ خوبصدا صاحب۔۔۔؟؟ آپ یہاں۔۔۔؟"

”تم؟“

خوبصاحب نے سے پچانے کی کوشش کرنے لگے تو فوراً بولا۔

”جی میں دانیال ہوں۔ دانیال حسن۔۔۔ آپ کے گھر کے قریب ہی رہتا ہوں۔ بس۔۔۔ اتفاق ہے کہ کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔“

”ہاں۔۔۔!“

خوبصاحب نے ”ہاں“ کی صورت سانس کھینچی تھی۔

”آپ یہاں۔۔۔؟“

اس نے پھر پوچھا تو خوبصاحب خرد کوڑ میں پریشے دیکھ کر بولے۔

”بس بیٹا۔۔۔ ایک بلیک وائلے سے ٹکر مار کر یہاں پھنک دیا۔“

”اوہو۔۔۔ کیسے چوٹ تو نہیں آئی؟“

اس نے پریشانی سے پوچھا۔

”بس۔۔۔ اللہ نے بچایا۔“

خوبصاحب نے کہا تو وہاں کا بازو تھام کر بولا۔

”آئیے۔۔۔! میں گھری جا رہا ہوں آپ کو بھی چھوڑ دوں گا۔“

”خوش رہو بھائی۔۔۔!“

اس نے خوبصاحب کو سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا تو اس وقت اسے صرف انیس گھر پہنچنے کا خیال تھا لیکن جب گاڑی ان کے گھر کے سامنے روکی تب ایک دم پری جکر لگا ہوں میں آجاتی تھی جس کی خاطر اس کی روشنی ہی بدل گئی تھی۔

خوبصاحب کے شاید پیر میں موج آئی تھی یا کھینے میں چوٹ لگی تھی کہ ان سے چلائیں جا رہا تھا۔ اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے اور وہاں کے ساتھ گھر کے اندر آگیا۔

”ہائے اللہ۔۔۔! انھیں کیا ہوا۔۔۔؟“

اٹا خوبصاحب کو دیکھتے ہی پریشان، اوجھیں۔

”کچھ نہیں۔۔۔! بس۔۔۔!“

خوبصاحب اسی قدر بولے تھے۔

”کیا بس۔۔۔!؟ مجھے کھلے گھر سے گئے تھے اپنے بیروں پر مل کر؟“

”ابھی بھی اپنے بیروں پر مل کر ہی آ رہا ہوں۔ کندھوں پر سوار ہو کر نہیں آ رہا۔“

خوبصاحب بھونچلا لگے تھے جب اسے بولا پڑا۔

”آئی۔۔۔! آپ پریشان نہ ہوں۔ کچھ نہیں ہوا خوبصاحب کو، بس۔۔۔! چلتے چلتے پتہ ہو گیا تھا۔“

”ہاں۔۔۔! جی تو گیا تھا۔ وہ تو شکر ہوا کہ۔۔۔“

خوبصاحب نے تائید کے ساتھ اسے دیکھا تو وہ فوراً بولا۔

”جی۔۔۔ دانیال۔۔۔!“

”ہاں۔۔۔! دانیال نے دیکھا یا ورنہ جانے کب تک بیٹھا رہتا مزک کنارے۔۔۔؟“

خوبصاحب نے کہا تو اس حریف پریشان ہو گئیں۔

”مزک کنارے۔۔۔؟“

”اوہو بیگم۔۔۔! اب مزک کا نام پرچھنے مت کھڑی ہو جا۔۔۔؟ پہلے شکر یہ ادا کرو دانیال کا، اور کوئی

جانے پائی لاؤ۔۔۔!“

”نہیں خوبصاحب۔۔۔! بہت شکر۔۔۔! اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔“

وہ فوراً بول پڑا۔

”ہاں۔۔۔! اگر آپ کو ڈاکٹر کے پاس جانا ہے تو بتائیے۔۔۔! میں لے چلتا ہوں۔“

”ارے نہیں میاں۔۔۔! معمولی چوٹ ہے، ٹھیک ہو جائے گی۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔! پھر میں چلتا ہوں، دوبارہ اللہ مالک آؤں گا۔“

وہ جلدی سے انہیں ”خدا حافظ“ کہہ کر کمرے سے نکلا تھا کہ سامنے کھڑکی میں تائیہ کو کھڑے دیکھ کر سب سے انتہا ہمت کے ساتھ اسے سلام کیا تو اشارہ کرتے ہوئے تائیہ کے چہرے پر شرمیں سکراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ سرشار ہو گیا اور اس نے اپنے پر ہاتھ رکھا جیسے میرا دل غلط نہیں کہتا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وہ گھر آتا تو ایک ڈرامی ملاقات کا خوش گوار تاثر اس کے چہرے پر بھٹک رہا تھا۔ زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ وہ خوبصاحب تک رسائی حاصل کر چکا تھا اور یہ موقع اسے قدرت نے فراہم کیا تھا۔ بہر حال اس سے خوشی چھپائی نہیں جا رہی تھی۔ لیکن سے کھٹ پٹ کی آواز سن کر وہ سیدھا اوجھری آگیا اور سالن کی دچکی میں بیچ چٹائی سیمہ بھائی کو زوردار سلام کر ڈالا۔

”السلام علیکم۔۔۔؟“

”ہائے۔۔۔!“

سیمہ چائے آواز پر اچھل پڑی۔

”توبہ۔۔۔! ڈرامی دیکھنے۔۔۔“

”کیا بھائی۔ سلام ہی تو کیا ہے...؟“

وہ منکھو ظہور کر بولا۔

”تو بھیا...! پہلے ذرا دور سے کھانسی لیا کر دتا کہ بندہ ہوشیار ہو جائے۔ طریقہ بھی یہی ہے۔“

سیرانے کہا تو اس نے پہلے کھدی کھائی، پھر شرارت سے بولا۔

”اچھا۔ احب ہی میں کہوں، بمبار وقت کھانسنے کیوں رہتے ہیں...؟“

”انہیں تو خیر پیدا کئی کھانسی ہے۔“

سیرا فوراً ہی تھی۔ اسے بے اختیار دھنسی آئی۔

”نہیں بھائی...! آپ ذرا پیچھے چلی گئی ہیں۔ بھیا کو کھانسی شادی کے بعد ہوئی ہے۔ شادی سے پہلے

وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔“

”تمہارا مطلب ہے، میری وجہ سے...؟“

سیرانے ہاتھ میں پکڑا کچھ اسے دکھایا تو وہ فوراً کان پکڑ کر بولا۔

”تو کچر کر...! آپ کی وجہ سے کیوں...؟ تو ان کی زندگی میں بہار بن کر آتی ہیں۔ بس...؟“

یہ کہہ کر بھیا کو بہار کا موسم ہراس نہیں آتا۔

”نہیں ہراس آتا ہے...؟“

سیرا چٹکی تھی۔

”ارے بھائی...! میں تو پیدا ہی بہار کے موسم میں ہوا تھا۔ ہر طرف پھول کل رہے تھے اور ایسی

مست ہوائیں چل رہی تھیں کہ میں چپو ہوتے ہی ٹھٹھکلاٹے لگا تھا۔“

وہ جھوم جھوم کر بول رہا تھا۔

”اچھا...! ذرا اب ٹھٹھکلاؤ تو...!“

سیرا سے کچھ مارا جا تا تھا جی تو کہ وہ ایک دم بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن آگے اور مصیبت تو سی تھی۔ سیرا کی بہن

حنا جس سے دور بری طرح ننگر لایا تھا۔

”اُف۔ اُ“

حنانے اپنی بیٹائی پکڑ لی۔

”سوری سوری۔! چھوٹ تو نہیں لگی آپ کو...؟“

اس نے بولکھار کر پوچھا تو بیٹائی سے ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر دھیرے سے زنی تھی۔

”لگی تو ہے...!“

”سوری اکہیں...!“

”اُس ادا کے...!“

حنا سکرانی، پھر ادھر اُدھر دیکھ کر پوچھنے لگی۔

”آپ کہاں ہیں...؟“

”میں یہاں ہوں۔“

سیرا لیکن سے نکلے ہوئے کہنے لگی۔

”یوٹی عمر ہے تمہاری، ماہی میں جیسے ہی یاد کر رہی تھی۔“

”اچھا...! اب جلدی سے بتا دیں، کیا کام ہے...؟“

حنانے یاد کرنے سے کھجکھتا ہوا سیرا بکڑکی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا...؟“

”مطلب یہ میری اچھی آپ...! آپ بیٹھ مجھے کسی کام سے یاد کرتی ہیں۔“

حنا کی صاف گونگی پر سیرا جڑ بڑھ کر بولی۔

”ہاں تو کام کے وقت دی یاد ہے جسے جن سے محبت ہوتی ہے۔ کیوں دانیال...؟“

”بالکل بالکل...!“

اس نے فوراً تائید کی۔

”آپ تو ان کی ہاں میں ہاں ملائیں گے۔“

حنانے اس سے کہا تو وہ کندھے اُچکا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

”جاؤ...! جلدی سے دانیال کے لئے کھانا نکال دو۔ میں ذرا بچوں کو کچھوں۔“

سیرا کہتے ہوئے آفریں منی خیر انداز میں سکرانی تو بظاہر انہماک میں کر دتا لیکن کی طرف بڑھ گئی اور

جلدی سے رُے میں کھانا رکھ کر دانیال کے کمرے میں آئی تو وہ اسے دیکھ کر کھٹکھٹا رہی، نگار ہی چپا کر کہنے لگا۔

”ارے...! آپ نے کیوں زحمت کی...؟ میں... میں آتی رہا تھا۔“

”تو کیا ہو...؟ میں آگئی کیا آپ کو میرا آنا اچھا نہیں لگا...؟“

حنانے ان سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ نظریں چرا گیا۔

”یہ بات نہیں ہے...! تشریف نہ لیں۔“

”شکریہ...! کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیں۔“

”جی...؟“

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

”میں اس لئے پوچھ رہی ہوں کہ آپ باجے پھاری ایک دقت میں کس کس کو دیکھیں...؟ سچن پکڑنی دقتی





دیکھنے کی چال تھی، لیکن رد نہیں جانتی تھی کہ امی، ابوالاس بات کے قائل ہیں یا نہیں۔ بہر حال جب سے بچکی نے اسے یہ بات بتائی تھی تب سے فطری طور پر وہ کچھ ہوشیار رہی ہو گئی تھی۔

گھر میں کون کون رہا ہے؟..... کون جا رہا ہے.....؟ بڑے بیما کی رقت بے وقت آمد اور امی سے سرگوشیوں میں باتیں کرنا، گویا ایک غیر محسوس ہی پھل شروع ہو گئی تھی اور دوسرے پھل شروع ہو گئی، اصرار اس کے نظریے اور سوچیں آپ امی آپ نہ صحت ہو کر فطری تجسس بیدار کر گئیں۔

”کون ہے.....؟“

”کیسا ہے.....؟“

ہر سوچ اسی سے شروع ہو کر دہی پر ختم ہونے لگی۔ کئی بار اس نے باتوں باتوں میں بچی کو کر پانے کی کوشش کی، لیکن دوسرے معلومات حاصل کرنے میں کامیاب رہی تھی، اس لئے پکڑ نہیں جاسکی۔

”ایسا کرو۔“

”دروغ کر رہی۔“

”تم اب برا اور است امی سے پوچھو۔“

”ہاں، بھئی ناں.....!“

بچکی نے صاف انکار کر دیا۔

”کیوں.....؟“

”اس روز امی اسی سلسلے میں کوئی بات کر رہی تھیں، میں وہاں بیٹھنے لگی تو چھوٹے بیما نے بری طرح ڈانٹ کر مجھے وہاں سے ہٹا دیا تھا۔“

بچکی نے جب بیان کرتے ہوئے مسخوری ظاہر کی تو وہ برا سامنے بنا کر بولی۔

”چھوٹے بیما تو بس ایسے ہی ہیں۔ پتا نہیں اپنے آپ کو کھینچے کیا ہیں.....؟ حالانکہ بڑے بیما بھی تو ہیں، انہوں نے تو ہم پر ایسی پابندیاں نہیں لگائی تھیں۔ ایک یہ ہیں، انہیں کونے کے علاوہ رو کوئی کام نہیں ہے۔“

”ہاں.....! اور پتا ہے، صبح جب تم اسکول جاتی ہو تو روزانہ عجز بھرتہ ضروری سے اٹھتے ہیں کہ کیا ضرورت ہے، جیسے نوکری کرنے کی.....؟“

”خود چھوٹیں کرتے۔“

”درمل کر رہی۔“

”اخر چھوٹے بیما ایسے کیوں ہیں.....؟ انہیں کم از کم اپنے بارے میں تو سوچنا چاہئے۔ امی بھی ان کی طرف سے اتنی پریشان رہتی ہیں۔“

”ابو کی غلطی ہے جو اتنی دھم دے رہی ہے۔ ہر وقت میرے چاند میرے لال کرتے رہتے ہیں اور چاند کا رخ ہے کہ سنا تو میں آسمان تک جا پہنچا ہے۔“

دروغ کچھ سا انداز سے بولی کہ بچی کو کئی آنکی جسے نظر انداز کر کے در تاسف سے کہنے لگی۔

”کسی کا کچھ نہیں گاؤ رہا۔ چھوٹے بیما سراسر اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ دوسروں پر تنقید کرنے میں کتنے اسلر ہیں، لیکن اپنے آپ کو نہیں دیکھتے۔ امی، ابو کی خواہش اور ہر ہزار ستوں کے باوجود ان کے بعد پڑھ کے نہیں دیا، نوکری بہر سیکھا، اور جب نوکری کی بات آتی ہے تو جزل ٹیبر سے کم سوچتے ہیں۔“

”چچ.....! واقعی وہ ان کی محفل پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔“

”شش.....! اور اصرار ہے وہ ہیں۔“

بچکی نے آواز دبا کر اسے خبردار کیا تو در اظہار پھلا کر بظاہر اس میں مصروف ہو گئی۔

”یہ تم دونوں یہاں کیا کر رہی ہو.....؟“

چھوٹے بیما کو بلا وجہ صبر بھانڈنے کی عادت تھی۔

”آپ کہاں سے آ رہے ہیں.....؟“

دروغ کی بات کو نظر انداز کر کے پوچھنے لگی۔

”میں ایک ایجنٹ کے پاس گیا تھا۔“

خلاف توقع در و درانے بغیر بتائے گئے۔

”ہاں کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ وہ چاہاں کا بڑا رے رہا ہے۔“

”اچھا تو آپ جاپان جاؤ گے.....؟“

بچکی اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

”ہاں.....! کوشل تو کر رہا ہوں۔“

”لیکن جاپان جانا آسان تو نہیں ہے، بہر حال مطلب ہے کہ کافی پیسے چاہئے ہوں گے.....؟“

”بار لاکھ لاکھ۔“

”بار لاکھ.....؟“

اس نے تعجب سے زہرا پر اپنے طور پر سمجھاتے ہوئے بولی۔

”چھوڑیں، بیما.....! اگر اتنے پیسے ہوتے تو آپ نہیں کوئی کاروبار کر لیتے۔“

”تو جسے جسوں میں کوئی کاروبار نہیں ہو سکتا۔“

”کیوں.....؟ بار لاکھ کم تو نہیں ہوتے۔“

”کوئی بہت زیادہ رکھی نہیں ہیں۔ اگر ایسی کہیں سے انتظام کرویں تو.....“

اس نے کچھ تاسف سے انہیں دیکھا اور کچھ کہے بغیر وہاں سے اٹھ گئی۔

☆☆☆☆

رات میں بچن کے آخری کام جلدی جلدی منٹاتے ہوئے اس کا دھیان ٹیلی فون کی طرف تھا۔ کیونکہ دانیال حسن سوئے سے پہلے اسے فون ضرور کرتا تھا۔ جبکہ اسے فون ریسور کرنے کا موقع بھی کبھی ہی ملتا تھا۔ مگر ماں یا ابا فون اٹھا لیتے تھے۔ پھر وہ ان کی بڑ بڑاہٹ سنتی تھی کہ پتا نہیں کون ہے؟؟؟ آزاد افسانہ کوفون بند کر دیا۔ لیکن وہ سمجھ جاتی تھی۔

اور آج کیونکہ ابا چرنوں کے باعث لیٹے ہوئے تھے اور ماں مسلسل ان کی چار داری کر رہی تھیں۔ اس لئے وہ بچن سے فارغ ہوتے ہی ٹیلی فون سیٹ لے کر اپنے کمرے میں داخل ہوئی تھی کہ ٹیلنچ اٹھی۔ اس نے فوراً ریسور اٹھا لیا تھا۔

”اس کا مطلب ہے وہ دونوں طرف ہے آگ پر برہنگی ہوئی۔؟“

خورا کال ریسور ہونے پیدائیاں کو یقین تھا کہ وہی ہوگی، جب ہی بھٹکھوڑا ہو کر پولا تھا، اور چاندیہ کے ہوٹنوں سے دہلی والی ہنسی کی آواز ابھرنی تھی۔

”بڑی ظالم ہو.....! صرف فون پر ہنسی ہو جانتا تو کس تو یوں بن جاتی ہو جیسے جانتی ہی نہیں.....!“

اس کے ہٹھوڑ کرنے پر وہ پھر سے بے لٹی تھی۔

”اب ایسا بھی نہیں ہے۔“

”پھر کیسا ہے...؟“

و دشر ہووا۔

”مجھے نہیں پتا.....!“

و دکنیڈر ہوئی۔

”لیکن مجھے سب پتا ہے۔ بلکہ اب تو سارے زمانے کو پتا چلنے والا ہے۔“

دانیال نے کہا تو وہ ٹھہرائی۔

”سنگ..... کیا پتا چلنے والا ہے؟“

”بہی کر داتوں کو چھپ چھپ کر فون پر پاتیاں کرنے والے اب دنیا کے سامنے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر

چلا کر رہ گئے۔“

اس نے کہا تو وہ پھر نہ رہی ہوگی۔

”میں فون رکھ رہی ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی اس نے ریسور رکھ دیا اور کچھ دیر اسے سوچتی رہی، پھر ایک دم ابا کا خیال آنے پر جلدی سے جا کر ٹیلی فون سیٹ اس کی جگہ پر رکھا، پھر ماں ابا کے کمرے میں آکر پوچھنے لگی۔

”ابا.....! آپ کے گھٹنے میں درد تو نہیں ہو رہا.....؟“

”نہیں بیٹا۔! اتھارہی ماں نے آج کو کس وی تھی۔ اب کافی آرام ہے۔“

ابا نے کہا تو وہ پوچھنے ہوئے ہوئی۔

”دیے آپ کو ڈاکٹر کے پاس ضرور جانا چاہئے تھا۔“

”شام سے میں بھی یہی کہہ رہی تھی لیکن یہ سنتے کب ہیں کسی کی.....؟ اب بتاؤ.....! رات میں کوئی مسئلہ ہو گیا تو.....؟“

ماں اس نگر میں پھنسی تھیں۔

”تو جلدی چوڑا کا دینا۔“

ابا فوراً بولے تھے۔

”سن لیا.....؟“

ماں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

”اچھا چلیں.....! اب آپ بھی آرام کریں۔ انشاء اللہ کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ اور ہاں.....! کچھ چاہئے

تو بتادیں۔“

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”نہیں.....! بس جاؤ مجھے بھی.....!“

ماں نے کہا تو وہ ”شب بخیر“ کہہ کر پھر اپنے کمرے میں آگئی۔ ابھی کوئی اتنی زیادہ رات نہیں ہوئی تھی،

اور پہلے تو وہ بڑے آرام سے سو جایا کرتی تھی، لیکن جب سے دانیال زندگی میں آیا تھا، نیند آنکھوں سے زخمیت ہو گئی

تھی۔ اس کی جگہ سہنوں نے لے لی تھی۔ اس کی نسلت میں ایک آن دیکھی دنیا کا سطر بڑا حسین لگتا تھا۔ دداس سطر کے

اقتسام پر منزل کا تصور لے سکتی تھی۔

صبح اس کی آنکھوں پر سے کٹی تھی۔ اسے حیرت ہوئی۔ ماں نے بھی نہیں چکایا۔ جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر

ماں کے پاس آئی تو وہ ہنسی سبزی کاٹ رہی تھیں۔

”ماں.....! میں اتنی دیر تک سو رہی.....؟ ابا کہاں ہیں.....؟“

اس نے سوتش ہو کر پوچھا تھا۔

”آفس چلے گئے۔“

ماں کا انداز ناراضگی لے ہوئے تھا۔

"آفس... لیکن ان سے تو چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔؟"

"گھر رہتے ضروری کام ہے۔ لنگڑا اتے ہوئے گئے ہیں۔ جاؤ تم؟ شہر کو۔۔۔"

انہوں نے جواب کے ساتھ کہا۔

"دل ٹھنک چاہو یا۔۔۔ لائیے۔۔۔ اب یہ میں کاٹ دوں۔"

اس نے پختے ہوئے انہوں کے ہاتھ سے چمبی لے لی تو دودھ اور کے ساتھ یک لگاتے ہوئے کہنے لگیں۔

"پتا نہیں ٹوٹی کی طبیعت کسی ہے؟... گھبرا گیا تھا اب اسے فون کر کے بتا دیا۔"

"ارے ماں!... آپ کو ابھی کی ساس کا پتا تو ہے۔ فون کے قریب بھی نہیں پہنچنے دیتیں اسے۔"

وہ مل کر بولی تھی۔

"ہاں!... بڑی بی بی کو خدا کا خوف نہیں ہے۔ ایسے تو ساقی سے میری بیٹی کو جیسے بیٹے میں تو اس نے کچھ دیکھا ہی نہیں تھا۔"

"بڑی بی بی کو چھوڑ دیاں ماں!... اعباد بھائی کون سارا بوجھ کا خیال رکھتے ہیں۔؟ وہ بھی اپنی ماں کی طرح ہی ہیں۔"

اس نے کہا تو انہوں نے ٹوک دیا۔

"اچھا نہیں!... تم نہ بڑا دبوڑا کرو۔"

"لیجئے۔۔۔ میں کیوں نہ بولوں۔؟ میری بہن کو یہ خیال بنا کر رکھا ہوا ہے انہوں نے۔"

وہ تیز ہو کر بولی تو انہوں نے اسے دیکھ کر لکھنے لگی۔

"لکھیں تو کہہ رہی ہوں ماں!... اوہیے لٹلی آپ لوگوں کی ہے۔ پتا چھان بین کے اٹھا کے دے دی لڑکی۔"

"ارے!... چھان بین کا موقع کہاں ہے؟ پتا تھا انہوں نے۔؟ میں!... بات ڈالی اور بیماری کا ناکام چلایا تھا اس کی ساس نے۔"

"بیماری کا ناکام تو اب تک چل رہا ہے ان کا۔"

وہ کہتے ہوئے سبزی کی باسکٹ اٹھا کر چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

یسا کو اپنے گھر پر مکمل عکرائی حاصل تھی۔ ساس، سرسخت نہیں، شہر سا دودھ مزاج اور خوبصورت گھریلو کھیتروں سے خود کو الگ ہی رکھتے تھے اور ایک دہلی گڑھ چاہوں جس پر اسے مکمل کنٹرول تھا۔ اس کی کسی بات پر وہ...

کہتا تو دور کی بات، اختلاف تک نہیں کرتا تھا۔ اس سے بہت خوش تھی اور اپنی خوشی... اپنی ہمیشہ قائم رکھنے کے لئے ہی اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ دانیال کی شادی اپنی بہن سے کرے گی۔

حنا اگر بھی اس میں ماسٹر کر رہی تھی، وہ قدرے آزاد خیال اور لاابالی سی لڑکی تھی۔ خوب صورت بھی تھی، لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ کسی کے دل میں آتے کرنے کے لئے ظاہری خوب صورتی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بہر حال اسے بھی دانیال پسند تھا۔ مزید یہ اسے سہرے خواب دکھائی تھی اور اس نے اپنی ماں سے بھی کہہ دیا تھا کہ وہ حنا کو ہی اپنی بیوی رانی بنے گی۔ اس وقت وہ دونوں پر اپنی ماں کو قلمی دے رہی تھی۔

"اوہو ہوا۔۔۔! میں نے کہا تھا!... اب یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔ آپ بالکل گھومت کر رہیں۔ میں حنا کی شادی دانیال سے ہی کر اؤں گی۔"

"خیر!... اب وہ تو نہیں ہے۔ بس!... میں آج کل میں ہی بات کر دوں گی۔"

"ارے امی!... آپ کو پتا ہے، میرا دھیر میری بات نہیں لٹاں! میں جہاں کہوں گی وہ وہیں شادی کرے گا، اور میں نے سوچ لیا ہے، حنا ہی اس گھر میں آئے گی۔"

"ہاں!... آپ بے فکر ہو جائیں۔"

"اچھا!... اب میں فون کر چکی ہوں۔ کھانا بنانے جا رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔! اللہ! اللہ! اللہ!..."

دو فون رک کر کچن میں آگئی۔ بچوں کے اکیلے سے آنے سے پہلے دو بچوں کے کاموں سے فارغ ہو جانا چاہتی تھی۔ اس کی بیٹی کی دوشین تھی۔ ہر کام ہفت پر کرنے کی عادت نے ہی اس کا میاں اور دور کی نظر میں مقام بنایا ہوا تھا۔ پھر بلیک منڈ بھی تھی، پچھلا دور تو ہر داشت ہی انہیں کرتی تھی۔

حقائق اس کی طرف سے کہیں اس کے میاں کمال حسن اور دیور دانیال حسن کو شکایت کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس لئے یہ شخص اس کی خوش فہمی نہیں تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ دانیال کی شادی کے لئے حنا کا نام لے گی تو وہوں بھائی بلاچن وچ اماں جانیں گے۔

اور یہاں ہو بھی سکتا تھا۔ اگر جو دانیال کی زندگی میں ٹائیڈ نہ آئی ہوتی۔ پھر ابھی اس نے اشارہ بھی یہاں تک نہیں دیا تھا کہ وہ اپنے لئے جیون ساتھی کا انتخاب کر چکا ہے، نہ ہی اس کی کسی حرکت سے یہاں کو شہر ہوا تھا۔ جب ہی رات کے کھانے پر اپنا مقصد بیان کرنے سے پہلے اس نے تمہید باندھ دی تھی۔

"تم میری اچھی خاصی پر لے کر آ رہے ہو دانیال!...! میرا ایک بیٹہ بچن میں ہوتا ہے، دوسرا تمہارا کرے میں۔ اب خدا کے لئے خود سے تھمتے رکھنا ہے پر آنے کی عادت ڈال لو۔"

"ممنی...؟"

دانیال نے کون انکھیں سے کمال حسن کی طرف دیکھا تھا۔



حنا بچنے والی نہیں تھی۔

”کیا بتاؤں؟“

سہانے ہاتھ مارا ڈال دینے۔

”مجھے دانا مال سے یہ امید نہیں تھی۔ میں تو اسے بہت سیہ عا بکھیتی تھی، لیکن وہ تو بڑا تیز نکلا۔ اتنی بڑی

بات مجھ سے چھپا گیا.....؟ ہو تاکہ نہیں لگنے دی.....؟“

”کس بات کی ہو انہیں لگنے دی.....؟“

حنائے زنج ہو کر نکلا۔

”موصوف کا دل آ گیا ہے، وہ خوب صاحب کی بیٹی پر.....“

سہا تو بچنے بچنے انداز میں بولی تھی، حنا بھی اچھل پڑی۔

”تھک..... کیا.....؟ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ کس نے بتایا آپ کو.....؟“

”اوسے.....! کوئی اور بتاتا تو میں کبھی یقین نہ کرتی، خود اچے منہ سے پھرنا ہے دانا مال، اور یہ بھی کہہ گیا

ہے کہ میں آج اس کا رشتہ لے کر جاؤں خوب صاحب کے گھر۔“

”آپ.....!“

حنارو اپنی ہوئی تو وہ ایک دم سنبھل کر کھینچ گئی۔

”اوسے.....! اتم دل چھوڑ کر..... میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔“

”کیا کریں گی آپ.....؟ بلکہ آپ کبھی نہیں کر سکتیں۔ میں بھی آپ کے دیور صاحب مجھ سے سیدھے

منہ بات ہی نہیں کرتے۔“

حنا کی ماہوی پر اسے پتہ لگ گئے۔

”پاگل ہو کر.....؟ تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ میں کیا کر سکتی ہوں اور کیا نہیں.....؟ جین ہیں.....! ذرا!

مجھے ہوشیاری سے چاہنا ہے گا کہ ساپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔“

پھر وہ نرم پڑ کر حنا کو یقین دلانے لگی تھی کہ دانا مال اسی کا ہے۔

☆.....☆.....☆

”اچھا.....!“

راہبہ ہنسنے ہوئے اماں کے گلے لگ گئی۔

”خوش رہو.....!“

اماں نے راہبہ کا سر چوم کر اسے ڈعا دی۔

”اماں.....! دیکھیں تو خوشی کتنا بڑا راہبہ کیا ہے۔“

اس نے شہابی کو ہاتھوں پر اچھالے ہوئے کہا۔

”ماشا اللہ.....! اللہ نظر بد سے بچائے۔“

اماں نے شہابی کی بلائیں لیں۔ پھر راہبہ سے پوچھنے لگیں۔

”تم کس کے ساتھ آئی ہو.....؟“

”عہاد چھوڑ گئے ہیں اماں.....!“

راہبہ کے جواب پر اماں تعجب ہو گئیں۔

”پائیں.....؟ عہاد اندر نہیں آیا.....؟“

”نہیں.....! انہیں کسی کام سے جانا تھا، شام میں آئیں گے۔“

راہبہ نے سہولت سے بتایا تو اس بار وہ ہل پڑی۔

”سب تم شام میں عہاد بھائی کے ساتھ چلی مت جانا.....! اسنے دنوں بعد آئی ہو، دو گنا ہاں.....؟“

”ہاں.....! میری ساس کو جانتی نہیں ہو.....؟ ابھی آ رہی تھی تو بار بار کہے جا رہی تھیں کہ جلدی آتا۔“

راہبہ شاید کچھ زیادہ سی، ملتی ہوئی تھی، عہاد اماں کے سامنے ہی کہہ گئی۔

”غلطی تمہاری ہے۔ خواہ خواہ اتنا ڈرتی ہو۔ کیا عہاد بھائی بھی تمہاری طرف داری میں کچھ نہیں

بولتے.....؟“

”وہ کیا بولیں گے.....؟ وہ تو خود اپنی اماں سے اتنا ڈرتے ہیں۔“

”تو ایسا کہہ.....“

وہ کوئی مشورہ دینے جا رہی تھی کہ اماں نے ٹوک دیا۔

”بس.....! تم اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔ لاؤ شہابی کو مجھے دوا، اور بہن کے لئے شربت بنا

لاؤ۔“

”اماں.....! آپ بھی، بس۔“

وہ خوشی کو اماں کی کوس میں ڈال کر بڑی جلدی ہوئی چلی گئی۔ اسے راہبہ سے بہت سی باتیں کرنی تھیں۔ اپنی

زندگی میں آنے والے نئے موز کے بارے میں بھی بتانا تھا، لیکن اماں راہبہ کے پاس سے اٹھ ہی نہیں رہی تھیں۔ تب

ہو گئے ہیں۔“

وہ کھانا کھانے میں لگ گئی۔ پھر کھانے کے بعد جب اس نماز کے لئے اٹھیں تو اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، درابہ اسے ہاتھ پکڑ کر کھینچ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے بولی تھی۔

"تو اب تم بھی پرانی ہوئے دہائی ہو۔۔۔؟"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

وہ اس اچانک بات پر بوکھلائی تھی۔

"مطلب یہ کہ عیدہ حالہ نے تمہارے لئے کوئی پروپوزل بنایا ہے۔ اماں! آج کل اسی پر غور کر رہے ہیں۔"

جیس۔

رابہ نے اس کی غلڑی جھڑک کر کہا تو وہ ایک دم پریشان ہو گئی۔

"سنگ۔۔۔ کیا۔۔۔؟ یہ کس نے کہا تم سے۔۔۔؟"

"اماں نے۔۔۔ ابھی وہ بیجا باتیں کر رہی تھیں۔"

رابہ سر سے ہٹاتے ہوئے اچانک چھٹی تھی۔

"تم پریشان کیوں ہو گئیں۔۔۔؟ کوئی اور پکرے کیا۔۔۔؟"

وہ نظر میں چمکرائے گئے تھی کہ رابہ نے پھر اس کا ہاتھ کھینچ لیا۔

"پاکل مت بھولنا۔۔۔ اچھا کوئی تو اپنا ہی نقصان کر دگی۔ کیونکہ اماں! اب عیدہ حالہ کے بتائے ہوئے

پروپوزل پر سنجیدہ سو رہے ہیں۔"

"نہیں۔۔۔ رابہ۔۔۔! تم۔۔۔ میرا مطلب ہے تم دو کولوں کو، بلکہ ہاں منع کر دو۔۔۔؟"

وہ پریشانی سے بولی۔

"وہ تو میں منع کر دوں گی، لیکن یہ بھی تو چاہیے کہ ہاں کہاں بھر دانی ہے۔۔۔؟"

رابہ نے شرارت سے اس کے بازو میں ہلکی کات کر پوچھا تو وہ تصدائے نیازی سے بولی۔

"جہاں بھر دانی ہوگی، بنا دوں گی۔"

"لیکھ۔۔۔۔۔! پھر اماں ہی کو بتا دینا۔۔۔ کیونکہ میں تو اتنی جلدی جلدی نہیں کر سکتی۔"

رابہ نے اس سے زیادہ بے نیازی دکھائی تو وہ دانستہ میں کر بولی۔

"زیادہ اترائے کی ضرورت نہیں ہے، سمجھی۔۔۔؟"

"کیوں۔۔۔؟ تم اتر سکتی ہو، میں کیوں نہیں اتر سکتی۔۔۔؟ بتانا ہے تو ابھی بتاؤ کہ میں اماں کے کان

میں بات اُٹھائی جاؤں اور شاید وہ، اگلی بار میں آؤں تو چاہے اماں! اپنے تمہاری بات کچھ کر رہی ہے۔"

رابہ نے اسے متوجہ صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ خائف ہو گئی۔

"اچھا بس۔۔۔! چپ ہو جاؤ۔۔۔!"

رابہ نے بے اختیار اپنے ہونٹوں پر آنکلی رکھ لی، پھر آنکھوں سے اسے بتائے کا اشارہ کیا تو وہ جھپٹ کر

بولی۔

"دانیال۔۔۔! دانیال حسن۔۔۔!"

"ارے۔۔۔! ڈیوڈ! اسٹونی سامان ہے۔ کون ہے۔۔۔؟ کیسے۔۔۔؟ کہاں ملا۔۔۔؟"

رابہ نے نام سے شرابو کو رسالوں کی پوچھا کر دی تو وہ پہلے ہی، پھر پہلی ملاقات سے جو بتانا شروع ہوئی تو اس کی داستان فتنے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

شام کو بڑے بھیا آئے، ساتھ میں بھالی اور بچے بھی تھے۔ اسے دیکھ کر جس طرح بھالی معنی خیز مسکرائیں، اس سے وہ سمجھ گئی کہ ضرور کوئی بات ہے اور یقیناً ہی نے انہیں خاص طور پر بلوایا ہے۔ پھر بھی اپنے طور پر وہ نجان کی بنی رہی۔ کچھ عرصہ سب کے ساتھ بیٹھی، پھر رات کے کھانے کی تیاری کے سلسلے میں بکن میں آ گئی، اور ابھی وہ پال پال سی رہی تھی کہ بھالی اس کے پیچھے آ گئیں۔

"کیا پکاری ہو۔۔۔؟"

وہ آتے ہی پوچھنے لگیں۔

"سٹر پلاؤ، ماؤ۔۔۔"

"نہیں۔۔۔! سٹر پلاؤ کا کافی ہے۔ اس سے زیادہ کوئی اہتمام مت کرو۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"اس لئے کہ ہم کوئی مہمان نہیں ہیں۔"

پھر سرکار کر بولیں۔

"البتہ تم اب مہمان ہو۔"

"میں۔۔۔؟"

وہ سمجھ کر بھی انہیں بنی۔

"اب بزم۔۔۔!"

بھالی نے شرارت سے مجبور۔

"اتنے دنوں سے بات چل رہی ہے، آخر تمہیں کچھ تو خبر ہوگی۔۔۔؟"

"نہیں بھالی۔۔۔! مجھے تو اتنی کچھ پتا نہیں۔ بس ایک روز جنگی نے بتایا تھا کہ اب اپنے کسی دوست کے بیٹے

کا ذکر کر رہے تھے۔"

وہ صاف گونگی سے بولی۔

”ہاں۔۔۔ اور امی نے آج مجھے اسی لئے بلایا ہے کہ میں جیسے بتا دوں۔“

”صرف بتا دوں۔۔۔؟“

اس نے سوچا اور سوالیہ نظروں سے بھائی کی طرف دیکھا تو وہ کیسا توڑھٹیل بتاتے ہوئے کہنے لگیں۔

”لو کے کا نام جہانزیب ہے اور بینک میں بیٹھر ہے۔ زیادہ لمبی چوڑی چلی بھی نہیں ہے۔ بس دو بیٹھیں ہیں اور دونوں شادی شدہ ہیں، البتہ چھوٹا بھائی ہے جو آج کل ڈکری کی تلاش میں ہے۔ بس یوں کچھ لو کہ کوئی خاص ذمہ داری نہیں ہے اس پر۔ تھوڑا بہت اس کے والد بھی کما لیتے ہیں اور اس کی والدہ بھی اچھی خاتون ہیں۔“

بھائی خاموش ہوئیں، جب بھی وہ اسی طرح ان پر نظریں جمائے بیٹھی رہی، کیونکہ جو بات وہ جانتا چاہتی تھی، وہ تو بھائی نے بتائی ہی نہیں تھی۔

”اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں معلوم۔“

بھائی اس کے دیکھتے رہنے پر جو سمجھیں، اسی حساب سے کہا تو وہ نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے پوچھتے

گئی۔

”آپ نے اسے دیکھا ہے۔۔۔؟“

”کسے؟“ اچھا اچھا۔۔۔ کیا تم جہانزیب کا بچہ پھرتی ہو۔۔۔؟ ہاں۔۔۔! میں نے دیکھا ہے، خاصا

بیٹلم ہے۔“

پھر سرگوشی میں پوچھنے لگیں۔

”کیا تم بھی دیکھنا چاہتی ہو۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔!“

وہ آہستہ سے بولی۔

”میں نے تمہارے بھیا سے پہلے ہی کہا تھا، اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ لیکن وہ کہتے تھے کہ

جب جہانزیب نے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی اور اپنے والدین کی پسند کو قبول کر رہا ہے تو ہمیں بھی ایسی کوئی بات نہیں کرنی چاہیے۔“

”اس لئے کہ ہم لڑکی والے ہیں۔“

”شاید۔۔۔! بہر حال، ہر گز گرت کرو۔ جہانزیب واقعی بہت اچھا لڑکا ہے۔“

بھائی کا انداز تسلی دینے والا تھا۔ وہ خاموشی سے سر جھکا کر چاؤل پٹنے میں مصروف ہو گئی۔ تب تک وہ یہ بعد

بھائی کہنے لگی۔

”ویسے اسے دیکھنا کوئی اتنا مشکل نہیں ہے۔ جس اسکول میں تم جاتی ہو اس سے بس ایک اسٹاپ آگے

ی تو اس کا بینک ہے۔ چاہو تو کسی دن جا کر صرف دیکھ لیتا، بلکہ یہ بھی لیتا۔“

”نہیں بھائی! یہ مناسب نہیں ہے۔ کیا سوچے گا وہ کہ۔۔۔“

”بیوقوف۔۔۔!“

بھائی فوراً ٹوک کر بولیں۔

”میرا مطلب ہے، اپنا تعارف کروائے بغیر اسے دیکھ آنا، یا پھر انتظار کرو۔ ہو سکتا ہے کسی دن وہ گھر

آ جائے۔ ویسے بھی اس کے یہاں آنے پر کوئی پابندی تو نہیں ہے نا۔۔۔!“

”چھوڑیں بھائی۔۔۔! آپ نے تو اس بات کو عید کی سے ہی لے لیا۔“

”وہ موضوع ختم کرنے کی غرض سے بولی۔

”کیا مطلب۔۔۔؟ یعنی میں تو تمہاری خواہش کو سمجھتے ہوئے تمہارا ساتھ دے رہی ہوں اور تم۔۔۔“

بھائی نے برا ماننے ہوئے کہا تو وہ ان کے گلے میں بازو ڈال کر بولی۔

”ہلیز۔۔۔! روٹھے نہیں، میں جانتی ہوں آپ میری بہت اچھی بھائی ہیں۔“

”چلو نہ۔۔۔!“

”ایسے نہیں، پہلے شش کر دکھائیں۔“

”اُس کے گودھانے پر بھائی بس پڑیں۔“

☆ ☆ ☆

دو صبح سہا سے کھد آیا تھا کہ وہ آج خوب صاحب کے ہاں چلی جائے اور کیونکہ سہا نے بھی بڑے جوش

سے ہاں بھری تھی، اس لئے وہ آفس ہی میں اس کے فون کا شکر تھا کہ وہ خوب صاحب کے ہاں سے آکر شام تک

انتظار نہیں کرے گی اور اسی اسے خوش خبری سنائے گی۔ اس انتظار میں اس کا کسی کام میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ بار

بار ٹیلی فون اٹھا کر چیک کر رہی۔

آخر صبر نہیں ہوا تو جلدی جلدی ایک دوسروں کی کام نہنا کر گھر چلا آیا اور لاؤنج ہی سے ”بھائی۔۔۔!“

بھائی۔۔۔!“ پکارتے ہوئے سہا کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ اسے بیڈ پر لیٹی نظر آئی۔

”ہیں۔۔۔؟“

وہ حیران ہوا۔

”سمال ہے بھائی۔۔۔! آپ اتنے آرام سے لیٹی ہیں۔۔۔؟ میرا تو خیال تھا آپ میرے انتظار میں

بے چینی سے بیٹھ رہی ہوں گی۔۔۔؟“

”کیوں۔۔۔؟ آج تم نے کوئی کارنامہ انجام دیا ہے کیا۔۔۔؟“



سہا کچھ بھی اچھا بن گئی، لیکن وہ اپنی ذہن میں بولا تھا۔  
"میں تو اسے کارنامہ ہی کہوں گا۔ البتہ میرے کارنامے کو آپ نے چھلکا دیا ہے۔"

"مم... میں کبھی نہیں... اممم کس کارنامے کی بات کر رہے ہو؟"

سہا نے مزید اچھٹے کی ایکٹنگ کی۔

"کیا مطلب...؟ آپ واقعی نہیں سمجھیں...؟ یا مجھے تنگ کر رہی ہیں؟ آپ کو خوبصورت صاحب کے

ہاں جانا تھا۔"

اس نے زور دے کر کہا۔

"اچھا... وہاں... آؤ تم اسی لئے آؤں سے جلدی آگئے ہو...؟"

سہا نے کھٹکے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا تو دروازہ بولا۔

"جی... آپ تائے... کیا پروگرام ہے...؟"

"بھئی... امیر! تو کیا پروگرام تھا، کپڑے بھی اسٹری کر لئے تھے لیکن..."

"لیکن کیا؟"

اس نے سب سے بڑی سے ٹوکا تو سہا اچھٹے کی کوشش میں کرا کر بولی۔

"میرا سب سب ہو گیا، کمر میں کافی چوڑی ہے۔ اب چلتا تو کیا، انعامیہ ناما مشکل ہو رہا ہے۔"

"اوہ...!"

وہ پریشان ہو گیا۔

"تو بھائی...! آپ مجھے اسی وقت ذہن کر دیتیں، میں آپ کو ڈانکڑے کھانے چلاؤں۔"

"تمہارے بھیا آگئے تھے، لیکن ڈانکڑے کھانے کی میری ہمت نہیں تھی۔ خیر! دروازے

آئے تھے۔ شام تک دیکھو! آگئے تھے قابل ہوئی تو چلی جاؤں گی۔"

"ارے...؟ نہیں بھائی...! ابھی آپ آرام کریں۔ جب فٹ ہو جائیں، تب جائیے گا اور

کوئی میڈ...؟، غیر وہ لائی ہے تو تائیں...!"

"نہیں...؟ تباہ ہوئے ہیالے آئے تھے۔"

"نہیں...؟ آپ آرام کریں۔ میں اپنے کمرے میں ہوں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو آواز دے لیجیے

گا۔"

وہ پورے ٹلوں سے کمرہ کراہنے کمرے میں آگیا۔ جتنا وہ چاہا تو دوسرے کو بھی ایسا ہی سمجھتا تھا۔

اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ سہا اس کے لئے کس سوچے بیٹھی ہے؟...؟ جیکسا کا گھایان ناہ کی طرف سے

ہٹ گیا تھا اور وہ سہا کے لئے پریشان ہو رہا تھا۔ کمرے میں آکر بھی وہ وارنٹ چھو گیا کہ کسی وقت بھی سہا کا رکسکی

تھی، اور سہا نے تو نہیں بکا، احساس کے لئے جانے لے کر آگئی تو وہ سب اختیار پوچھ بیٹھا۔

"آپ کب آئیں...؟"

"میں اتفاق سے پوچھ رہی تھی۔ ادھر ہی آگئی تھی۔ دیکھا تو آپاگری پڑی تھی۔ میں نے جلدی سے ڈکھا

بھائی کو فون کر کے بلایا تھا۔"

جتنا جتے ہوئے بیٹھ گئی تو اس نے جزیبہ ہو کر جائے کا کپ اٹھا لیا تھا۔

"آج آپ کا سارا پروگرام چوتھ ہو گیا۔"

جتانے کہا تو وہ تکیے ہوئے بولا۔

"جی...؟"

"ہاں...! آپا تارہی تھی، انہیں آپ کا پوزل لے کر جانا تھا۔ بہت خوش ہو رہی تھی آپا، لیکن بے

چاری سلب ہو گئیں۔"

حتی بات سن کر وہ خاموش ہو رہا تو قدرے ڈک کر وہ بھر کینے لگی۔

"تائیا نام ہے اس اس ڈک کا...؟ میں اسے جانتی تو نہیں ہوں، لیکن اکٹر نظر آتی ہے۔"

اس نے خوش نہیں کیا تو پوچھنے لگی۔

"آپ نے کہاں دیکھا تھا تائیا کو...؟"

"جی...؟"

اس کے چوتھے چہرے میں کربو لی۔

"ارے...؟ آپ کون خیالوں میں کیم ہیں...؟ میں کب سے بات کر رہی ہوں۔"

"سوری...! میں آپ کی بات نہیں سن سکا۔"

وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا، پھر جائے کا کپ خالی کر کے کمرے میں رکھتے ہوئے بولا۔

"مانڈرمت کیجیے گا، مجھے ایک ضرورت کام ہے جانا ہے۔ اور ہاں...! بھائی کا خیال رکھئے گا۔"

"آپ کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی بھائی میری بھی بہن تھیں۔"

وہ ادھر ہی اٹھ کر بولی گئی۔

"جب ہی تو میں اطمینان سے جا رہا ہوں۔"

وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکلا آیا تھا۔ حالانکہ ابھی اسے کہیں نہیں جانا تھا۔ اس وقت کوئی درست بھی نہیں مل

سکتا تھا۔ کیونکہ دن کے تیسرے پہر سب ہی قفس میں مصروف ہوتے تھے۔ دوسرے اس لڑکی حنا سے بھاگ کر نکلا

تھا۔ وہ اس کی ذہنی فری ہونے کی کوشش سے سخت ڈلاں تھا۔ اگر وہ سہا کی بہن نہ ہوتی، تو کبھی اسے نہ سمجھتا تھا۔

اب مجبوراً اسے نہ صرف برواشت کرنا پڑتا، بلکہ اخلاقی تہمتیں بھی بھانے پڑتے تھے، جس کے لئے اسے خود پر بہت

جبر کرنا پڑتا تھا۔

ابھی بھی وہ شخص اس کی جیسے بلا میں کس جہاں پھرتا تھا۔ پھر شام میں وہ ایک ریسٹورینٹ میں جا بیٹھا تو وہاں اتفاق سے ایک دوست مل گیا جس کے ساتھ باتوں میں وقت کا پتہ نہیں چلا۔ کہا بھی وہیں کھانا ملا، اور جب گھر لوٹا تو گیارہ بج رہے تھے۔ خاموشی سے وہ یہی سمجھا کہ سب سو چکے ہوں گے، اس لئے سیدھا اپنے کمرے میں آ رہا تھا کہ نہ صرف ٹیڈا، بلکہ اس کا داماد گھوم گیا تھا۔ اس کی آراہم، جیگر پر دنا بیک پر نہ کائے سوری بھی۔ اس کا دل چاہا اسے کرسی سمیت اٹھا کر باہر پھینک دے۔ بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے زور سے کھانسا تو حنا نے بڑا کر آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھ کر اٹھتے ہوئے بولی۔

”سوری..... اودہ..... پڑتے پڑتے میری آنکھ لگ گئی۔“

”لیکن اس وقت آپ کو میرے کمرے میں نہیں آنا چاہئے تھا۔“

وہ کسی طرح اپنی ناگواری چھپا نہیں سکا۔

”معاف کیجئے گا، میں شوق سے یہاں بیٹھ بیٹھی تھی۔ مجھے آپ نے کہا تھا کہ میں آپ کا انتظار کروں اور آپ کو کھانا کھلا کر دوں۔“

اس کی ناگواری دیکھتے ہوئے حنا بھی جھک کر بولی تھی۔

”شکریہ.....! میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔“

”یہ اگر آپ جانتے ہوئے کہہ کر جاتے کہ کھانے کے لئے آپ کا انتظار نہ کیا جائے تو میں بھی اس ذلت سے بچ جاتی۔“

حنا کی بات پر دھچک رہا تھا۔

”ذلت.....؟“

”توادر کیا.....؟ عزت افزائی تو نہیں کی آپ نے میری.....؟“

حنا کا انداز ہنوز تھا۔ وہ انیل کو احساس ہوا کہ وہ غلطی ہو کر کیا ہے۔

”آئی ایم سوری.....! میں اصل میں آپ کو یہاں دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔“

”کیوں.....؟ خود پر بھروسہ نہیں ہے کیا.....؟“

وہ جوت لگانے سے باز نہیں آئی۔ پھر فوراً ”گنڈ ناٹ“ کہہ کر چلی گئی تو تھکی دیر وہ اس کے پیچھے دیکھتا رہا۔ پھر سر جھٹک کر پہلے خود کو مار لیا، اس کے بعد کارڈ لیس اٹھا کر ٹیڈا کی فہرستیں لکھ کر تو اصرار کرتا جاتا ہی اس نے فون اٹھا لیا تھا۔

”انتظار کر رہی تھی.....؟“

اس نے کہا تو وہ دھیر سے بولی تھی۔

”ہاں.....! بہت دیر ہے۔“

”سوری.....! میں اصل میں ایک کام میں پھنس گیا تھا۔“

”میں سمجھ لیتی تھی، ایسی ہی بات ہوگی اور میں نے آپ سے شکوہ تو نہیں کیا۔“

حنا نے کہا تو وہ سانس کھینچ کر بولا۔

”تمہاری یہی بات تو مجھے ابھی گئی ہے۔ ویسے کبھی کسی شکوہ کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، کر سکتی ہو۔“

”اچھا.....!“

اس کی دلی رتی غشی میں وہ کھو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی، اماں، ابا کی باتیں سن رہی تھی۔ ناشہ کرتے ہوئے ابا اماں سے پوچھ رہے تھے۔

”پھر جمید کا فون نہیں آیا کیا.....؟“

”ہاں.....! میں آپ کو بتا، بھول گئی۔ کل بھی اس کا فون آیا تھا۔“

”اچھا.....! کیا کہہ رہی تھی.....؟“

”رہی جو اسے دنوں سے کہہ رہی ہے کہ جا کر لا کے دو کیجئے آئیں۔ پھر جو چھان بین کرنی ہو، وہ دیکھ کر لیں۔“

اماں نے بتایا تو ابا نے غالباً اثبات میں سر ہلایا تھا، جب ہی ان کی آواز نہیں آئی تھی۔ پھر اماں بولی

”جج جج جج تو میرا دل توڑتا ہے۔ انجان لوگوں کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ پہلے کیسے نظر آتے ہیں، بعد میں کیا سمجھتے ہیں.....؟ راجد کا حال نہیں دیکھا.....؟“

”سب نصیب کی باتیں ہیں بیٹم.....! قسمت ساتھ نہ دے تو اچھے کو برا بننے میں دیر نہیں لگتی۔“

ابا کی بات پر اماں کراہ کر بولی تھیں۔

”تو کیا میں یہ سوچ کر مہر کروں کہ راجد کا نصیب ہی برا ہے.....؟“

”یہ میں نے کب کہا.....؟ جا کر وہ اللہ بڑا کھلا سا نہ ہے، اور دیکھو، ہم اس ڈر سے کہ کہیں ٹیڈا کا نصیب بھی راجد جیسا نہ ہو، یا نہ کو بھائے تو نہیں رکھیں گے ناں.....؟“

”نہیں.....! کیوں بھائے رکھیں گے.....؟ میں خود چاہتی ہوں اب جلدی ٹیڈا کی شادی ہو

”ای لئے تو میں حیدہ کا پوچھ رہا تھا۔ فون کر کے اس سے لڑکے کا اتنا پتا معلوم کر لو، میں جہان میں کرنے سے ہی انہیں گھر بلاؤں گا۔“

”لمحک ہے۔۔۔۔۔! میں آج ہی حیدہ سے معلوم کر لیتی ہوں۔“

اماں کی بات سن کر وہ پریشان ہو گئی۔ کیونکہ راہب نے اسے اطمینان دلایا تھا کہ وہ اماں کو وانیال کے بارے میں بتا کر جائے گی۔ پتا نہیں وہ بھول گئی تھی یا اماں نے اس بات کو اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ ہر حال نہ صرف پریشان تھی، بلکہ اب یہ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔۔۔۔۔؟

راہب کو کون تو کر سکتی تھی لیکن ادھر اس کی ساس راہب سے بات ہی نہیں کرنے کی وجہ تھی، اور اماں سے وہ خود پوچھ نہیں سکتی تھی۔ اسی پریشانی میں کھڑی تھی کہ اماں آ کر پوچھنے لگیں۔

”کیا کر رہی ہو نا۔۔۔۔۔؟“

”کچھ نہیں اماں۔۔۔۔۔! آپ بتائیں کیا کام ہے۔۔۔۔۔؟“

اس نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

”وہ۔۔۔۔۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ روزانہ کے ہاں چلی جاؤ۔ کھینٹی کے پیسے دینے ہیں اور ایک دوسوٹ بھی ملنے دے دو۔۔۔“

اماں نے کہا تو دھنک کر پوچھنے لگی۔

”سوٹ؟ سوٹ کون سے۔۔۔۔۔؟“

”میں ابھی دیتی ہوں۔“

اماں نے کہہ کر الماری کھولی اور دو سوٹ شاہر میں ڈال کر اسے تھما دے ہوئے ہو گئیں۔

”بہت دن لگا دیتی ہے روزانہ، ابھی دو گئی تو چنانچہ کب کی کر دے گی، اور یہ کھینٹی کے پیسے بھی دے دینا۔“

وہ جیسے سمجھ کر بھی نہیں سمجھ رہی تھی۔ لہاں کے ہاتھ سے پیسے لے کر ہوئی۔

”آپ بھی چلیں اماں۔۔۔۔۔! پچھلی بار روزانہ خالد آپ کا پوچھ رہی تھی۔“

”ارے بیٹا۔۔۔۔۔! مجھ سے کہاں اتنا چلا جا رہا ہے۔۔۔۔۔؟ تم جا کر دے آؤ، اور دیکھو۔! بیٹہ مت جا جا

وہاں۔۔“

”کیا کروں۔۔۔۔۔؟ روزانہ خالد کی باتیں ہی ختم نہیں ہوتیں۔“

وہ چادر اوڑھتے ہوئے ہوئی۔

”اچھا جاؤ۔۔۔۔۔! میں جب تک برتن دھو لیتی ہوں، پھر تم آکر کھانا بنالیا۔“

”ارے! نہیں اماں۔۔۔۔۔! آپ بیٹیس آرام سے، میں آکر برتن بھی دھو لوں گی۔ سن رہی ہیں ماں

اپ۔۔۔۔۔؟“

”ہاں ہاں۔۔۔۔۔! جاؤ۔۔۔۔۔؟“

”بس۔۔۔۔۔! میں ابھی گئی اور ابھی آئی۔“

وہ کپڑوں کا شاہر اٹھا کر تیزی سے نکلی تھی۔

☆ ☆ ☆

سیما کے زور زور سے ہکانے پر حنا بھاگی آئی تھی۔

”کیا ہے آپ۔۔۔۔۔؟ کیوں اتنا شور مچا رہی ہو۔۔۔۔۔؟“

”تم کہاں تھیں۔۔۔۔۔؟ کب سے کپڑی ہوں۔“

سیما نے چڑ کر پوچھا۔

”کچن میں تھی۔“

حنا بھی چل کر ہوئی تھی۔

”بس آپ۔۔۔۔۔! اب آپ اٹھ جائیں۔ آپ کا یہ ڈرامہ زیادہ دن چلنے والا نہیں ہے۔“

”ارے۔۔۔۔۔! اصل ڈرامہ تو اب شروع ہو گا۔ یہ بڑھو تک تو میں اس لئے چلی آئی تھی کہ فوری طور پر سمجھ

میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔۔۔۔۔؟“

سیما کی آنکھیں اپنے کسی بیان پر چپکنے لگی تھیں۔

”اچھا۔۔۔۔۔! اب کیا سمجھ میں آیا ہے۔۔۔۔۔؟“

حنا فوراً اس کے پاس بیٹھ گئی۔

”کیا کرنے کا ارادہ ہے۔۔۔۔۔؟“

”ابھی تو میری بہن۔۔۔۔۔! وہی کارنہ بڑے گا جو وانیال چاہ رہا ہے۔“

سیما نے کہا تو حنا اُچھل پڑی۔

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟ یعنی آپ وانیال کا پرچہ لے کر جائیں گی۔۔۔۔۔؟“

”ہوں۔۔۔۔۔! جانا تو پڑے گا۔“

سیما پر سوچ انداز میں سر ہلانے لگی۔ پھر حنا کو دیکھ کر ہوئی۔

”کمال ابھی ساتھ جانے کو تیار ہیں۔ صبح آفس جاتے ہوئے کہہ گئے تھے کہ جلدی آ جاؤں گا، پھر خود

صاحب کے ہاں چلیں گے۔“

"بھرتو آیا... آپ کچھ نہیں کر سکتیں۔"

دنیا بھوس ہو گئی، بھر کہنے لگی۔

"بھرا خیال ہے مجھے اماں کی بات مان لینی چاہئے۔"

"کون سی بات...؟"

سینا نے چونک کر پوچھا تھا۔

"وہ... میں نے آپ کو بتایا نہیں تھا، ہر صاحب کی بیگم میرے لئے آئی تھیں، اپنے بیٹے کا رشتہ لے

کر...؟ اماں نے ابھی تک انہیں جواب نہیں دیا۔"

حنانے یاد دلاتے ہوئے بتایا تو سہرا بھولا کر بولی۔

"کیوں...؟ کیوں لگا کر رکھا ہوا ہے اماں نے انہیں۔ گنا ہے اماں کو مجھ پر بھروسہ نہیں

ہے...؟"

"بھروسے کی بات نہیں ہے آپ۔ اجابات آپ کے اختیار میں ہی نہیں ہے۔"

حنا رنج ہو کر بولی رہی تھی کہ سنا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"سبب اختیار میں ہے میرے۔ جان مارتی ہوں میں اس گھر کے لئے، بھر میری مرضی کے خلاف یہاں

کیسے کچھ ہو سکتا ہے...؟ اور اگر کچھ میری مرضی کے خلاف ہوا تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا، یہ تم بھی دیکھنا۔"

"آپ جذباتی اور سی ہیں آپ۔"

حنار دھمے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

"جذباتی ہی نہیں ہو رہی۔ پوری پلاننگ سے چلوں گی کہ سناپ بھی سر جائے اور لاٹھی بھی نہ لٹے۔"

سینا کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی کہ حنا روکتی تھی کہ کبھی رو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

بھر کہتے بہت سارے دن گزر گئے۔ جہانزیب کی والدہ دایک روز اپنی بیٹیوں کے ساتھ آ کر اسے انگوٹھی

پہنا گئی تھیں اور اس سے اس کے روز گھر کے افراد کی سادگی سے جہانزیب کے گھر پر دم ادا کرتے۔

"حق جانئے...! جہانزیب بھائی اتنے اچھے ہیں کہ میں انہیں سیتی۔"

موقع ملتے ہی سنی نے اسے جہانزیب کے بارے میں بتانا شروع کیا۔

"ہاں! افسانوی کرداروں کی جیسے لگتے ہیں۔ اتحاد انچاقہ، ڈب سمورت آنکھیں، پہلے سے جھے ہوئے

بال، اور باتیں اتنے دھیمے لیجے میں کہ تھکے ہیں کہ ہند چپ چاپ سنا جائے۔"

پھر لحو بھڑک کر بولی۔

"بس ایک خامی ہے۔"

"وو... وو کیا...؟"

وو جو پوری قوت سے سن رہی تھی، چونک کر پوچھنے لگی۔

"ڈراما گے کالا ہے۔"

"کیا...؟"

اس کے منہ سے بے ساختہ جھجکل گئی۔

"زیادہ کالا نہیں ہے، سنا نولا کہہ سکتی ہو۔"

اس کے چپٹے پر ہنسی نے فوراً کچا، بھر شرارت سے آنکھیں نچا کر بولی۔

"اچھا! وائیں نے انہیں بتا دیا، اور نہ اگر تم انہیں دیکھ کر اس طرح چٹخیں تو تیار ہے کتنے ہرٹ ہوتے۔"

"حکومت!"

دو اپنی قبالت مٹانے کو اس پر بگڑنے لگی اور بنگلی نے پروا نہ کرتے ہوئے منگھٹنا شروع کر دیا۔

"او... کالا شاد کاٹا"

میرا کالا ۱۰ سے دلدار

تے گوریاں نول پران کر دو۔"

"کیا بکواس ہے۔"

اس نے ہنسی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، پھر عرصے سے پوچھنے لگی۔

"حق جھٹاؤ، کیا واقعی ان کا رنگ کالا ہے...؟"

"گھر ابو یا کالا، اب کیسے ہو سکتا ہے...؟ اب تو بات یہی ہو گئی ہے۔"

ہنسی کا انداز اب بھی جھینرے والا تھا۔

"جی نہیں...! میں کسی کا لے دلا لے سے شادی نہیں کروں گی۔"

"نہیں جانئے...! ایسی بات مت کر دو۔"

ہنسی ایک دم خمیدہ ہو گئی۔

"جہانزیب بھائی بہت اچھے ہیں، ان کی شخصیت بہت متاثر کن ہے۔ دیے ہی میں تم سے مذاق کر رہی

تھی۔ ان کا رنگ اتنا کالا نہیں ہے، ماور میں بھی تھی ہوں کہ کالا رنگ برائ نہیں ہوتا۔ بس بندے کا دل کالا نہ ہو، باقی سب

خیر ہے۔"

اس نے ہنسی کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تو وہ جانے کیا سمجھ کر کہنے لگی۔

"جنا ہے، جب ہم ان کے گھر جا-تے ہیں تو تمام راست میں یہی سوچتی رہی کہ چنانہیں جہانزیب بھائی

کیسے ہوں گے.....؟ ان سے ملنے ہی سارے خدائے زہر ہو گئے۔ تم جب انہیں دیکھو گی تو اپنی قسمت پر ہلک کر دو گی۔"

"تم ان کی تصویر لی آئیں۔"

وہ ناشوں سے کھینچتے ہوئے ہٹا ہر سرری انداز میں بولی۔

"میں نے کہا تھا ان سے۔ کہنے لگے، تمہیں نہیں ہوں گا، اور مجھے چاہئے وہ خود مانگے۔ ان کا اشارہ تمہاری طرف تھا۔"

وہ بے اختیار اپنی طرف اشارہ کر گئی۔

"یعنی میں مانگوں.....؟"

"ہاں۔۔۔"

"جی نہیں!.....! مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

بچکی کے سامنے اس نے اپنے آپ کو خاصا ریزر پوز کیا، لیکن اس کے اندر ایک لپٹل بچ بچکی تھی کہ جس شخص کے نام کی انگوٹھی اس کی انگلی میں جکڑا رہی ہے، وہ انجاناً نہیں رہا۔ پھر شاہی سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھنے کی چال تو وہ پہلے سے تھی۔ اب بچکی کی تحریکوں نے اس کے اندر مزید اشتیاق پیدا کر دیا تھا۔ جب ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی، تب ایک انتظار کرتی رہی کہ شاید جہانزب خود آجائے، لیکن جب وہ نہیں آیا تب وہ بھائی کے مشورے پر غور کرنے لگی اور ابھی شش و پنج میں تھی کہ اس روز اس کی کوئی مہم سامنے اس سے کہنے نکلیں۔

"سنو! وہ مہم سے ساتھ چلو۔"

"کہاں.....؟"

"ہیں، یہیں اگلے اسٹاپ تک چنک جانا ہے۔"

"کیا.....؟"

وہ بول چوکی جیسے چوہی پکڑی گئی تھی۔

"کمال ہے تم تو یوں اچھلی ہو جیسے میں نے کوسوں اُڑا دیا جانے کی بات کی ہو۔"

"نہن! نہیں.....؟" وہ بچکی ہی بولی۔

"میرا مطلب ہے وہاں کیا کام ہے تمہیں.....؟"

"چنک میں کیا کام ہوتا ہے.....؟"

اس نے اُٹا ٹوٹا۔

"ناہم۔۔۔؟"

وہ کھڑی دیکھنے لگی۔

"ابھی کچھ وقت ہے، جلد ہی چلو رہے ہیں۔ بند ہو جائے گا۔"

صانع نے کہا تو وہ چھوڑنے والے ساتھ اس کے ساتھ چل پڑی گو کہ اس کی طرح جہانزب بھی اس کا روت آنا نہیں تھا، مگر بھی اسے پچھان لے جانے کا دھڑکا لگا رہا۔

وہ صانع کے ساتھ چنک میں داخل ہوئی تو اس کی کیفیت عجیب سی تھی۔ پہلے اپنے آپ کو صانع کے ہچے چھپانے کی کوشش کی، لیکن پھر نہ چاہا جب یہاں تک آئی تھی تو جہانزب کو بھی دیکھ لینا چاہئے۔ اس خیال کے بغیر ہی اس نے سب سے الگ رہی شجر کی ٹہنی کی طرف دیکھا۔ اسی وقت صانع کا ذہن کی طرف پڑی اور وہ بے ہوشی میں پڑی ہوئی اس ٹہنی تک آ گئی۔

"جی فرمائیے.....!"

وہ جو کوئی بھی تھا اس کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"جہانزب صاحب ہیں.....؟"

وہ دل میں جس نام کو ہر رات ہی تھی وہ زبان پر آ گیا اور کانٹا وہ اس وقت شرارت پر آ دیا تھا کہ سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"جی.....! میں جہانزب ہوں۔"

"آ۔۔۔ آپ.....؟"

"آپ کی کوشش میں اس کے ہونٹ نیم وا ہوئے۔"

"فرمائیے.....! کیا کام ہے مجھ سے.....؟"

وہ اس کی کھلی آنکھوں میں دیکھ کر ہلکے سے مسکرایا۔

"لگتے کچھ نہیں.....؟"

غیر ارادی طور پر اس کا ایک قدم پیچھے کی طرف اٹھا۔

"چلیز۔۔۔!"

اس نے سینے کا اشارہ کیا جسے نظر انداز کر کے وہ فوراً پلٹ آئی۔ صانع ابھی وہ چل کھڑی تھی اس نے دل کی بات میں ہلکا سا کھڑکیا کہ اس نے اسے جہانزب سے بات کرتے ہوئے دیکھا نہیں تھا، پھر جیسے ہی صانع فارغ ہوئی، وہ جلدی ت اس کے ساتھ ہی باہر نکل آئی۔

وہ بڑی سرشاہی گھر میں داخل ہوئی تھی۔ اچانک ایک نیا احساس ملا تھا کہ دھڑکنے والا دل ہی بدل گئی تھی۔ اس کا دل جا بواہ چل رہا ہے، لیکن چھوٹے بھیا کوئی سے اچھے دیکھ کر اس کے بدنوں پر ہوا طراوت چل رہی تھی، وہ بھی معدوم ہو گئی۔

"کیا بات ہے.....؟"

اس نے یوں ہی پوچھ لیا اور چھوٹے بھیا جو اس کی آمد پر زوردار گونجنا شروع ہوئے تھے، پھر شروع ہو گئے۔  
ای سے کہنے لگے۔

"میں اصل آپ لوگ چاہتے ہی نہیں کہ میں کچھ کروں۔ ابوتی ابھی تک مجھے بچی سمجھتے ہیں، حالانکہ میری عمر میں آپ لوگ بڑے بھیا کی شادی کر چکے تھے۔"

"ظاہر ہے، وہ اپنے بھروسے پر کھڑا ہو چکا تھا، پھر کہوں نہ کرتے اس کی شادی؟ تم بھی کمانے لگو تو۔"

"آپ لوگ کمانے دیں تب ہاں۔"

وہ ای کی بات کاٹ کر بولے۔

"منع کیا ہے ہم نے؟"

"اور کیسے منع کیا جاتا ہے؟ میں نے جاپان جانے کے لئے ابوتی سے بات کی۔"

وہ اپنی جھوڑیاں منانے بیٹھ گئے۔

"تو تم کسی اولاد کو جو نہیں خود سے باپ کی مجبور یوں کا احساس نہیں۔؟ اور ہر جانیہ کی بات لے لو گئی ہے، اس کی سادی کریں، جتنی پیسہ دیں؟"

"جانیہ کی شادی وصال بعد بھی ہو سکتی ہے۔"

وہ بڑے آرام سے بولے۔

"نہیں۔۔۔ اچھا زب کے گھر والے ابھی اتنا عرصہ انتظار نہیں کریں گے۔ اتنی مشکل سے ایک سال کا وقت دیا ہے انہوں نے۔"

"تو آپ منع کریں انہیں! اس سے اچھا رشتہ مل جائے گا۔"

"کیا۔۔۔؟"

ای کئی دیر تک تاسف سے انہیں دیکھتے گئے۔

"کچھ شرم کرو تا قب۔۔۔ اب جبکہ سب کو خبر ہو گئی ہے تو تم کہتے ہو ریشمی ختم کروں۔؟ میں کبھی ہوں، اگر بوڑھے باپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تو اس کے مسائل میں اضافہ بھی مت کرو، اور سن لو، آج کے بعد اگر تم نے ایسی کوئی غلط بات منہ سے نکالی تو۔۔۔"

"ای۔۔۔۔۔"

اس نے بڑھ کر ای کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

"ہنس۔۔۔! آپ خاموش ہو جائیں، اور چھوٹے بھیا۔! آپ ای کے سامنے کیوں جھکا رہے ہیں۔؟ ہر سادی تا تم ابوتی سے کریں۔"

"ان سے بھی کروں گا، ذرا نہیں ہوں کسی سے۔"

چھوٹے بھیا کہنے جھکتے چلے گئے تو وہ ای کے سامنے آ بیٹھی۔

"جانتیں یہ لڑکا کب مدھرے گا۔؟ اتنی عمر ہو گئی ہے، لیکن۔۔۔"

"چھوڑیں ای۔۔۔! جب انہیں خوابی ڈال کر زنی عمر کا احساس نہیں ہے تو آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔؟"

"میں پریشان نہیں ہوں گی تو اور کون ہو گا؟ اتنی فکر تو مجھے ہم دونوں بیٹیوں کی نہیں ہے، جتنی اس کی ہے۔"

"کہتے کیا ہیں وہ۔۔۔؟"

"جاپان جاؤں گا، جانتیں کسی نے دماغ میں ڈال دیا ہے کہ پچھلے ایک مہینے سے مسلسل ہی رٹ لگا رہا ہے۔"

"تو جانے دیجئے۔"

ہٹا سوچے اس کے منہ سے نکل گیا۔

"لو۔۔۔ تم بھی یہی کہہ رہی ہو۔؟ کہاں سے لاکر دیں اسے بارہ لاکھ۔۔۔؟"

"میرا مطلب ہے، ان سے کہیں، پہلے یہیں کا کرتا بیچ دے، پھر چلے جائیں۔ آپ کیوں جھک کر رہے ہیں۔؟"

پھر موضوع بدلنے کی خاطر ادھر ادھر کچھ کہہ کر پوچھنے لگی۔

"جکی نہیں آئی ابھی۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔ اور آج تو کچھ کر چکی تھی کہ وہ سے آئے گی، شاید پر ٹیکٹل ہورہے ہیں۔"

"اچھا۔۔۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی، اپنی چادر تہہ کے الٹاری میں رکھی، پھر پوچھنے لگی۔

"روٹی پکانی ہے ابھی۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔! میں پکانی ہوں۔"

"لے آؤں۔؟"

"نہیں۔۔۔! مجھے ابھی بھوک نہیں ہے، تم کھانا چاہو تو کھا لو۔"

"نہیں۔۔۔! جکی آ جائے تو پھر ساڑھی کی کٹائی گے۔"

اس نے کہا اور منہ ہاتھ دھو لے کر غصے سے نکل آئی۔ پھر جب وہ منہ ہاتھ دھو کر آ رہی تھی تو

ای وقت جکی بھی آ گئی۔ اسے دیکھ کر وہ اندہ جانے کی بجائے کہیں میں آ کر کھانا کھانے لگی۔ وہ جاتی تھی جب تک



"ہاں.....! تو کوئی ضرورت بھی نہیں ہے مگر سے نکلی۔"

"کیوں ضرورت نہیں ہے.....؟" اسی بھی میں نہیں گھوٹے نہیں تھی تھی۔ درزن خالہ کے ہاں کام سے گئی تھی، اور بھی ایسے کتنے کام ہوتے ہیں۔ کون کرے گا.....؟"

"کوئی بھی کرے گا، تم مگر سے نہیں نکلی۔"

اماں نے فیصلہ سنایا۔

"یہ کیا بات ہوئی اماں.....؟"

اس نے احتجاج کیا۔

"اسد کو سمجھانے والا کوئی نہیں ہے کیا.....؟ آپ جا کر راجہ کی ساس سے بات کریں۔"

"جینا.....! راجہ کی ساس سے بات کرنے کا مطلب تم جانی ہو۔ انہیں احترام دیں گی۔ پھر راجہ کو الگ پریشان کریں گی۔"

اماں نے نرم پڑ کر سمجھانے کی کوشش کی۔

"تو ایسا کب تک ہوتا رہے گا.....؟ راجہ کی ساس کے ڈر سے ہم جینا ہی چھوڑ دیں.....؟ ہوا بٹالیا ہے آپ نے اس عورت کو۔"

وہ نیچے سے ہیر بخشتی ہوئی اندر چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

سماں بظاہر بہت خوشی سے تیار ہو گئی تھی اور بچوں کو دانیال کے حوالے کر کے میں آئی تو کمال حسن کو آئینے کے سامنے کھڑے دیکھ کر نہیں کر سکتی تھی۔

"آپ نے تو عورتوں کو مات دے دی۔ کتنا دقت لیتے ہیں آپ تیری میں۔ مجھے بھرے آئینے کے سامنے کھڑے ہیں۔ کیا ضرورت ہے خود کا پتلا پائل کرے گی.....؟"

"جینا.....؟ اور یہی ہو۔"

کمال حسن اس کی طرف پلٹ کر مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

"اہل تم سے بڑا دشت نہیں ہوتا کہ میں شادی کے ساتھی سے بعد بھی پہلے جیسا پیڑم اور اڑ بکٹوں

ہوں۔ ہاں.....! اہل تم پر عمر کے اثرات نظر آتے گئے ہیں۔"

"اسے کہتے ہیں اپنے منہ میاں مٹو۔"

سماں استہزا سے ہنسی تھی۔

"چلو.....! تو کسی اور سے پوچھ لیتے ہیں۔"

"میں کر دیں۔"

وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"اب تمہیں.....! شام تو آپ نے سہیں کر دی ہے۔"

"نہو.....! میں تو کب سے تیار کھڑا ہوں، اور ہاں.....! کچھ لے کر نہیں جاؤ گی، میرا مطلب ہے صاف کیا۔"

مگر وہ.....؟

کمال حسن نے چلنے پر آمادہ ہو کر پوچھا۔

"ابھی کیوں.....؟ ابھی تو ہم رشے لے کر جا رہے ہیں، آگے پتا نہیں وہ لوگ کیا جواب دیتے

؟.....؟"

"کیا مطلب.....؟"

"مطلب وہاں آ کر سمجھاؤں گی۔ اب تمہیں جلیز....."

وہ کبہ کر چلی تھی کمال حسن نے اس کا بازو قلم کیا۔

"سینا.....! آئی اہم پراؤ آف یو۔" اہم نے جس طرح دانیال کا ایک ماں کی طرح خیال رکھا ہے،

اس کے لئے ہم دونوں بھائی تمہارے بہت مشکور ہیں۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ.....؟ دانیال کا خیال میں نہ رکھتی تو اور کون رکھتا.....؟ اماں، ابا بھڑارے تو

"اہل کو بڑا آدمی بننے دیکھنے کی حسرت لئے چلے گئے۔"

وہ قوی طور پر مغلوب ہو گئی تھی۔

"مگر بھی آج ان کی رد میں بہت خوش ہوں گی۔ بالکل اسی طرح جیسے میں خوش ہو رہا ہوں، دانیال خوش

ہو اور ہماری خوشیوں کا سہرا تمہارے سر ہے سینا.....؟"

کمال حسن دل سے اسے سرا رہے تھے۔

"میں سوچتا ہوں سینا.....! اگر تم دانیال کے ساتھ روایتی بھائیوں والا سلوک کرتی تو ہم دونوں بھائی

نہ انخریب ہو جاتے۔"

"نہو.....! یہ باتیں آپ وہاں آ کر بھی کر سکتے ہیں۔ تمہیں.....! اور یہ ہوری ہے۔"

وہ گھبراہٹ تھی۔ کمال حسن کا بازو قلم کر ڈرا اچھل پڑی۔

راستے میں کمال حسن نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس معاملے میں بالکل اناڑی ہیں۔ لہذا وہی بات

کہی، اور وہ جب تک حاشیہ چائے کے ساتھ دوسرے لوازمات نہیں پرکھ رہی تھی تو ہنور اس کا بازو لیتی رہی۔

اس نے جاتے ہی اماں سے پوچھنے لگی۔

"میں جیسا ایک بیٹی ہے آپ کی.....؟"



"نہیں.....! بڑی راجہ، ماشاء اللہ اپنے گھر کی ہے۔ ابھی دو سال ہوئے ہیں اس کی شادی کو، ایک بچہ

بہن اس کا ماشاء اللہ.....!"

انسان نے بتایا تو وہ ایک نظر کمال حسن کو دیکھ کر کہنے لگی۔

"اچھا.....! ماشاء اللہ.....! ہم آپ کی بیٹی ٹائیے کے لئے آئے ہیں۔"

"جی.....؟"

انسان نے اختیار خوب صاحب کو دیکھنے لگیں۔

"جی.....! میں اپنے دو روزہ انال کی بات کر رہی ہوں۔"

دو روزہ ابولی۔ پھر خوب صاحب سے پوچھنے لگی۔

"آپ نے تو دیکھا ہوگا وانیال کو.....؟"

"جی جی.....! بالکل دیکھا ہے، بلکہ ملاقات بھی ہوئی ہے۔"

خوب صاحب نے کہا تو وہ جیسے دیکھیں ہو کر بولی تھی۔

"پھر تو مجھے وانیال کے بارے میں فریاد، کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جی ہاں.....! وانیال سے اکثر ملاقات ہوتی ہے۔ ماشاء اللہ بھلا ہوا، اخلاق نیک ہے۔ پھر بھی آپ کا

زمانہ تو ہم کچھ وقت لینا چاہیں گے۔"

خوب صاحب نے کہا تو سیمائے سے مطمئن ہو کر بولی تھی۔

"بالکل بالکل.....! وقت لیں آپ، یہ آپ کا حق ہے۔"

"شکریہ.....! آپ کچھ نہیں ناں.....!"

خوب صاحب نے کہتے ہوئے بیگم کو اشارہ کیا تو انہوں نے فوراً سوسوں کی پلیٹ اٹھا کر سیمائے کے آگے کر

دی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ بڑی بے قراری سے سیماء اور کمال حسن کی واپسی کو منتظر تھا۔ جاتے ہوئے سیماء تو اسے یقین دلائی تھی

کہ وہ خوب صاحب سے ہائی ہیرا کر ہی آئے گی، اور اتنا تو اسے ہی یقین تھا کہ خوب صاحب اسے ٹاپ نہ نہیں

کرتے۔ پھر بھی اس سے یہ وقت گزارنا دو گھر ہو رہا تھا۔ نتیجتاً، سیمائی کی دلچسپ باتوں اور شرارتوں سے بھی اسے وہ نہیں

بہل رہا تھا۔ کبھی گھڑی دیکھا، کبھی دروازے پر نظر پڑا، جم جاتیں۔ پھر جب سیماء اور کمال حسن آئے تو وہ بے قرار

سے سیماء کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"بچوں نے تمہیں کچھ تو نہیں کیا.....؟"

سیمائے پوچھا تو اس نے کمال حسن کو اپنے کمرے میں جاتے دیکھا، پھر ایک ہی جست میں بڑھ کر سیماء

کو کندھوں سے تمام کیا۔

"آپ بتائیں وہاں کیا ہوا.....؟"

"اورے.....! اتنی بے مہربانی؟ سانس تو لینے دو.....؟"

سیماء اپنے پیچھے صوفہ کچھ کراٹھے لگی۔

"اگر میری سانس زک ہوئی ہیں۔"

"پلیز میری اچھی بھائی.....! بتائیں ہیں.....! اگر خوب صاحب نے برا تو نہیں مانا.....؟"

اس نے سیماء کے قریب گھٹنے ایک دھپکے۔

"کو.....! امرا کیوں مانیں گے.....؟ جہاں میری ہوتی ہے، وہاں پھر تو آتے ہی ہیں، اور تمہارے جیسا

انہیں کہاں نے.....؟ خوش ہو گئے تھے خوب صاحب اور ان کی بیگم بھی۔ لیکن....."

سیمائے اس کا خوشی سے دھکا چروہ کچھ کراٹھا، اسے ہلادیا تھا۔

"کیا لیکن.....؟"

"پتا نہیں کیوں مچنے کا وقت مانگا ہے.....؟ حیرت ہے تمہارے رشتے کے لئے سوچنا کیا.....؟ ہو سکتا

ہے خوب صاحب نے اپنی بیٹی کے لئے کچھ اور سوچ رکھا ہو.....؟"

سیماء سوچتے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔ وہ ایک تک اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"خیر.....! جنہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہوں ناں.....!"

سیمائے کن آنکھوں سے اسے دیکھا۔ پھر اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر بولی۔

"چلو جاؤ.....! اے گھر ہو کر سو جاؤ.....!"

"پہلے یہ بتائیں، مگر کب جائیں گی.....؟"

اس نے پوچھا تو سیماء نے بارے کو ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"بتاؤں تمہیں کب جاؤں گی.....؟"

وہ ایک دم پیچھے ہٹا، پھر ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے ٹائیے کو کون کپا

"کیسے کچھ تمہیں میرے بھائی اور بھائی.....؟"

اس نے چھوٹے ہی پوچھا تو سیماء نے حیرت کا مظاہرہ کیا تھا۔

"کیسے کچھ.....؟ یہ کیسا سوال ہے وانیال.....؟ جب آپ اچھے ہیں تو آپ کے بھائی بھی اچھے ہی

تھیں گے۔"

”اور بھائی.....؟ بھائی کسی گلیں نہیں.....؟“

وہ سب کچھ جان لینا چاہتا تھا۔

”وہ بھی بہت اچھی ہیں، اور کچھ.....؟“

ٹانپٹسی تھی۔

”اور یہ کہ تمہارے گھر والوں کو میری ٹیلی پھونڈی کی نہیں.....؟“

”یہ تو مجھے نہیں پتا، کیونکہ میرے سامنے ان، ہائے کوئی اور نہیں کیا۔“

وہ صاف گئی سے بولی تھی۔

”لیکن تم ان کے چہروں سے اندازہ تو لگا سکتی ہو کہ وہ میرے پر پزل پر خوش ہیں یا ناخوش.....؟“

اس کی تھکی ٹیٹاں ہر تھی تھی۔

”کبھی باتیں کر رہے ہیں آپ.....؟ مجھے تو ماں، ابا کے سامنے جاتے ہوئے بھی شرم آ رہی تھی۔“

ٹانپٹ سے کہا تو وہ بے ساختہ ہنسنا تھا۔

”اچھا.....!“

”آپ کوئی اور بات کریں ناں.....!“

وہ فردس ہو کر بولی تھی۔

”اور بات یہ کہ میں ابھی سے یہ سوچنے لگا ہوں کہ جب تم اس گھر میں آ جاؤ گی تو.....“

وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ اصرار سے ٹانپٹ نے گھرا کر فون رکھ دیا تھا اور وہ نہ کچھ کر بھی جیسے اسے ہی

دیکھ رہا تھا۔ وڈرشائی شرابی والی میں آخری جاری تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ اسکول جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی کہ اسی دہے پاؤں اس کے کمرے میں آئیں اور اسے مخاطب کر

ایک آہستہ آواز میں کہنے لگیں۔

”سنو.....! یہ پیسہ رکھو اور اسکول کے بعد وہاں سے بازار چلی جانا۔ دو تین اچھے سوٹ لے لینا، جینز

میں رکھنے کے لئے۔“

وہ ایک نظر چہروں پر ڈال کر بولی۔

”اسکول سے کیوں جاؤں.....؟ شام میں آپ کے ساتھ.....“

”نہیں.....!“

ابنی نے فوراً ٹوکا۔

”میں نہیں جا سکتی۔“

”کیوں.....؟“

”اس لئے کہ آج کل تمہارے چھوٹے بھیا اس چکر میں ہیں کہ گھر میں جو پیسہ ہے، اسے اے دیں اور

میں مسلسل اس سے بھی کہہ رہی ہوں کہ میرے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے۔ اب اگر اس نے مجھے بازار جاتے دیکھ لیا تو

ایک بچہ سہ کفر کر دے گا، تم بھی بہت چپکا کرانا، اس کی نظر نہ پڑے۔“

پھر خوشگامی کے انداز میں کہنے لگیں۔

”میں جا سکتی ہوں، آپ کو اور کرنا کر رہی ہوں جو کی بیشی ہے، وہ اسی طرح آہستہ آہستہ پوری کر دوں

تا کہ تمہارے ابو کی پرزیا دو جو نہ پڑے۔“

اس نے اپنے آپ میں جب ماحسوس کیا اور نظریں چرا کر ایک میں پسپہ رکھنے لگی۔

”ناہشت تیار ہے کر کے جانا۔“

ابی کہتی ہوئی چلی گئیں تو کچھ دیر بعد وہ بھی کمرے سے نکل آئی۔

اسکول سے بازار جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اکثر ہی اپنی ضرورت کی چھوٹی موٹی اشیاء کے لئے

وہ اور ساتھ اسکول کے بعد وہاں سے بازار چلی جا کر تھیں۔ آج بھی اس کا خیال تھا کہ وہ ساتھ ساتھ جانے

جانے کی، لیکن اتفاق سے ساتھ اسکول آئی ہی نہیں تھی۔ پہلے تو اس نے سوچا، یہ کام کل پر چھوڑ دے، لیکن پھر جانے

کیا خیال آ کر اس کی سی پٹی پٹی۔ اکیس فریڈریک کا یہ پہلا تجربہ تھا، پھر بھی وہ اطمینان سے اور جلدی فارغ ہو گئی۔

کیونکہ بلا ضرورت وہ کہیں نہیں جی تھی۔ اپنے لئے روزمرہ کے استعمال کی کسی چیز کا خیال آیا بھی تو آئندہ وہ پڑاؤ لے

ہوئے لوگوں کی جھپٹ سے نکل آئی اور وہ اس کا چاہتی تھی کہ نیلے رنگ کی گاڑی اس کے بالکل قریب آن لڑی۔

وگھرا کر وہ قدم پیچھے ہٹی اور کچھ فیصے سے گاڑی کے اندر نظر ڈالی تو جہانزیب کو دیکھ کر فوراً سیدھی کھڑی ہو گئی اور وہ

گاڑی سے اتر کر سیدھا اس کے پاس چلا آیا۔

”کبھی ہیں آپ.....؟“

اس نے رکی جھٹکے کو بھی خاص انداز دیا۔

”جی.....!“

وہ اس قدر کہہ سکی۔

”اس روز آپ اتنی جلدی چلی گئیں، مجھے لگا جیسے آپ صرف ہر نام پوچھنے آئی تھیں۔“

وہ کچھ نہیں بولی تو وہ اس کے پیچھے نظر دوڑاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”اکیلی ہیں یا کوئی اور بھی ساتھ ہے.....؟“

”جی.....؟“

وہ بے حد گھبرا رہی تھی۔

"مگر کیا کیلی ہیں۔"

وہ سمجھ کر بولا۔

"جلنے۔۔۔ میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔"

"شکر ہے۔۔۔ ا۔"

"کس بات کا۔۔۔؟"

"میرا مطلب ہے، میں جلی جاؤں گی۔"

وہ آہستہ آہستہ اپنے آپ پر قابو پا رہی تھی۔ غالباً یہ خیال حوصلہ بخش رہا تھا کہ قریب کھڑا اجنبی اور غیر نہیں ہے، گمان بھی نہیں تھا کہ جس کے لئے وہ دل میں اپنا تیت محسوس کر رہی ہے، وہ تصور سے زیادہ اجنبی اور غیر ہے۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ اگر اکیلی آسکتی ہیں تو اکیلی جا بھی سکتی ہیں لیکن اس طرح میں آپ کو جانے نہیں دوں گا۔"

"جی۔۔۔؟"

وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر بولا۔

"میرا مطلب ہے، اس روز کی طرح آئیں بھی اور چلی بھی گئیں۔"

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

وہ جلدی سے بولی۔

"کوئی دیر نہیں ہو رہی۔ آئیے میرے ساتھ، اور جتنی دیر آپ بس کا انتظار کریں گی، اس سے پہلے میں آپ کو گھر پہنچا دوں گا۔"

"لیکن۔۔۔ لیکن میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"اجہائیں گستا۔"

"چلئے تو پھر ایک کپ چائے۔۔۔؟"

اس نے سامنے کیبنے کی طرف اشارہ کیا، پھر بہت اصرار سے اسے لے آیا اور اس کے سامنے بیٹھے ہوئے جہاں وہ اندری اندر رڑ رہی تھی، وہاں اپنے آپ کو بھلانے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔

"آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

وہ جانے کا آرڈر دینے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر بولا تو اس نے چمک کر دیکھا۔ پھر توجہ سے

بولی۔

"کیا آپ میرا نام نہیں جانتے۔۔۔؟"

اور وہ یقیناً شاعر تھا، ذرا جان کیا کہ وہ اس پر کسی اپنے کا گمان کر کے دھوکہ کھا رہی ہے اور وہ دھوکہ دینے میں ماسٹر تھا، سنبھل کر نوٹیشن سکرابٹ کے ساتھ بولا۔

"میں آپ کے منہ سے سنتا جا رہا ہوں۔"

"جانیہ۔۔۔؟"

"جانیہ جہاز زیب۔۔۔ ا۔"

اس نے غالباً ان دو ناموں کو ذرا کرا کر ذہن نشین کیا۔ وہ کچھ اور کچھ کر گھالی ہوئی اور وہ جو اس پر نظریں جمائے بیٹھا تھا، اب پھر کچھ جبران رہ گیا۔

"چائے لیجئے۔۔۔ ا۔"

وہ اس کی نظروں سے گھبرا کر بول پڑی۔

"ہاں۔۔۔؟"

اس نے کپ اپنی طرف کھینچا، پھر پوچھنے لگا۔

"اور کیا کیا مشاغل ہیں آپ کے۔۔۔؟"

آدھا دن تو اسکول میں ہی گزر جاتا ہے، اس کے بعد بس گھر کے کام۔۔۔"

دو سادگی سے بتانے لگی۔

"بھلی کے امتحان قریب ہیں، اس لئے کہیں ٹکنا بھی نہیں ہوتا، ورنہ کسی کی دیکھیں اور نہیں تو ہم دونوں بڑے بھیا کے گھر تو چلی جاتے ہیں۔"

"میں مگر یہ نہیں سکتا ہوں۔"

وہ جیب سے پینکٹ نکال کر اجازت طلب نظروں سے دیکھنے لگا تو وہ حیران ہو کر بولی۔

"بھلی تو بتا رہی تھی، آپ مگر یہ نہیں پیچے۔"

"بس۔۔۔ ابھی کسی۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے پینکٹ دوبارہ جیب میں دکھایا۔

"میں نے متع تو نہیں کیا۔"

"مع تو نہیں کیا، لیکن اگر آپ نے بھلی کو بتا دیا تو وہ مجھے جہنم بھیجے گی۔"

"میں بے نہیں تھاکوں گی۔"

"مہیا۔۔۔؟"

وہ دوسرا ہنسنا، پھر سرگرمی سے نکال کر سگائے لگا۔ اس دوران وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی اور جب اس نے سر اٹھایا تو کھڑکی دیکھ کر بولی۔

”اب میں چلوں گی۔“

”پھر کب ملیں؟“

”وہ تو رپو پیسے لگا۔“

”چائیں!۔۔۔۔۔!“

”اللہ والی بات مت کر دجانیہ۔۔۔۔۔! میں بار بار تم سے ملنا چاہتا ہوں۔“

وہ لہجے میں بے قراری سے کہہ کر بولا۔

”لیکن میں بار بار گھر سے نہیں نکل سکتی۔“

”دوستار ہو کر عاجزی سے بولی۔

”تو اپنا ٹیلی فون نمبر دے دو۔“

”آپ کو نمبر یاد نہیں ہے۔۔۔۔۔!“

”پھر مجھ سے بولی۔

اس معاملے میں میرا حافظہ یاد دہا چکا نہیں ہے۔۔۔۔۔! اس پر نمبر لکھ دو۔“

اس نے اوڑنی اس کے سامنے رکھی اور جیب سے پین نکال کر اس کے ہاتھ میں تھا دیا تو وہ نمبر لکھنے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ایک منٹ۔۔۔۔۔! میں ملے پے کر دوں۔“

اس نے دیکھ کر ہلکا ہلکا سا ہنسنا کر دیا۔ اس کے بعد جب تک وہ کس میں سوار نہ

ہوئی، تب تک وہ وہیں کھڑا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

اماں بظاہر سوچوں میں گم، لیکن انتظار میں بیٹھی تھیں کہ خدیجہ صاحبہ، تانیہ کے لئے آنے والے دانیال کے رشتے کے بارے میں کچھ کہیں گے، اور خدیجہ صاحبہ بھی اسی نچ پر سوچ رہے تھے، پھر پوچھنے لگے۔

”ہاں تو بیگم۔۔۔۔۔! کیا کہتی ہو تم؟“

”میں بارے میں۔۔۔۔۔!“

اماں چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

”ارے سہجی!۔۔۔۔۔! یہ جو دانیال کے بھائی بھادج آئے تھے، اس کا رشتہ لے کر۔۔۔۔۔!“

خدیجہ صاحبہ نے کہا تو اماں نے ہنسنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولیں۔

”میاں!۔۔۔۔۔! مجھ سے زیادہ آپ جانتے ہیں، آپ کی زیادہ ملاقات ہے دانیال سے۔ میں نے تو بس دو

تین بار ہی دیکھا ہے۔“

”ہوں۔۔۔۔۔!“

خدیجہ صاحبہ ہنسنا شروع انداز میں سر ہلکا کر گویا ہوئے۔

”اگرچہ تو اچھا ہے، بڑا چالاک ہے۔ میرے خیال میں تو تانیہ کے لئے بہت مناسب ہے۔“

”اگر آپ کو مناسب لگے، ہاں تو پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔!“

اماں جیسے پہلے سے مخاطبہ نہ تھیں۔

”پھر بھی بیگم! پہلے تانیہ کی مرضی معلوم کرلو۔ اس کے بعد پھر دانیال کے بھائی بھادج کو کھانے پر

بلانے لگے۔“

”یہ ٹھیک ہے۔۔۔۔۔! لیکن اس سے پہلے آپ کو راجد اور اس کے میاں عباد کو بتانا چاہئے۔ ورنہ راجد کے

لئے نفی سمیت کھڑی ہو جائے گی۔ میاں کے ساتھ ساس بھی ملنے مارے گی کہ سیکے والوں سے اسے کچھ سمجھائی

نہیں۔“

اماں اور راجد کی ساس سے کچھ زیادہ سی خائف تھیں۔

”ہاں!۔۔۔۔۔! تو میں نے سوچا ہی نہیں کہ پہلے داماد صاحب سے مشورہ کرنا چاہئے۔ خیر!۔۔۔۔۔! تم کل راجد

کو فون کر دیتا۔“

خدیجہ صاحبہ بڑبڑہاتی بیگم پر ڈال کر لپٹ گئے۔

”فون پر بتانا ٹھیک نہیں ہے، میں خود مل جاؤں گی۔“

اماں نے کہا۔ خدیجہ صاحبہ نے جواب نہیں دیا تو وہ بھی خاموش ہو رہیں۔ کیونکہ راجد کی ساس اور میاں

بھی جس چالاک چال کا مظاہرہ کرتے تھے، وہ برداشت کرنا خدیجہ صاحبہ کی مجبوری تھی۔ تانیہ کا معاملہ نہ ہوتا تو دو ان

لوگوں کو کبھی منہ بھی نہ لگاتے۔

اور راج تو یہ کہ کر اماں ہی راجد کی بیوہ سے مجبور تھیں، ورنہ ان کا دل نہیں جاہر ہا تھا کہ دو داماد سے مشورہ

کریں جو ہر بات میں کیڑے نکالنا ان کا فرض سمجھتا تھا۔ اس کی عادت سے واقف ہونے کے باوجود ناچار اماں کو جانا

پڑا اور وہاں اپنے تئیں انہوں نے سمجھو داری کا مظاہرہ کیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ وہ تانیہ کا رشتہ طے کر رہی ہیں، اسی سلسلے میں

وہ سمجھ کو تانیہ کی ہونے والی سسرال کی دعوت کر رہی ہیں اور اس ضمن میں انہوں نے راجد اور عباد کو بھی آنے کی دعوت

دے ڈالی تھی۔ یعنی عباد کو تاکہ اڑانے کا موقع نہ دے کہ وہ بہت خوش دامن آئی تھیں۔

لیکن ان کی خوشی بس اسی دن تک تھی کہ اگلے دن ہی راجد کی ساس اپنے لوفر نے اسد کا رشتہ لے کر

آگئیں، اور بعد ازاں کہ باہمی بھرا کر ہی جائیں گی۔ بھول ان کے انہوں نے تو بہت پہلے سے چاہیے کہ وہ بتانے کا سوچ رکھا تھا، اور وہ راہ سے کہہ بھی چکی تھیں، جس مفید بصورت کو امان جیسا کہ انہیں نہیں اور بڑی مشکل سے انہیں یہ کہہ کر لایا تھا کہ، اور خیر صاحب سے بات کر کے ہی انہیں جواب دیں گی۔

اور اس شام خیر صاحب انتہائی بیسے میں دعاؤں سے تھے۔

"ہرگز نہیں..... او آوارہ نکلا.....؟ پڑھ گیا کی بہت کیسے ہوئی؟ کیا باجھ مانگنے کی.....؟ ابھی فون کر کے منع کر دو اسے۔"

"آرام سے کہاں..... آرام سے۔"

اماں انہیں راہ پر احساس دلانا چاہتی تھیں، لیکن خیر صاحب کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہوئے، اور خود ہی فون کر کے راہ پر کی ساس کو منع کر دیا۔ اماں ہونٹوں کی طرح انہیں دیکھے جا رہی تھیں۔

☆☆☆☆

وہ سارا دن بے حد پریشان رہی تھی کہ اگر اپنے راہ پر کی ساس سے مجبور ہو کر اسد کے رشتے کی باہمی بھری تو وہ کیا کرے گی؟ لیکن اپنے ایک دم انکار کر کے کہاں اسے خوش بخشی تھی وہاں وہ راہ پر کے لئے پریشان ہو گئی تھی کہ جانے اس کی ساس اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گی؟ اسے عباد بھائی پر بھی غصہ آ رہا تھا جو ہر جانتا جانتا میں میں اپنی اماں کی بات میں ہلا لیتے تھے۔ یہی کہ تو ان کے نزدیک کوئی بہت سی نہیں تھی۔ اس وقت وہ راہ پر کے حالات پر کڑھ رہی تھی کہ فون کی تیل پر ایک دم چلی گئی۔ بھر بھاگ کر رہسور اٹھایا تھا کہ اگلے سے اماں نکال کر پوچھ لگیں۔

"کیا.....؟ اس کا فون ہے؟"

"نہی سہی سہی ہے اماں۔"

اس نے جواب دے کر رہسور مکان سے لگایا تو واپس فون رہا تھا۔

"اماں کو سہی کا نام ہی بتاؤ۔"

"بھئی چھپ گئی تو بتا دوں گی۔"

"اچھا..... کیا نام بتاؤ گی؟"

واپس نے ٹھوکر پر چھوڑ دیا اور اپنے ساتھ چلی گئی۔

"واپس....."

"اماں....."

واپس کا تعجب بھی بے ساختہ تھا۔ اس نے گھر آ کر اماں کے کمرے کی طرف دیکھا، پھر آواز دیا کہ کہنے

"آپ نہیں سکتے ہیں، کیونکہ آپ کو چاہی نہیں ہے کہ آج مجھ پر کیا قیامت گزر گئی ہے.....؟"

"اور..... کیا ہوا.....؟"

و ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

"بس.....! جانے دیں.....!"

اس نے کہا تو وہ بند ہوا۔

"نہیں.....! پہلے بتاؤ.....! اب جانے بتا دین نہیں آئے گا۔"

"آپ مذاق تو نہیں اڑا رہی ہیں؟"

دو سش وینچ میں گھر کر پڑی تھیں۔

"مذاق کیوں اڑاؤں گا؟ تم بتاؤ.....!"

"وہ..... میری بہن کی ساس اپنے دوسرے بیٹے کا پر پوئل لے کر نکلی تھیں۔"

اس نے بتانا شروع کیا ہی تھا کہ وہ بول پڑا۔

"پھر.....؟"

"پھر بس.....! اپنے انکار کرو یا۔"

"خیک گاؤ.....! تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔ وہ دیکھ کر سانس کے ساتھ بولا پھر پچھنے گا۔"

"اچھا.....! یہ بتاؤ.....! اس کی ساس کی ساس.....؟"

"ابھی تو نہیں.....!"

"کیا.....؟"

"کیا بعد میں بتاؤں گی۔ ابھی اماں آ رہی ہیں۔"

اس نے اماں کی چٹیل کی آواز سن کر ہی کہا تھا اور وہ رہسور کھ کر اپنے کمرے میں آگئی تو کچھ دیر ہی اسے سوچ سکی، پھر وہ میان راہ پر کی طرف چلا گیا تھا۔

☆☆☆☆

راہ پر جہنم نہ ہوتے ہوئے بھی اپنی ساس بھول بیگم اور میاں عہاد کے سامنے ہم عمر بیٹی کھڑی تھی۔ خیر صاحب کا انکار سن کر بھول بیگم بالکل ہی آہستہ سے باہر ہو گئی تھیں۔ مزید راہ پر عہاد پر احسان نہ ہونے کے بعد ہی تھیں۔ "تم شکر کرو بہو.....! کہ میں نے اپنے اسد کے لئے پھر سے تمہارے گھر کا انتخاب کیا۔ ورنہ لوگ تو بس گھر سے ایک ہی بیٹے ہیں، ورنہ بارہ اور دیکھنا بھی کوارہ نہیں کرتے۔ کیوں عہاد.....؟"

”بالکل بالکل۔۔۔“

عباد نے فوراً ان کی پاس میں ہاں ملائی تھی۔

”میرے اسد کے لئے کوئی کی نہیں ہے۔ بڑا دول نہیں، لاکھوں میں ایک ہے۔“

”جی ای۔۔۔! مگر۔۔۔“

راولہ منہ کر دو گئی۔

”کیا۔۔۔؟ تمہیں کوئی اعتراض ہے اس رشتے پر؟“

تو لنگھ کر ہاڑی نہیں۔

”نہیں امی۔۔۔! میں یہ کہتا چاؤں وہی تھی کہ شاید پرچی نکلیں۔“

واپس نے نہ کہہ کر بھی بتا دیا کہ اسد میٹرک فیل ہے، جس پر تو لنگھ کر پرچی ہو کر بولیں۔

”بڑا حائی نکھائی کا بہت ڈر ہے تمہارے۔“ اسے دیکھ کر دلوں کو۔۔۔! پڑھائی کام نہیں آتی سرال

میں۔ پھر میں کیا تم نے جاہل سمجھ دکھا ہے۔۔۔؟“

”نہیں امی۔۔۔! وہ اسد۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔“

واپس نے ہنسی سے عباد کو دیکھنے لگی، لیکن وہ یوں بیٹھا تھا جیسے اسے جاننا ہی نہ ہو۔

”میں تمہارا مطلب ابھی طرح سمجھتی ہوں۔ میرے بیٹوں کو آؤ بتا سکتی ہو، مجھے نہیں۔۔۔! دیکھ رہے ہو۔“

عباد۔۔۔! کیسی زبان چلتی ہے تمہاری وہ بیوی کی؟۔۔۔! اسے۔۔۔! اسان فراموش خاندان ہے ان کا۔ میں اس کے

بڑے سے ماں باپ کا بوجھ بٹا کر چاؤں وہی تھی، لیکن اس کے باپ نے لکاسا جواب دے دیا۔ سن رہے ہو۔۔۔؟ اس

سے کہو نائی کا دشتے لے کر دے دو نہ بھی جا بیٹھے سیکے۔“

”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی۔۔۔؟“

راولہ پریشان ہو گئی۔

”بس۔۔۔! میرا بی بیٹل ہے۔“

تو لنگھ کر فیصلہ سنا کر لیاں منہ سوزا کہ اب مزے کچھ نہیں سنیں گی، اور عباد بھی جیسے ان سے متفق ہو کر

اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تو در پریشان اس کے پیچھے بھاگی آئی۔

”عباد۔۔۔! عباد۔۔۔! میری بات میں۔۔۔! جو کچھ مای چاؤں وہی ہیں، دو میرے اختیار میں نہیں ہے۔“

وہ فوج لود جا بڑو ہو کر بول رہی تھی۔

”میں اماں! اسے صرف اسد کے دشتے کی بات کر سکتی ہوں، لیکن ذرا دقتی ان سے منواتو نہیں سکتی۔“

”کیوں۔۔۔؟ کیوں نہیں منواتو سکتی۔۔۔؟ تم کیا بیٹی نہیں ہو ان کی۔۔۔؟“

عباد نے اٹلا سے لڑا تو وہ رو پانسی ہو گئی۔

”ہوں میں ان کی بیٹی، لیکن اب میں پہلے آپ کی بیوی ہوں چاہو۔۔۔!“

”تو پھر تم پہلے اس گھر کا خیال کیوں نہیں کر رہی۔۔۔؟ تمہاری دو داریاں مشکوک کیوں ہیں۔۔۔؟“

”میری دو داریاں مشکوک ہیں۔۔۔؟“

دو دکھ سے اسے دیکھنے لگی۔

”اگر نہیں ہیں تو جاہت کرو، ساتھ دو ہمارا۔۔۔! اہجائے میرا ساتھ دینے کے تم اپنے ماں باپ کی بنو کر

جی۔۔۔؟ تمہیں ان کی لڑاؤ دھر ہے تو جاؤ کرو ان کی فکر، وہ ان کے پاس۔۔۔!“

عباد کچھ سننے مانے کو تیار ہی نہیں تھا۔

”چلاؤ شفاؤ شوٹی کو، میں تمہیں چھوڑ آ جاؤں۔“

”چھوڑ آ جاؤں۔۔۔؟“

دو سناٹے میں آ گئی۔

”ہمیشہ کے لئے نہیں چھوڑ رہا، اسد کا دشت پکا کر کے آ جانا۔۔۔!“

”نہیں۔۔۔!“

دو چیخے بننے لگی، لیکن عباد نے اس کی ایک نہیں سنی اور اسی وقت ذرا دقتی اسے لے کر خواجہ صاحب کے

دوڑے پر چھوڑ گیا تھا۔ وہ جانتی تھی اس وقت اماں اسے دیکھ کر کہتے پریشان ہوں گے اور اس کی دردی صروت

، پھر کچھ بھی جائیں گے کہ وہ کیوں کہتی گئی ہے۔۔۔؟ اس لئے اس کے اندھ جانے کی بہت نہیں ہو رہی تھی۔ مگر اسد

’ن قابل ہوئے آپ کو کوئی بات ہی نہیں تھی۔ دو ایک نمبر کا آؤ اور بلو فر تھا، اور اس کے لئے تو دو اماں لبا کہ مجھو نہیں کر

تھی تھی۔ اس لئے تو پڑا پانے کے بعد ہی روانہ ’داخل ہوئی تھی۔

”اوسے۔۔۔! راجہ۔۔۔؟“

اماں نے اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا کہ بکھر خواجہ صاحب ٹھکے تھے۔

”السلام علیکم یا۔۔۔!“

اس نے مسکرا کر سلام کیا۔

”وہیکم السلام۔۔۔! خوش ہو چلا۔۔۔! یہ اس وقت۔۔۔؟“

خواجہ صاحب کو خورچ پیچھے بولے عجیب سا رنگ۔

”بس!۔۔۔! شوٹی تنگ کر دیا، اسے لے کر کھٹے نکلے دھر میں آپ کے پاس آ گئی۔“

اس نے سہولت سے بات بتائی۔

”اچھا اچھا۔۔۔! عباد کہاں ہے۔۔۔؟“

خواجہ صاحب نے قدم دے مٹھیں ہو کر پوچھا۔

"وہ ان کی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ان کی دوائے کرکھر جائیں گے۔"  
اس نے بتا کر بات بدل دی۔  
"تجربہ کہاں ہے؟ کیا کر رہی ہے؟"  
"اپنے کمرے میں ہے، بلائی ہوں۔"  
اماں نے کا تو وہ فوراً بولی۔  
"میں جاتی ہوں اماں! آپ یہیں بیٹھیں۔"  
"اچھا! کھانا تو کھاؤ گی ناں؟"  
اماں نے پوچھا۔  
"ابھی تو بھوک نہیں ہے۔ کھانا ہو گا تو تھانیہ سے کھروں گی۔"  
وہ کہتے ہوئے تھانیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔  
☆☆☆☆

بارہ چنگی کا کافی دیر شرارت سے بولی۔  
"ابھی جہاز زیب بھائی کا فون بھی آیا تھا۔"  
"کسک... کیا؟"  
وہ بری طرح چوڑکی۔  
"ارے...؟ تم تو یوں اچھلی ہو جیسے میں نے ان کی آمد کی اطلاع دی ہو۔"  
چنگی نے ہچیرے ہوئے ناک تو وہ نچل سی ہو گئی۔ دل ہی دل میں اپنے آپ کو سرزنش بھی کرنے لگی۔  
"کم از کم پوچھ تو لو کہ کیا کہہ رہے تھے وہ؟"  
"میں کیوں پوچھوں؟"  
وہ اتر کر بولی۔  
"مت پوچھو! میں بھی نہیں بتاؤں گی کہ وہ تمہارے بارے میں کیا کیا کہہ رہے تھے۔؟ اور یہ کہ انہوں نے تمہارے لئے کیا پیغام دیا ہے۔؟"  
چنگی نے تجسس پیدا کرنے کے لئے کھڑا کر لیا اور اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا کہ کہیں انہوں نے بتا تو لیں دیا کہ وہ ابھی ابھی ان سے مل کر آ رہی ہے۔ یہ مشکل تمام خود پوچھا پوچھا بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔  
"کیا کہہ رہے تھے؟"  
"اب کیوں پوچھ رہی ہو۔؟"  
اس لئے کہ میں جانتی ہوں، جنہیں بتانے بغیر ممکن نہیں آئے گا۔"  
چنگی بے ساختہ فحشی بھرا سے مزید تنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے بولی۔  
"جہاز زیب بھائی کہہ رہے تھے کہ تم نے ابھی تک ان سے قصوبہ کی فرمائش نہیں کی۔"  
"کروں گی بھی نہیں۔"  
بارہ ارادہ اس کے منہ سے فوراً نکل گیا۔  
"کیوں؟"  
"اس لئے کہ میں انہیں دیکھ چکی ہوں۔"  
"کیا۔؟"  
چنگی حیرت کے ساتھ پوچھنے لگی۔  
"کب؟ کہاں؟"  
"کچھ دن پہلے سائبر کے ساتھ ایک ٹی ٹو ایس بھی دیکھا۔"  
اس نے ٹھٹھکا کر بتایا، طاقت کو ل کر لگی۔

گھر میں داخل ہوتے ہوئے صرف چھوٹے بھیا کا خوف تھا کہ اگر ان سے سنا سنا ہو کیا تو وہ اتنی دیر سے آنے کا سبب پوچھیں گے، اور شادی تو جانی ہی تھی۔  
"چھوٹے بھیا ہیں؟"  
اس نے امی سے دیکھتے ہی سرکش مٹی پوچھا اور ان کے نفی میں رہا لانے پر اطمینان بھری سانس لینے ہوئے شاہجہاد، ایک ان کے سامنے ڈال کر کرنے کے انداز میں بیڑ پڑھنے لگی۔  
"کیا لائی ہو؟"  
چنگی اشتیاق سے پوچھنے لگی۔  
"امی نے کچھ سوٹ منگوائے تھے۔"  
"کس کے لئے؟"  
"چپ رہو۔!"  
امی نے ٹوکا، بھر شاہجہاد، ایک سے کپڑے نکال کر دیکھنے لگیں۔ ساتھ ساتھ تحریف بھی کرتی چاہی تھیں، جس سے اطمینان ہو گیا۔  
"اچھا اچھا! یہ بانی کی شادی کے لئے ہیں۔"  
"ہاں۔"  
امی نے کپڑے دوبارہ شاہجہاد، ایک میں ڈالے اور کس میں رکھے جلی جھٹکے دیکھنے کے لئے پہلے ان کے

”بڑی دو ہو، مجھے بتانا تک نہیں.....؟“

چنگی لہو بھر کو خفا ہوئی، پھر فروا اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

”کیا تم نے اپنا تعارف بھی کر دیا تھا.....؟“

”نہیں.....! جس ذور ہی سے انہیں دیکھ کر آئی۔“

”ذرا ہی سے دیکھ کر آگئی۔“

پہلی اس کی فعل امارتے ہوئے ہوئی۔

”اے چاہیے کس کو دیکھ آتی ہیں.....؟“

"جی نہیں.....! میں نے ان کا نام پوچھا تھا اردو و جہان زیب ہی تھے۔"

”اچھے ہیں تاں چہا نزدیک بھالی...؟“

ہاں.....!

”اے صاف کولے اعتراف لیا، پھر ہے ہی۔“

ابن ابی اسلمہ بنیامین دینا۔

”الحمد لله“ اللهم صل على محمد وآل محمد

۱۰ رکوع: تہا کہ کہ اس فرسہ گوشہ

☆ ☆ ☆

سپانے بچوں کو کھانا رکھنا مکر کیا، پھر ڈاکٹرنگ ٹیبل پر رکھ کر ڈائنا ل اسٹافارڈ رکھنے لگی۔ اندر ہی اندر جھنجھلا بھی رہی تھی کہ جانے کن کا مول میں لگے۔؟۔؟ سب کے ساتھ کھانا کھا کر خود بھی ڈاکٹر ام سے ہو جائے۔ لیکن پتا نہیں اسے بھی کئی ضد تھی۔؟۔؟ اکثر رات کے کھانے سے غائب ہو جاتا تھا۔ کچرا گھر بار دیکھ کر بھتا، بھوک لگ رہی تھی۔۔۔

اور پہلے تو دو برائے نہیں آئے تھے، لیکن جب سے انبیال نے ناس کا کام لے کر اس کی امیدوں پر پانی بھرا تھا، وہ اس کے چرنگوں سے بڑے لکھی گئی، لیکن ظاہر نہیں کرتی تھی۔ ابھی بھی انبیال آیا تو اس نے ایسے فرق نہیں آنے دیا، لیکن اس کے چہرے سے انکار کی ظاہر ہو گئی تھی۔

”عد کرتے ہو دنیا مال.....! صرف تمہارے کھانے کے لئے بیٹھے رہنا پڑتا ہے۔“

”بس ..! اب تو کچھ دنوں کی بات ہے بھابی ..! پھر تو ٹانیا جائے گی۔“

دو پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے اپنی ٹون میں بولا تھا۔

‘پتا نہیں۔۔۔! مجھے تو خواجہ صاحب کے ارادے نہیں لگ رہے۔‘

د پہلے سے سوچ کر بولی تھی۔

’کیا مطلب.....؟‘

انیال ایک دم ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگا۔

‘جیسی.....! دیکھو ہاں.....! اچھے دن ہو گئے ہیں۔ ابھی تک انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اب اتنا

.....؟ دیکھئے بھالے ہو تم

ہاں..... ایکس

وہ اس قدر بڑا تھا کہ سیما شروع ہوئی۔

”دیجیے مجھے اسی دن ہی اندازہ ہو گیا تھا۔ جو تجھے صاحب اور ان کی قیادت کا اندازہ ہو گیا۔“

about 30 miles from the " "

یہ ہے ہوسٹل ہے، چاہاں ..... سوچنا مناسب لو پر سے بہت بڑا اور اس کا یہ

”مجھے احم

”.....“

سہما نہ پہلے۔ جو بدھمن کرنے کی کوشش

”وہ لڑکی اچھی ہے دیکھنے میں۔“

جی.....! زمر

“مال لے گی۔“

دو ٹائیپ کی تعریف پر خوش ہو گیا تھا۔

”اچھا.....! دے جسے گھر داری کے ساتھ ساتھ سوسائٹی میں“

ابھی تو ہوں نا۔۔۔! میں سب

سینا کو اپنا مجرم بھی رکھنا تھا۔

”بالکل..... آپ کی شاگردی میں آکر تودہ اور بھی ٹھہر جائے گی۔“

”اچھا.....! اب غم جلدی کھانا ختم

دور کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوں۔

”ارے.....! حنا-بیں ہے کیا



"ہاں...! شام میں آتی تھی تو پھر میں نے روک لیا۔"

سید نے بنو درانیال کا چہرہ دیکھا۔ وہ کھانے میں مصروف ہو گیا تو وہاں سے نکل کر حنا کے پاس آگئی۔ حنا اسی کے انتظار میں بیٹھی تھی اسے دیکھتے ہی ہلے ہوئے انداز میں بولی تھیں۔

"کھانا آئیں دیکھ کر کھانا؟"

"ہاں...!"

"سید! ہاں! کونسا کھینچے ہوئے حنا کے پاس بیٹھ گئی۔"

"بس کریں آپ...! اب اس کے چونچلے اٹھانے کا کیا فائدہ؟ اس تو خوش خوشی اس کا رشتہ لے

کر چلی گئی تھیں...!"

حنا نے شک کر جتنا تو سید کو بھی طعنے آگیا۔

"اس میں تصور میرا نہیں، تمہارا ہے۔ تم اگر حسین ہونے کے ساتھ ساتھ خود ہی عقل مند بھی ہو تھیں تو اس

کی نوبت نہ آتی۔"

"کیا مطلب؟ آپ مجھے کیوں الزام دے رہی ہیں؟ لڑکی دانیال نے خود پسند کی ہے، میں نے نہیں پسند کروائی۔"

"آف...! اور اصل نہیں ہے تم میں۔"

سید ابھر جھٹلا گئی۔

"میرا مطلب ہے، جانیہ جیسی سولی معمولی لڑکی نے دانیال کو چھاس لیا لیکن تم اسے اپنی طرف، بل کر

سکی۔"

"میں کیا کروں؟ دانیال مجھ سے سید سے منہ ملتے ہی نہیں کرتا، اور میں ایسا گری پڑی بھی نہیں

ہوں جو اس کے آگے پیچھے بھرتی رہوں؟"

"ابھی یہ کہہ پڑے گا حنا...!"

سید زور سے کہہ بولی۔

"دانیال قابو میں آ جائے، پھر یہ شک اسے جو ہے کی توک یہ رکھنا۔"

"آف...! آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ خود تو آپ نے دانیال سے کہہ دیا ہے کہ آپ کو

جانیہ پسند آتی ہے؟"

حنا بڑبڑاتی تھی۔

"وہ اس لئے میری بہن...! کہہ میری نظروں میں میرا بیٹا بیٹا ہے۔"

"نہیں...! آپ بتاتی رہیں پتا نہ سچ...!"

حنا کھڑک چلی گئی تو سید کی سمجھ میں نہیں آ جا کہ کیا کرے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

راہب عجیب مشکل میں تھی۔ عبادت اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا کہ اسد کے رشتے کی ہائی بھر دیا کر آئے، اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس منہ سے اسد کا نام لے؟ جس کے بارے میں سب ہی جانتے تھے کہ وہ کتنا جبر، بدلتا ہے۔ پھر یہ تعلیم نورو زگار۔ وہ خود بھی اس کے حق میں نہیں تھی۔ لیکن عبادت اور اس کی اکی کو جواب بھی دینا تھا۔ اس رقت وہی سوچ میں بیٹھی تھی کہ خوبصورت صاحب اسے نکال کر کہنے گئے۔

"راہب بیٹا...! تمہاری اماں نے تمہیں دانیال کے بارے میں بتایا ہے ناں؟"

"جی ہاں...!"

منشعروہن کے ساتھ انہیں دیکھنے گئی۔

"تو بیٹا...! مجھے اور تمہاری اماں کو یہ رشتہ بہت مناسب لگ رہا ہے۔ تم کیا کہتی ہو...؟"

خوبصورت صاحب نے اپنا خیال بتا کر اس سے پوچھا تو اس نے حیران ہو کر اپنی طرف اشارہ کیا۔

"میں...؟"

"ہاں بیٹی...! اتم بڑی بہن ہو جانیہ کی، تمہاری رائے بھی ضروری ہے۔"

خوبصورت صاحب نے کہا تو اس کا قلعہ خشک ہو گیا جبکہ ساتوں میں بول بیکری آواز گونجنے لگی تھی۔

"تم سن لڑکی...! میرے بیٹوں کے لئے کیا نہیں ہے۔ جا آ بات کر اپنے ماں باپ سے اسد کے

لئے جانیہ کا رشتہ دیتے ہیں تو ٹھیک، اور نہ نہیں بھی اپنے پاس رکھیں۔"

"کیا سوچتے گئیں راہب...؟"

اماں نے نوک تو اس نے چونک کر نہیں دیکھا پھر خود کو سنبھالتے ہوئے کہنے لگی۔

"کچھ نہیں اماں...! وہ... میں یہ کہہ رہی تھی کہ آپ کو اور ماں کو دانیال پسند ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو

گا؟...! آجما ہے، چھتری چھٹی ہے، اور بادہ، مہمانت نہیں ہے۔ آپ ہائی بھر لیں، بلکہ جلدی شادی بھی کر دیں جانیہ

لی۔"

"بہت جلدی تو ممکن نہیں ہے بیٹا...! کچھ وقت تو لگے گا۔ ہاں...! البتہ بات یہی کی جا سکتی ہے۔"

خوبصورت صاحب نے کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"اور ہاں...! اتم زانا جانیہ سے اس کی مرضی معلوم کر لو۔"

اماں نے ایک دم خیال آنے پر کہا تو وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"جانیہ کیوں منع کرے گی...؟"

پھر اسے اپنی بات سننا پڑی۔

”میرا مطلب ہے ماں!.....! شاید آپ کے اور آپ کے فیصلے سے اختلاف نہیں کرے گی۔“

”میں جاننا ہوں بیٹا!.....! تمہاری طرح ٹائیپ کے فرغانہ اور سعادت مند ہے۔ پھر بھی اللہ رسول کا حکم

ہے دینی سے ضرور پوچھ لینا چاہئے۔“

”جی!.....! میں پوچھ لیتی ہوں۔“

وہ اسی وقت اٹھ کر ٹائیپ کے کمرے میں آئی تو وہ عربی کو آہستہ آہستہ چھپ رہی تھی۔

”سو گیا ہے.....؟“

اس نے کہا تو ٹائیپ خاموشی کا اشارہ کرتے ہوئے دبی۔ اور میں بولی۔

”آہستہ بولو!.....! بڑی مشکل سے سوا ہے۔“

”خیر!.....! اب اتنی جلدی نہیں اٹھے گا!“

وہ کہتے ہوئے بیٹھ کی اور ٹائیپ کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”ایسے کیوں دیکھ رہی ہو.....؟“

ٹائیپ نے نو کا تو مسکرا کر بولی۔

”اچھی نگاہی ہو اور خوش ہو!“

”تمہاری محبت ہے!.....!“

”میری یاد!“

اس کے معنی خیر انداز پر ٹائیپ عجیب مچی۔ پھر پوچھنے لگی۔

”اماں! اپنے کچھ کہا ہے تم سے.....؟“

”ہاں!.....! لیکن تم تو اس دور کوئی اور نام بتا رہی تھیں، جبکہ اماں!.....!“

”اماں! اپنے کیا بتا رہے.....؟“

ٹائیپ نے پریشان ہو کر فوراً پوچھا تو وہ دس کر بولی۔

”دانیال!.....!“

”اُف!.....! میری تو جان ہی ٹکلی گئی تھی۔ بہت بری بات۔“

ٹائیپ اس کی شرارت پر واقعی سہم گئی تھی۔

”ہاں!.....! اب تو سب ہی برسے ہیں۔ اچھا تو بس ایک وہی ہوگا۔“

راجہ نے مصنوعی خشکی سے کہا تو ٹائیپ دم بخود ہو گئی۔

”خیر!.....! اب ایسا بھی نہیں ہے۔“

”اچھا!.....! پھر کیسا ہے.....؟“

راجہ جانے کیا جانتا چاہ رہی تھی؟

”پھر ایسا ہے اور!.....! کبیرے نزدیک جڑ شے کی اپنی جگہ اپنی اہمیت ہے اور انشا اللہ رہے گی۔“

”اور اگر خداوند کے کہیں آ زمانش آگئی تو کیا کرو گی.....؟“

راجہ کسی بھی طرح اپنا غصہ چھپا نہیں سکی۔

”کیسی آ زمانش.....؟“

ٹائیپ چل گئی۔

”زشتوں میں آ زمانش یعنی ماں، باپ، بہن اور محبت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا پڑے تو کسے منتخب کرو

گی.....؟“

”قرابہ! میں کیوں کر رہی ہوں اور!.....؟ کیا اماں! اور انیال کے رہنے پر راضی نہیں ہیں.....؟“

ٹائیپ بھی سہم گئی۔

”ارے نہیں!.....!“

راجہ ایک دم سنبھل گئی۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اماں! اول سے راضی ہیں اور پتا ہے، کبہ رہے تھے اس جہہ کو دانیال کے گھر

والوں کو کھانے پر بلائیں گے اور تمہاری بات بکلی کر دیں گے۔“

راجہ نے خوشی اور اطمینان کے کڑوا انداز سے عرض ہو گئی تھی۔ لیکن اس نے سوچ لیا کہ اسے اپنی بہن

کی خوشیاں جیسے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ ایسی کوشش بھی نہیں کرے گی۔ اس لئے اس نے اسد کا نام بھی نہیں لیا تھا

اور گھر کا سراسر سے بس اتنا کہا کہ ٹائیپ کی بات بکلی ہو گئی ہے جس پر وہ ایک دم مچھے سے اٹھ کر نکلیں۔ عمار کوئی طلب کر

کے پوچھیں۔

”دیکھ لیا عمار!.....! اپنی بیوی اور اس کے بیٹے والوں کی مکاریاں.....؟ کل تک تو ایسی کوئی بات نہیں

تھی۔ پھر یہ اچانک بات کیسے بکلی ہو گئی.....؟ وہ بھی داناو سے مشورہ کئے بغیر.....؟ کالوں کا خبر نہیں ہونے دیں

جہیں۔“

”یہ جھوٹ بولی رہی ہے مانی!.....!“

عمار کو جیسے اپنی عزت کے لالے پڑ گئے تھے۔

”اس کے اماں! اب اس اتنی جرات نہیں ہے کہ کوئی کام میرے مشورے کے بغیر کر لیں۔ اس نے جان

بوجہ کرواں بات نہیں کی ہوگی، کیونکہ یہ نہیں جانتی کہ اس کی بہن یہاں آئے۔“

”کیوں بہو.....؟“

بول بیگم نے کڑے تیروں سے اسے دیکھا تو وہ بڑا کر بولی تھی۔

"تمہیں امی!.....! میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں، آپ میری باتیں کریں۔"

"تمہارا بیگم کرلوں.....؟ او بیٹے کو بھلا دوں.....؟"

"میں یہ نہیں کہہ رہی امی.....! آپ خود جا کر معلوم کر لیں۔ تاہم یہ کہہ دو کہ میں نے آئے ہوئے تھے، پھر

اں ہا کو جو صاحب لگا، انہوں نے دیر بات کی کر دی۔"

"بات کیا ہوئی ہے ناں.....؟ نکاح تو نہیں ہو گیا.....؟ اور اب تو نکاح ٹوٹنے میں بھی دیر نہیں لگتی۔"

عباد نے کہا تو وہ منانے میں آگئی۔

"عباد.....؟"

"ارے.....! ٹھیک کہہ رہا ہے عباد.....! تم اپنے نکاح کی سلاحتی چاہتی ہو یا نہیں.....؟"

بول بیگم نے سبک دلی کی انتہا کر دی۔

"خدا کے لئے امی.....! اچھے پر نہیں تو اپنے بچے پر دم کریں۔ عباد.....! آپ سمجھائیں ناں امی کو۔"

"میں امی کو سمجھاؤں.....؟ تم اپنے ناں باپ کو نہیں سمجھا سکتیں.....؟ دم کی ہیک مانجی ہے تو ان سے

مانگو جا کر۔"

عباد نے یہ کہتے ہوئے اسے زور سے دھکا دیا تھا۔

"امی.....! خدا کے لئے میری مجبوری سمجھیں۔ مجھے ایک موقع اور دیں۔ میں پھر ایں بابا سے بات

کروں گی۔"

اس نے مدد کے لئے بول بیگم کو پکارا، لیکن ان کی کٹ پر تو عباد نے اسے دھکے دے کر گھر سے نکالا

تھا۔

"اب تم اس گھر میں تانیہ کے ساتھ ہی آسکتی ہو۔"

عباد نے فیصلہ سنا کر دروازہ بند کر دیا تھا۔

"میرا بچہ.....!"

دو چاکلوں کی طرح دروازہ دھچک رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

بات نہ کرو۔ اس وقت وہ خوب صاحب سے اپنے اسی خدے کا اظہار کر رہی تھیں کہ زور تیل بڑی زور سے مچی

تھی۔

"یہ کون آگیا.....؟"

اں کو یہ بد اظہات مانگو گزری تھی۔

"میں دیکھتا ہوں۔"

خوب صاحب اٹھ کر پہلے گئے اور جب واپس آئے تو ان کی ہاتھوں میں روٹی مسکتی راہبہ کو دیکھ کر اں

دلی گئیں۔

"ابھی خبر.....! کیا ہوا میری بچی کو.....؟ تانیہ.....! تانیہ.....! اپنا لاؤ جلدی سے۔"

"آرام سے بیگم.....!"

خوب صاحب خود پریشان تھے، بیگم کو دک کر راہبہ سے کہنے لگے۔

"ارے بیٹا.....! کچھ تو تو سمجھا دیا ہو ہے.....؟ یوں روٹی نہ جوگی تو کیا پتا چلے گا.....؟"

تب ہی تانیہ پانی لے کر آئی اور تانیہ کے عالم میں ایک ایک کو دیکھنے لگی۔

"لو پانی پیو.....؟"

اں نے تانیہ کے ہاتھ سے گلاس لے کر راہبہ کے ہونٹوں سے لگا دیا تو وہ ایک گھونٹ لے کر بولی۔

"اں.....! میں.....! انہوں نے شوٹی کو بھی اپنے پاس رکھ لیا ہے۔"

"نیا.....! طلب.....؟ شوٹی کو رکھ لیا ہے.....؟"

خوب صاحب نے الجھ کر پوچھا۔

"وہ.....! اہ.....!"

راہبہ زک کر بولی۔

"وہ.....! اسد کے لئے تانیہ کو مانگ رہے ہیں۔"

"میرے خدا.....!"

تانیہ بھا تیار ہو چکی تھی۔ پھر ایک دم چپٹ کر کمرے سے نکل گئی۔

"ارے.....! کوئی زبردستی ہے کیا.....؟ ایک بچی کو کون سا سکھ دیا ہے انہوں نے جو میں دوسری بھی

دے دوں.....؟"

اں نے منے سے کہا تو خوب صاحب نے معاملہ سمجھتے ہوئے بیگم کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا، پھر راہبہ

سے بولے۔

"بیٹا.....! تم روت.....! مجھے بتاؤ.....! کیا کہا ہے تمہاری ماں نے.....؟"

جہ میں ابھی چاروں تھے، لیکن اں ابھی سے ہی تیار یوں میں لگ گئی تھیں۔ گھر کی صفائی ستھرائی، پھر

کھانے میں کیا کیا کتنا چاہیے.....؟

باقی سب تو ٹھیک تھا، اس ایک عباد کی طرف سے تھوڑا اندیشہ تھا کہ وہ مہمانوں کے سامنے کوئی اٹلی سیدھی

”ابا! انہوں نے یہ کہہ کر مجھے گھر سے نکال دیا ہے کہ جب تک تائی کا رشتہ نہیں دیں گے، میں بھی وہاں نہیں رہ سکتی۔“

راہبہ نے اُسو پو پچھتے ہوئے بتایا تو خوجہ صاحب چاکھ خیال آنے پر پوچھنے لگے۔

”وینا! اگلے کیا انہوں نے اسی سلسلے میں جہیں بھیجا تھا؟“

راہبہ نے سر جھکا لیا تو خوجہ صاحب افسوس سے بولے۔

”تو وینا! انہیں بتانا چاہئے تھا۔“

”میں نہیں چاہتی ابا! اسد کو آپ جانتے ہیں، پھر کسی اگر میں بتا دوں تو کیا آپ ان لیے؟“

خوجہ صاحب خاموش ہو گئے تھے۔

”نہیں ابا! اسد کسی بھی طرح تائے کے قابل نہیں ہے۔ بس! آپ مجھے میرا بچہ لا دیں۔ شربی

بہت چھوٹا ہے ابا! ابھرے بغیر نہیں رہ سکتا۔“

راہبہ پھر رونے لگی تو خوجہ صاحب اس کا سر تھپک کر بولے۔

”ممبر سے وینا! ابھرے، شربی کسی غیر کے نہیں، اپنے باپ دادی کے پاس ہے۔ اس کے لئے

پریشان مت ہو۔“

”کیسے پریشان نہ ہوں۔؟“

”اسی لئے میں کہہ رہا تھا، جہیں کل ہی بتانا چاہئے تھا۔ شربی تہہ سے ساتھ تھا، پھر میں خود جہیں نہ جانے

دیتا۔ سخت حماقت کی ہے تم نے۔ اب رونا دھونا بند کرو۔ جاؤ آرام کرو جا کر۔ میں دیکھوں گا کیا کر سکتا ہوں۔؟“

خوجہ صاحب کے غصے سے اماں بوکھلا گئیں۔

”پائیک! اسے کیوں ڈانٹ رہے ہیں۔؟“

”تم چپ رہو۔۔۔ اچاؤ راہبہ! اکھرے میں جاؤ۔“

خوجہ صاحب نے اماں کو ڈک کر راہبہ سے کہا تو وہ ایک دم اُٹھ کر چلی گئی۔

”یا اللہ! اتور تم کر! جاتے میری بیٹیوں کے غصیب میں کیا کھائے۔۔۔؟“

اماں آہ بھر کر بولیں، پھر خوجہ صاحب کو دیکھا۔ وہ جاتے۔ کس سوچ میں ڈوب گئے تھے۔؟

”آپ کیا سوچ رہے ہیں۔؟“

سکتی دیر بعد آخر اماں کو کونا پڑا۔

”کیا سوچ سکتا ہوں۔؟ میرا تو ذہن ہی کام نہیں کر رہا۔ مطلق ہو گیا ہے بالکل۔“

خوجہ صاحب چاکھ بے بس نظر آنے لگے تھے۔

”ہاں!۔۔۔ ایہ نئی مصیبت کھڑی ہو گئی ہے۔ اچھی زبردستی ہے۔ راہبہ کی باری بھی اتنی جلدی چائی تھی

دل تیکم نے کسوچے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔“

اماں نے یہ کہہ کر بھراؤ بھری تھی۔

”تو تیشلی تو ہماری ہوئی ہاں تیکم! اکھر ہم نے ان کا اعتبار کر لیا تھا۔۔۔؟“

خوجہ صاحب نے کہا تو ذرا بولی تھیں۔

”اب! دوبارہ نہ اٹھار کر لیجئے گا، اسد کی حرکتیں کوئی اچھی نہیں ہیں۔ زمانہ چلتا ہے، کیسا لوہرا آوارہ

ہ!۔۔۔“

”اسد کو چھوڑ دو راہبہ کا سوچ۔۔۔!“

خوجہ صاحب جھلا کر بولے تھے۔

”راہبہ کا کیا سوچوں میں! میں نے تو جب سے راہبہ کی منادی ہوئی ہے، کسی ایک دن بھی اسے

لوٹ نہیں دیکھا ہے۔ کسی فحش کنگھیلائی تھی، اب کسی سر جھکا کر دھمکی ہے میری بیٹی۔“

”ہاں!۔۔۔ بہت صابر ہے میری بیٹی۔“

”آپ جا کر بات کریں اس کی ماں سے۔ شریف لوگوں کے یہ طریقے تو نہیں ہوتے کہ دیکھ دے کر

بھاگو کر سے نکال دیا۔؟ خدا نخواستہ راستے میں کچھ ہو جاتا تو۔۔۔؟“

”بس کر دیجیم! میں بیٹیوں کا باپ ہوں۔“

خوجہ صاحب کمر در پڑ گئے تھے۔

”اورے! بیٹیوں کا باپ ہو تا جرم ہے کیا۔؟“

”شاید جرم ہی ہے، جس کی سزا بھی قتل نہیں ہوتی۔“

خوجہ صاحب کی عدد درجہ دل کٹتی محسوس کر کے اماں ایک دم خاموش ہو گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اس کی زندگی کا ایک نیا عنوان مل گیا تھا۔ گزروہ و خایوں میں رہنے والی لڑکی نہیں تھی، لیکن اب جبکہ قیمت میں گھٹیاں آن سائی تھیں تو خواب آپ ہی آپ بج گئے تھے۔ وہ بہت خاموشی سے جہانزیب کے ساتھ

یاں بانہ جاتی رہی۔

وہ اکثر اس کے راستے میں آکھڑا ہوتا تو کبھی کسی کہنے میں مل جاتا، جس کے خواب ناک داخل میں اپنی عمر گنیز باتوں سے وہ اسے یوں گردنت میں لیتا کہ وہ اگلے کی دنوں تک اس سر سے نکل نہیں پاتی تھی، اور کبھی یوں من گڑھی کو کبھی کبھی سرکوں پر دوڑاتا جتا کہ اس کی گھٹت میں اگر کبھی دل نہ لٹو کا کبھی تو یہ خیال زیادہ غالب نہد کہ وہ کوئی غیر نہیں، اس کا گھٹتہ ہے، اور آخر کو اس کو کسی کے ساتھ نہ صرف چلنا ہے بلکہ زندگی گزارنی ہے۔

بہر حال وہ اتنی جلدی تھی کہ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ چونکہ اس وقت جب ای نے اسے اسکول چھوڑنے کے لئے کہا۔

"جانے بیٹا.....! اب تم اسکول چھوڑ دو۔"

"کیوں.....؟"

وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

"بیٹا.....!"

"اب وہ سینے ہی تو رہ گئے ہیں تمہاری شادی میں، اور پھر جہانزیب بھی یہی چاہتا ہے کہ تم نوکری چھوڑ دو۔"

"وہ....."

اس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

اگلے دن جب وہ استغنیٰ وے کر آ رہی تھی تو وہ راتے میں کھڑا تھا اور اب تک وہ خاصی بے باک ہو چکی تھی۔ جیسے ہی اس نے ہارنی کو دروازہ کھولا، بغیر کسی دیکھ بھال کے فوراً بیٹھ گئی اور جب وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے میں روڈ تک لایا تو کہنے لگی۔

"آئی۔ آئی۔ آخری ملاقات ہے۔"

"کیا، مطلب.....؟"

وہ چونک کر نہ لگا۔

"بھئی.....! میں اسکول سے استغنیٰ وے آئی ہوں، اور ظاہر ہے، اب گھر سے نکلتا بھی نہیں ہوگا۔"

"لیکن کیوں.....؟"

"کیوں کا کیا۔ غائب.....؟ تم ہی نے تو کہا ہے۔"

"ہاں.....!"

وہ اس تمام تر سے میں بہت زیادہ کھینچا ہوا تھا، اس لئے اکثر اس کی باتیں نہ سمجھنے کے باوجود سمجھ کر بات کرتا تھا۔

"وہیں اس میں کوئی حرج تو نہیں تھا، میں بعد میں بھی اس باب کو جاری رکھ سکتی تھی۔"

"بعد میں.....؟"

اس نے الٹی دلی میں ڈھیر کر سوجا، پھر کہنے لگا۔

"فہمیں.....! بس، مجھے پسند نہیں ہے۔"

"کیوں.....؟"

"اس بحث کو چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ مجھ سے ملنے تو آؤ گی ناں.....؟"

"بہت مشکل ہے، بلکہ ممکن.....!"

پھر اپنی ذہن میں کہہ گئی۔

"دو سینے کی تو بات ہے.....!"

"دو سینے.....؟"

وہ پریشانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

"میں دو دن فہمیں مذہبوں تو مجھے نہیں نہیں آتا۔"

"میں کیا کر سکتی ہوں.....؟"

اس نے معذوری ظاہر کی، تو وہ گاڑی روک کر اسے دیکھنے لگا، یوں کہ دونوں ہونگی۔

"اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو.....؟"

"تمہاری صورت آنکھوں میں جذب کرنا چاہتا ہوں۔"

"بس کرو.....!"

وہ گھبرا گئی۔

"تو کیا بات مانو گی.....؟"

وہ مختور ہو کر بولا۔

"کیا.....؟"

"ابھی بتاتا ہوں....."

دو گھنٹی سانس لے کر سیدھا ہوا اور پھر گاڑی تیز رفتار سے چلا تاہا ایک فوٹو سٹوڈیو کے سامنے روک کر بولا۔

"آؤ.....! آج اس آخری ملاقات کی یادگار کے طور پر ایک تصویر کھینچتا ہے۔"

اس نے بہت خاموشی سے گردن موڑ کر اسٹوڈیو کی طرف دیکھا، پھر پڑسوجا انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"چلو.....!"

وہ گاڑی بند کرتے ہوئے اس یقین سے بولا جیسے وہ منع نہیں کرے گی۔

"فہمیں جہانزیب.....!"

"کیا نہیں.....؟"

وہ فوراً ٹوک کر بولا۔

"یہ کچھ اچھا نہیں لگتا۔"

"لیکن یہ میری خواہش ہے، اور میں جانتا ہوں کہ تم میری خواہش رو نہیں کر دو گی۔ نہ اب، نہ آئندہ۔"

وہ شش و پنج میں پڑ گئی، اور اس سے پہلے کہ وہ بارہ منہ کرتی، وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر آتے کیا اور چکر کاٹے ہوئے اس کی طرف کا دروازہ کھولا اور اتارنے پر امر ادا کرنے لگا۔ آخر میں خشکی کا اکتھا دیکھا تو وہ مجبور ہو گئی۔ گوکہ گزشتہ کی طرح اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ کیا حرج ہے، وہ بے بسی بھی اب زیادہ دن تو نہیں ہیں جب وہ اس کے ساتھ آواز نہ مگوم بگوم کی، پھر بھی پانچیں کیوں اندر ایک ڈر سا گھر کر گیا تھا۔ جبکہ واپسی میں وہ اس کا حسیاں ہلانے کی خاطر بڑی لگاؤ کا سٹاپا ہرہ کرنا پڑا لیکن اس کی خاموشی نہیں ٹوٹی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ بے حد مضطرب تھا۔ تین دن ہو گئے تھے ٹائیپ سے بات کہے ہوئے۔ پانچیں وہ کہاں تھی۔؟ وہ جب بھی فون کرتا، بکھی خوبصورت صاحب کی آواز سنائی دیتی تو بکھی ان کی تیکر کی، اور وہ فوراً ہی لائن کاٹ دیتا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔؟ کیسے ٹائیپ سے رابطہ کرے۔؟

پہلے تو وہ خوبصورت صاحب سے طے کیا کہ وہ ان کے گھر چلا جاتا تھا لیکن جب سے رشتے کی بات ڈالی تھی، تب سے وہ وہاں جانے سے ہی روک گیا تھا، کیونکہ خوبصورت صاحب کی طرف سے ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا گیا تھا، اور کسی جو اس سے پہلے ان کے ہاں جانا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ وہ بہر حال اب پریشان ہو گیا تھا۔

رات بہت دیر تک وہ بار بار خوبصورت صاحب کے گھر کا نمبر لانا پڑا تھا لیکن ٹائیپ کی آواز سننے کو نہیں ملی تو وہ جانے کیا کیا سوچتے ہوئے بہت دیر میں سو گیا تھا۔ اس لئے صبح اٹھتے ہی بھی سو رہی تھی، جلدی جلدی تیار ہو کر ناشتے کی ٹیبل پر آیا تو سیرا تہی ہوئی ٹیبل تھی۔

"آؤ شہزادے.....! تمہارے ہی انتظار میں بیٹھی ہوں۔"

"موری بھائی.....! میں....."

"بہن بس.....! اب جلدی سے ناشتہ کرو، مجھے اور بھی کام ہیں۔"

"جی۔۔۔"

وہ سعادت مندی سے ناشتے میں مصروف ہو گیا۔ تب اس کا چہرہ دیکھ کر سیرا چنے لگی۔

"کیا بات ہے.....؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔۔۔؟"

"ج۔۔۔ جی بھائی.....! میں ٹھیک ہوں۔"

وہ چونک کر بولا تھا۔

"ٹھیک لگتو نہیں رہی ہے، کوئی پریشانی کی بات ہے تو بتاؤ۔۔۔؟"

"ارے نہیں بھائی.....! کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔"

وہ زبردستی مسکرایا لیکن یہ سنا کہ اس نے جتنے دلی تھی.....؟ ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"ہاں بھائی.....! اب مجھے کیوں بتانے لگے تم.....؟ اب تو ساری باتیں ٹائیپ کے ساتھ ہی ہوتی ہوں۔"

"ارے.....؟ آپ تو ناراض ہو گئیں.....؟"

اس نے ہنسنے سے لگا جانے کا کپہا کپہا رکھ دیا۔

"ٹائیپ میری زندگی میں ضرور آنے والی ہے بھائی.....! لیکن اس کی اہمیت آپ سے زیادہ نہیں ہو۔"

"جی۔۔۔"

"بہن بس.....! جڑے دو۔۔۔!"

سیرا کی خشکی ہنر دہی۔

"میرا یقین کریں بھائی۔۔۔ میرے لئے آپ بہت محترم ہیں۔"

وہ صدق دل سے بولا تھا۔

"اچھا نا.....! کر لیا تمہارا یقین.....! اب یہ تاؤ.....! خوبصورت صاحب سوچنے میں اور کتنا وقت لگا لیں۔"

وہ دھنکے ہو گئے ہیں۔

سیرا اصل بات کی طرف آ گئی۔

"میں کیا کر سکتا ہوں بھائی.....؟ آپ خود جا کر معلوم کریں۔"

اس نے کہا تو سیرا حیرت سے بولی۔

"میں جاؤں.....؟ میرا مطلب ہے، اصولاً تو انہیں بلانا چاہئے۔"

"پانچیں.....؟"

"کیوں.....؟ تمہاری ٹائیپ سے بات نہیں ہوئی کیا.....؟ وہ کیا کہتی ہے.....؟"

سیرا نے ہکا بھکا ہر سیدھے سادے انداز میں پوچھا تھا۔

"نہیں بھائی.....! میری ٹائیپ سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی۔ اصل میں وہ فرد ہو جاتی۔"

"جی۔۔۔"

وہ بات بتاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور سیرا کو حیرت کھینچنے کا موقع دینے بغیر جلالت سے "خدا حافظ" کہہ کر لاپا تھا۔ پھر جلسہ کراچی پریز پر بیٹھے ہی اس نے خواہ صاحب کے گھر کا نمبر ڈائل کیا تو اسے اس کی آواز آئی۔

فنی..... وہ فوراً سمجھ کر بڑبڑایا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے ٹائیپ کو.....؟"

وہ سر جھکا کر تجھ پر جل رہی تھی کہ اسد کے راستے روکنے پر انتہائی غصے اور ناگوارگی سے اسے رکھنا لگی۔ بولنے سے خود کو باز رکھنے کی خاطر اس کے ہونٹ بھیج گئے تھے۔

"کتنی بار کہا ہے، وہ حبيب میں نہ لگا کر دکائی ہو جاؤ گی۔"

اسد نے ترک میں کہا تو وہ دانت چیر کر بولی۔

"تم میرے راستے میں کیوں آتے ہو۔۔۔؟"

"میں۔۔۔۔۔؟"

اسد حیران ہونے کی ایک منگ کر رہے ہوئے بولا۔

"مجھیں نہیں پتا میں تمہارے راستے میں کیوں آتا ہوں۔۔۔۔۔؟ تمہاری بہن نے نہیں بتایا جنہیں۔۔۔۔۔؟"

"بتایا ہے اب بتایا ہے راجہ نے۔ یہ بھی کہ تم کتنے کیسے روٹو رہو۔"

اس کا پیر غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

"اپنا سا گل ہے۔"

اسد نے اپنی ٹھٹ کے کارکڑے کے قودہ غوث سے سر جھٹک کر جانے لگی کہ وہ بھر سائے گیا۔

"سنو۔۔۔۔۔! یہ رعب کسی لور پر بھانا۔ میں اگر آرام سے بات کرتا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بڑے

سر چڑھ جائے۔ یاد رکھو۔۔۔۔۔! میں اگر سر چڑھتا ہوں تو حراج ٹھکانے لگا تا بھی جانتا ہوں۔ کسی بھول میں مت رہتا۔"

"تم بھی کسی بھول میں مت رہنا اسد۔۔۔۔۔! تمہارے جیسوں کو میں جوڑنے کی ٹوک پہنچتی ہوں۔ کچھ

تم۔۔۔؟ ہلو میرے راستے سے اور آدھہ اگر تم نے کبھی میرا راستہ روکنے کی کوشش کی تو وہ حشر کروں گی کہ سارا

زنگی یا دھکے۔"

وہ بے میں کچھ زیادہ ہی بولی گئی تھی اور پھر کسی نہیں تھی اسے وہ کل کر چیز تہہ ہوں سے گھراتے ی

برآدے میں رکھتے تھت پڑا ہے لگی اور اپنی سائیں جھوڑ کر رہی تھی کہ کاندہ سے آتی، دوئی راجہ کے رونے کی

آواز سن کر ایک دم آنکھ کراہ پڑی تھی۔

"میں کچھ نہیں جانتی اماں۔۔۔۔۔! مجھے بس میرا بچہ چاہیے۔"

وہ راجہ کی شفقت کر دوا دے ہی میں ڈک گئی۔

"جانے تمہارا بچہ۔۔۔۔۔! تم خود کو بگاڑنا مت کرو پتا۔۔۔۔۔! ابھی جنہیں بہت حوصلے کی ضرورت ہے۔"

اماں نے راجہ کو پٹکا رہتے دے کر کہا۔

"نہاں سے لائوں حوصلہ اماں۔۔۔۔۔؟ ساری ساری رات میرے کانوں میں شونی کے رونے کی آواز

کرکتی ہے۔ پتا نہیں میرا بچہ۔۔۔۔۔"

"تمہارا بچہ کسی غیر کے پاس نہیں ہے راجہ۔۔۔۔۔!"

وہ ایک دم آگے آکر بولی تھی۔

"اچھا ہے، ابھی اسے وہیں رہنے دو۔ چار دن سنبھالیں گے باپ اور وادی تو دن میں تارے نظر

آجائیں گے انہیں۔"

"میں یہ سب نہیں جانتی، مجھے بس میرا بچہ چاہیے۔"

راجہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھی۔ اماں اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر کے بولیں۔

"حاصلہ رکھو راجہ۔۔۔۔۔! روتی کیوں ہو۔۔۔۔۔؟ تمہارے ابا کہہ گئے ہیں آج آفس سے سیدھا تمہاری

ماں کے پاس ہی جا کر آئے۔"

حبیبی خون کی تل پراں اس سے کیسے لگیں۔

"دیکھو نا۔۔۔۔۔! کسی کا خون ہے۔۔۔۔۔؟ کئی بار فون آیا ہے مگر اوہرے کوئی بولنا ہی نہیں ہے۔"

"عباد ہوں گے اماں۔۔۔۔۔! یا میری ساس۔۔۔۔۔ میں دیکھتی ہوں۔"

راجہ کہتے ہوئے اٹھنے لگی کہ اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"میں نہیں۔۔۔۔۔! تم نہیں جنھو۔۔۔۔۔! آج تم رکھو نا۔۔۔۔۔!"

"جی۔۔۔۔۔!"

ورلیٹ کر لائی میں آگئی اور دیکھ کر راجہ نے عباد اور اپنی ساس کا کہا تھا تو اسے بھی یہی لگا، جب ہی

سیدہ راجہ کا رگوار سے بولی تھی۔

"بیٹو۔۔۔۔۔!"

"کہاں ہو نا۔۔۔۔۔؟"

واپیل کی بے قراری انتہائی حد تک کچھوری تھی۔

"تین دن سے میں مسلسل فون کر رہا ہوں۔ کبھی تمہاری اماں آٹھاتی ہیں کبھی ابا۔ تم خود کہاں ہو گی

۔۔۔۔۔؟"

اس نے گھر کا رچھہ دیکھا پھر آواز دبا کر بولی تھی۔

"سہری واپیل۔۔۔۔۔! میں اس وقت بات نہیں کر سکتی۔"

"اس وقت بات نہیں کر سکتی یا مجھ سے بات کرنا ہی نہیں چاہتیں۔۔۔۔۔؟"

وہ یک دم شامی ہو گیا تھا۔

"یہ۔۔۔۔۔! آپ کیا کہہ رہے ہیں واپیل۔۔۔۔۔؟"

ورپیشان ہو گئی۔

"تم جانا.....! کیوں کترا رہی ہو مجھ سے۔؟"

وانیال نے قدمے سخت لیے سنا پوچھا تو وہ عاجزی سے بولی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے وانیال.....! آپ بلینز.....! غلط نہ سمجھیں۔"

"پھر کیا سمجھوں.....؟ جب تم میرا خون رسیہ دیکھ کر گوی تو میں یہی سمجھوں گا کہ تم مجھ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتیں۔"

"ایسا نہیں ہے وانیال.....! میں آپ کو کیسے سمجھاؤں.....؟"

وہ شکل میں پڑ گئی تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے اہل سمجھتی ہو کہ میں تمہاری بات میں کچھ پاؤں گا.....؟"

وہ ناراض ہو کر اسے زچ کر رہا تھا۔

"اُف.....! آپ تو.....! اچھا..... میں پھر بات کر دوں گی۔"

اس نے ایک دوسرے دیرور رکھ دیا اور یہ اچھا ہی ہوا کیونکہ اس وقت خدیجہ صاحبہ آگئے تھے۔ اس نے خود پرتہ بپاتے ہوئے انہیں سلام کیا اور ان کے پیچھے کمرے میں آگئی جہاں اباس اور رابعہ بیٹھی تھیں۔

"اُپا.....؟"

رابعہ انہیں دیکھ کر بے قراری سے اٹھی تھی۔

"کیا ہوا اُپا.....؟ آپ مجھے نہیں سیرے سمر.....؟ دنیا کا میری ساس نے.....؟ شوٹی..... شوٹی ٹھیک

ہے ناں.....؟"

"ہاں بیٹا.....! سب ٹھیک ہیں..... شوٹی بھی دیک ہے۔"

خدیجہ صاحبہ کی بو محفل آوازاں کے دل میں ترازو ہو گئی، بقدر رابعہ نے اپنے غم میں محسوس ہی نہیں کیا۔

"آپ شوٹی کو لے آئے ناں اُپا.....! وہ یہ.....! اپنے نہیں روہ سکتا۔"

"رابعہ بیٹا.....! اپنے لپا کو بیٹھنے دو وہ..... تم نے تو آتے ہی....."

اباس نے رابعہ کو ٹوکا کہ اب احساس ہوئے پر وہ ہم ہو کر دیں۔

"ہاں.....! اُپا.....! آپ بیٹھیں، میں پانی لاتی ہوں۔"

وہ ہمارے کرپانی لے آئی تو خدیجہ صاحبہ پانی پنی کر رہا تھا ذرا فوراً اس کے سوالوں سے بچنے کی خاطر

بولے تھے۔

"بیٹا.....! اگر جائے مل جاتی تو....."

"میں ابھی بتلائی ہوں.....! اباس.....! آپ یہی نہیں گئی.....؟"

رابعہ نے بہت غلغلہ میں پوچھا جیسے وہ آغا نا سب کا موس سے غار غ ہو جانا چاہتی ہو۔

"دے دو.....؟"

اباس کا جرابہ س کر دو تیر کی کھجری سے لگی تھی، جب ہی خدیجہ صاحبہ کہنے لگے۔

"بہت خدیجہ عورت ہے چول بیگم، اسی بات پر آڑی ہوئی ہے کہ ٹائیہ کا رشتہ دو گے تو رابعہ اس گھر میں

آئے گی، اور میں.....!"

وہ لپا کی بات سن کر دروازے کی اوٹ میں ہو گئی تھی۔

"اُپا.....! اچھ کر میری بیٹیوں پر..... پھر آپ نے کیا کیا.....؟"

اباس پوچھ رہی تھی۔

"کہنے کو تو بہت کچھ تھا جیم.....! عمر بیٹیوں کا معاملہ ہے، کسے ہساؤں کسے اجاڑوں.....؟ تم کر سکتی ہو

یہ فیصلہ.....؟"

اباس کا جواب سننے کو کڑی نہیں، کھجری سے اپنے کمرے میں آگئی۔ اس کی آنکھوں میں جیسے مرجھیں

بھر گئی تھیں۔ جانے یہ کون سا سوز تھا.....؟ اُپا اُنکل بے بس ہو گئے تھے۔ اس کا دل لپا کی بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر

روئے کو چا رہا تھا اس وقت اسے اپنا خیال بھی نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے.....؟

لیکن رات میں بچن کے آخری کام سمجھتے ہوئے اسے اچانک وانیال کی باتیں یاد آنے لگیں کہ وہ اس

سے کیوں کترا رہی ہے.....؟ تو وہ یہ جاننے کے لئے کہ اباس لپا کیا فیصلہ کرتے ہیں.....؟ بچن بڑھ کر کے اباس کے

کمرے کی طرف آگئی۔ اندر شاہی خدیجہ صاحبہ قہقہہ مارتے تھے، جب ہی اباس کمرے میں تھا۔

"بیٹہ جا نہیں میاں.....! تھک جائیں گے آپ.....! اباس پریشان ہونے سے سنبھل نہیں ہوتے۔"

"تو کیسے مل ہوتے ہیں.....؟ بتاؤ.....! اجہارے نزدیک اس مسئلہ کا کیا حل ہے.....؟ کسے قربان کر دو

گی.....؟ رابعہ کو لپا ٹائیہ کو.....؟"

خدیجہ صاحبہ جیسے ڈبے سے گئے تھے۔

"بس کریں میاں.....! مجھ سے ایسی باتیں برداشت نہیں ہوتیں۔"

اباس کی آواز میں آسروں کی آہیرش محسوس کر کے وہ رپ رپ گئی۔

"تو میں کیا چھڑکا بنا ہوا ہوں.....؟ میرے سینے میں دل نہیں ہے کیا.....؟ رابعہ کے آنسو پو پھٹتا ہوں تو

پھر یہ ساری زندگی روٹی ہوئی نظر آتی ہے اور راک ٹائیہ کی خوشی دیکھوں تو..... تو....."

خدیجہ صاحبہ کی آواز میں ٹوٹ گئی تھی۔

"کچھ نہ سوچیں آپ.....! اللہ پر چھوڑ دیں۔"

"اللہ مجھے غلاموں کے ساتھ ہے۔"

"تو بیکریں میاں.....! اب کچھ انا سیدھا نہ بول دیجئے گا۔"



اماں نے وہل کرٹوکا تھا۔

"کیوں...؟ ایمان خطرے میں پڑ جائے گا، یہی نہیں..... کیا کروں.....؟ کچھ بھی سوچ لوں، وقت کی روٹھ جائے گی۔"

اس سے زیادہ سننے کی اس میں تاب نہیں تھی۔ وہ بے آواز مگر تیز قدموں سے اپنے کمرے میں آئی تو راجد کو گھٹنوں میں منہ چھپائے سسکتے دیکر کہاں کا منہ چھپا جواب دے گیا۔

"خدا کے لئے راجعہ.....! ہند کر دیے روٹا دھونا۔ کیوں اپنے ساتھ سب کو پریشان کرتی ہو.....؟ کم از کم اماں باپ کا ہی خیال کرو۔"

"ان کا خیال کر کے ہی تو محنت محنت کرو رہی ہوں۔ ورنہ دل تو مجھے کو چاہتا ہے، اتنا مجھوں کو آسان کا کلچر ہلا دوں۔"

والبعہ نے کہا تو اس کے اندر دُشمنوں کے زوہد و کرمات نکل گئی۔

”آسمان تو تماشا گاہی ہے، اور تماشا گاہیوں کے کلبچہ نہیں ہوتے۔ وہ تو چمچنے والوں پر ہنستے ہیں۔“

رابعہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

”تم بھی کیا سوچتی ہوگی.....؟ میری وجہ سے“

ہنظریں جہ اکراچی ملک ربہ نہ گئی۔

پھر کیا سوچتی ہو.....؟"

الغیر کر دینا ہوگا اسے دیکھنے لگی۔

اسم بھاری..... اسم لیا چاہی ہو.....؟

میں چاہتی ہوں، اللہ کچھ ایسا کرے

اللہ ایسا ہی کرے گا۔ بس.....! تم ہر

نے آخر میں منت ہے کہ اتوار (۲۷) دسمبر

ہیں کیا کروں..... میں شوہنی کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کتنے دن ہو گئے ہیں اس کی آواز۔

100

سے ریوڑ کر بے چاروں سے پوچھنے لگی۔

"سنو.....! میں فون کروں عبا کو.....؟"

"١٠٠٠٠"

”اس کے لئے میں دعا کرتا ہوں۔“

رابعہ نے اتنی عاجزی سے استحقاق کی کہ وہ منع نہیں کر سکی اور حکے سے ٹیلی فون سیٹ

راہنہ نورانی سیور اٹھا کر نمبر ڈاکل کرنے لگی۔ پھر دوسری طرف تلل جانے لگی تو اس نے جانیہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مہاب کی آواز سننے ہی بے اختیار بولی تھی۔

”عہاد..... اسٹوپی کیسا ہے.....؟“

اوہ.....! تو نہیں خیال ابھی لیا سونپی جا.....؟  
 ارشد: مگر سے بول رہا تھا۔

"مجھے ہر پل شہابی کا خیال

پاس لے آئیں۔ دوسرے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

”اچھا۔۔۔! شبی تمہارے بغیر نہیں رہا سکتا، ہم رہا کسے ہو شبی کے بغیر۔۔۔؟“

عبار کے لہجے میں احمد ورجہ چہن تھی۔

”کیس.....! میں نہیں رہا سکی۔“

”نہیں، وہ کہتی تو اپنے اماں ہاں سے

عہار نے یہ کہہ کر فون

”عباد...! میری بات سیک...! عباد...! عباد...!“

-۷-

"بس راجہ.....! تم بھی دل پر پتھر رکھ لو۔"

☆ 2020 年 11 月 11 日 ☆

۱۱۔ آج خور خوبصورت صاحب کے گھر جانے کا سوچ

۱۰۰ کے گھرے میں آ بیج

”چاچو.....! ماما کہاں گئی ہیں؟“

درا نے اسے دیکھ کر پوچھا تو اس سے پہلے ٹوٹی بول پڑا۔

”ماما، چاچو کے لئے چاہتی دیکھنے گئی ہیں۔“

دو ٹوٹی کی بات پر سہ سادہ سسر لہا تھا۔

”تھیں کیسے چا.....؟“

درا نے ٹوٹی سے پوچھا۔

”مجھے ممانے بتایا تھا۔“

”ہیں چاچو.....؟“

درا نے ٹوٹی کا جواب سن کر اس سے تصدیق چاہی تو وہ کھٹکھے اچکا کر بولا۔

”چائیں بیٹا.....! مجھے تو کسی نے بتایا ہی نہیں۔“

جب ہی سہا کے آنے پر وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”آپ اکیلی گئی تھیں بھابی.....؟“

”نہیں.....! حنا ساتھ تھی۔“ راہی میں پہلے اسے گھر چھوڑا، اس لئے کچھ دیر ہو گئی۔“

سہا اسے جواب دے کر بچوں سے جواب ہوئی۔

”چلو بچو.....! شام کا وقت ہے، ذرا تازہ ہوا میں سانس لو، اور دیکھو.....! لاٹ نہیں، جلوباش.....!“

”ماما.....! ہم چاچو کے ساتھ آئیں گے، تم کھانے جائیں گے۔“

ٹوٹی نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

”ہاں ہاں.....! اے چلوں گا، ابھی جاؤ رہا ہر کیلیو.....!“

”آپ بھی آئیں ناں چاچو.....!“

درا اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگی۔

”میں آ رہا ہوں بیٹا.....! آپ چلو، میں آ رہا ہوں۔“

اسے خوبصورت صاحب کے ہاں کا احوال جاننے کی جلدی تھی۔ بڑی مشکل سے چہرے کو بچھ کر سہا کو دیکھا تو

وہ پوچھنے لگی۔

”تمہارے بھائی کہاں ہیں؟“

”اپنے کمرے میں۔“

”اچھا.....! میں انہیں چائے دے دوں۔“

سہا تصدق سے زچ کر رہی تھی۔

”پلیز بھابی.....!“

اس نے سہا کا راستہ روک لیا۔

”پہلے میرے حال پر دم کریں۔ مجھے بتائیں کیا کیا خوبصورت صاحب نے.....؟“

”خوبصورت صاحب تو طے ہی نہیں، اور ان کی بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے پوچھنے پر غال گئیں۔“

”ہائیں کیا سوچ رہے ہیں وہ لوگ.....؟“

سہا بے زاری سے بتاتے ہوئے بیٹھ گئی۔ وہ ناگھنے کی کیفیت میں اسے دیکھے جا رہا تھا۔ تب سہا سے

بیٹھنے کا اشارہ کر کے کہنے لگی۔

”میرا خیال ہے رانیال.....! خوبصورت صاحب کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔ آج ان کے گھر میں بڑی ٹینشن

محسوس ہو رہی تھی۔“

”کیسی ٹینشن.....؟“

وہ ٹھٹھا تھا۔

”اب یہ تو مجھے نہیں پتا، خیر.....! ہو گا کوئی گھریلو مسئلہ۔ لیکن.....“

وہ تصدق آمیز موشہو گئی۔ تصدق رانیال کو شک میں مبتلا کر رہا تھا۔

”لیکن کیا بھابی.....؟“

”لیکن یہ کہ انہیں مجھ سے تو ٹھیک طرح سے بات کرنی چاہئے تھی۔ جی کہہ دیتیں بیگم خوبصورت

تہا سے رشتے پر غور کر رہے ہیں، مگر کچھ بھی نہیں کہا انہوں نے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ان کا ذہن کام نہیں کر رہا سی

سے میں نے اندازہ لگا کر کوئی بات ضرور ہوئی ہے۔“

وہ سہا کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا تھا۔

”کیا بات ہو سکتی ہے بھابی.....؟“

”ہوئی کوئی بات..... لیکن تم دیکھو ناں رانیال.....! مسائل کہاں نہیں ہیں.....؟ ہر گھر میں کوئی نہ کوئی

ظلم تو ہوتا ہی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم اس ایک مسئلے کو لے کر بیٹھے رہیں، اپنی سارے کام چھوڑ

لیں.....؟ سب کام ساتھ ساتھ ہی چلتے ہیں بھابی.....!“

”یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابی.....! میں پوچھوں گا تاہیہ سے۔“

دوسری بات وہ بے دھیانی میں کہہ گیا تھا۔

”ہیں.....؟ تاہیہ سے کیا پوچھو گے.....؟“

سہا قدر سے پکرائی تھی۔

”کچھ نہیں.....! آپ نے ٹیشن لیں۔ جاں بھائی کو چائے وغیرہ دلانیں۔ میں کسی بچوں کو ہارنے کے جا رہا ہوں۔“

دو اچانک کچھ سوچ کر غفلت میں کمرے سے نکلا اور دہلی کو پکارتے ہوئے گاڑی میں آ بیٹھا۔ پھر پہلے اس نے بچوں کو آٹس کریم دلائی، اس کے بعد گاڑی خوبصورت صاحب کے گیٹ پر روک کر بچوں کو آرام سے آٹس کریم کھانے کی تاکید کرتے ہوئے گاڑی سے اتر آیا اور ڈربیل بنش کرتے ہوئے اسے یہی خیال تھا کہ دروازہ خوبصورت صاحب ہی کھولیں گے۔ اس لئے دو سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر جیسے ہی اس نے دو بار دہلی پر انگلی رکھی، دروازہ کھلنے کے ساتھ ایک چلی کوٹا پیچہ کا چہرہ دروازہ اور فوراً دروازہ بند ہو گیا۔

ٹائٹل ٹائپ اسے دیکھ کر گھبرا اُٹھی تھی۔ جبکہ وہ نہ صرف جبران بلکہ انٹوس سے بند دروازے کو دیکھ گیا۔ پھر اچانک دوسری طرف ٹائپ کی موجودگی محسوس کر کے دروازے پر ہاتھ مار کر کہنے لگا۔

”میں جانتا ہوں ٹائپ.....! تم یہاں موجود کر کے دروازے پر ہاتھ مار کر کہنے لگا۔ کیا تم نے گھر کی طرح اپنے دل کا دروازہ بھی مجھ پر بند کر دیا ہے۔؟“

”نہیں.....!“

ٹائپ نے زپ کر دروازہ کھولا تھا۔

”ٹیشن دانیال.....! میں..... بس ابھی آپ سے بات نہیں کر سکتی۔ آپ پلیز..... چلے جائیں یہاں سے۔“

”یوں نہیں جاؤں گا۔ جب تک تم کچھ بتاؤ گی نہیں۔“

وہ دہلی میں سر ہلا کر بولا۔

”کیا بتاؤں.....؟ جب مجھے خود ٹیشن پتا کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔؟“

ٹائپ کے بے بسی پر دوسری ٹھیک ٹھاک۔

”کیا ہونے والا ہے۔؟“

”میں نے کہا نا.....! مجھے کچھ نہیں پتا۔ آپ پلیز.....! ابھی اس وقت چلے جائیں۔“

ٹائپ نے صحت سے کہا پھر گھبرا کر اپنے پیچھے دیکھا تو اس کی جھجھکی بھڑک بھڑک بھڑک۔

”چلا جاؤں گا، لیکن پہلے طے کا وعدہ کرو۔“

”ٹیشن دانیال.....! میں طے کا وعدہ دہلی ٹیشن کر سکتی۔“

”تو ٹھیک ہے.....! میں اندر آ جاتا ہوں۔“

اس نے کہنے کے ساتھ قدم اُگے بڑھا دیا تھا کہ وہ دروازے کو کھولے۔

”خدا کے لئے دانیال.....! آپ مجھے کیوں نہیں ہیں۔؟ آپ کا اس وقت آٹھ ٹھیک نہیں ہے۔“

دو ہونٹ بھیج کر دوسری طرف دیکھنے لگا تو دو دعا بڑی سے بولی۔

”پلیز.....! مجھ سے منہ نہ مڑو! دانیال.....! میں آپ کی ناراضگی نہیں سہہ سکتی۔“

دو پھر اسے دیکھنے لگا، بولا کچھ نہیں۔

”م..... میں آؤں گی، جہاں آپ کہیں گے وہیں آؤں گی۔“

دو بارنگی۔

”تو پھر چل وہیں ملتے ہیں، جہاں پہلے ملے تھے۔“

دو کہہ کر کڑک نہیں، نیڑی سے پلٹ آیا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

پھر دو ایک دم گھر کی ہو کر رو دہلی اور کیونکہ شادی کی تیاریاں زور دے رہی تھیں، اس لئے اسی بڑے بھیا اور بھائی کو بھی اصرار ہوا لایا تھا۔ دوسرا دن بچوں کے ساتھ مصروف رہتی کیونکہ اور کوئی کام اہی کرنے ٹیشن دے رہی تھیں۔ ان کا اور بھائی کا بھی کہنا تھا کہ اب اپنے گھر جا کر ہی ہانڈی چنلہا کرنا۔ گھر میں ایک خوشگوار سی چٹائی تھی۔

بہن کسی کسی وقت چھوٹے بھیا کوئی نیا ٹونڈ چھوڑ کر بدستری بیٹھ کر دیتے ورنہ یہی خوش اور مگن تھے۔ پھر یوں ہی تیاریوں میں دو گزرتے چاہے ٹیشن چلا اور دو جہاز زیب کی امراہی میں باہل کی دہلیز پار کر آئی۔

جہاز زیب کی بیٹن اسے جلد عرصی تک لائی تھیں، پھر پہلے اسے سر سے ستارا، پھر کچھ کہیں

اے نہیں۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے سب کمرے سے نکل گئیں تو تنہائی ملنے ہی اس نے اکڑی ہوئی کر کو سیدھا

کمرے کی فرش سے بیڑی کی پشت سے لگ بھگ لائی اور کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ کمرہ خاصا کشادہ تھا اور جس دروازے سے

دخشی تھی، اس کی بائیں طرف بڑی دیوار گیر الماری تھی اور اسی طرف دیواری کی آخری حد کے پاس ٹائٹل انچھڑا تھا

تھا اور ابھی اس کی نظر اس سانسے بلک رہی تھیں کہ دروازے سے باہر قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔ دو جلدی سے

دیواری ہو ٹیشن اور زور زور آ جیل آگے تک بھیج کر سر بھی جھکا لیا، پھر قدموں کی آواز کے ساتھ ہی دھڑکنیں ہم آہنگ

ہو گئیں۔

”السلام علیکم.....!“

جہاز زیب نے پہلے سلام کیا پھر کچھ دیر تک کر قریب بیٹھے ہوئے اس کے چہرے سے آنکھیں سرکا دیا۔

ااشہ دو حسین نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے دل ہی دل میں اپنے والدین کی پسند کو نہ صرف سراہا بلکہ اپنے اندر ڈھیر دلو

امیدان بھی آتر محسوس کیا، ورنہ ابھی کچھ دیر پہلے تک وہ دعا سے مطمئن تھے۔

”چاہیے.....!“

ان کے پکارنے پر اس نے زور سے آنکھیں کھولی تھیں، لیکن ان پر نظر پڑتے ہی آپ ہی آپ نہ صرف

آنکھیں کھلی گئیں بلکہ ہونٹ بھی ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے۔

"ارے.....! آپ تو یوں حیران ہو رہی ہیں، جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔"

وہ دراصل اس کر بولے تو وہ باوجود کوشش کے نہ ٹپک سکی جس کا مقام جو تھا اور اسے اپنی ہساتوں پر یقین بھی نہیں آ رہا تھا۔ وہ غلطی سے یہاں آئی ہے یا سامنے بیٹھا نہیں۔

"جنگل نے مجھے بتا دیا تھا کہ آپ بہت خاموشی سے میرا دیکھ کر آئی تھیں۔"

انہوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا تو وہ چنگی سناہری جنگل کی بات یاد آئی۔

"پتا نہیں کس کو دیکھ آئی ہو۔؟"

"ابنیں.....! میں نے اس کا نام پوچھا تھا اور وہ جہاز زیب تھا۔"

اس نے یقین سے کہا تھا اور اب یہ سوچنے کو عمر پڑی تھی کہ اگر یہ جہاز زیب ہیں تو وہ کون تھا جسے پتا کچھ کہ اس نے دل میں جگہ دی تھی اور اب اس کی حالت اس سافر کی تھی جو منزل پر آ کے بھٹکا ہو۔

ابھی کچھ دیر پہلے کی ساری کیفیات آن کی آن میں نہضت ہو چکی تھیں۔ نیا ٹکھوں میں خفا رہا نہ لیوں پر مسکان، دل جو دھڑکنے پر دھڑک رہا تھا، وہ الگ ڈھانچا دینے لگا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان محبوں کو کیسے محسوس کرے؟

"جب آپ وہاں تک آئی تھیں تو مجھ سے ملیں کیوں نہیں؟"

انہوں نے دھیمے لہجے میں باری باری انگوٹیاں دیکھ کر اسے ہر کو سہارا دینے کی خاطر غصہ کی گھٹنوں پر لٹائی۔ اس کے بعد وہ پتا نہیں کیا کچھ کہتے رہے، وہ دھڑکنے سے کبھی بات نہیں سن سکی، کچھ کہتا کہ ایک عشرہ پر ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

کمرے میں آتے جاتے اماں بار بار راجہ کو دیکھ رہی تھیں جو پہلے دو تین دن سے بالکل چپ ہو کر رو گئی تھی۔ اس وقت بھی گھٹنوں کے گرد بازو لیے ہو گم سم بیٹھی تھی۔ اماں کو بولنا اٹھنے لگا۔ آخر اس کے پاس آنکھیں اور نرمی سے گویا ہو گئیں۔

"بیٹا.....! تم تو ہمیشہ سے بہت صابر ہو۔ کچھ دن اور صبر کر لو.....! اللہ کوئی راستہ نکال دے گا۔"

"میں آپ سے کچھ کہہ رہی ہوں اماں.....؟"

راجہ بے چارگی سے بولی تھی۔

"تمہاری چپ نہ زیادہ تکلیف دے رہی ہے مجھے، کچھ بولو.....! خود کو کسی کام میں مصروف کرو۔ سارا

وقت ایک ہی خیال میں رہو گی تو تیار پڑ جاؤ گی۔"

"میں پڑتی تیار آپ لگ نہ کریں۔"

"ارے.....! کیسے غر نہ کروں.....! میری جان کو تو سونگہ نہیں لگی ہیں۔ کچھ میں نہیں آتا کیا کروں.....؟"

اور وہ انیال کے بھائی بھانجے جواب مانگ رہے ہیں۔

اماں نے کہا تو راجہ جو تک پڑی۔

"تو ہاں.....! آپ نے انہیں کیوں لٹکا رکھا ہے.....؟ اگر آپ اور اماں مطمئن ہیں تو بات کی کرو میں

ہاں مانگی۔"

"تمہارے اپنیس ماں مار رہے۔ کہہ رہے تھے، پہلے تمہارا معاملہ ٹھیک ہو جائے، مگر تھانہ کا سہمیں گے۔"

اماں نے بتایا تو وہ پریشان سے بولی۔

"لیکن اماں.....! اس طرح تو بات خراب ہو سکتی ہے۔"

"اللہ مانگ ہے۔ اس نے تھانہ کے نصیب میں جو لکھا ہوگا، اسے وہی ملے گا۔"

اماں نے گہری سانس کے ساتھ کہا تو وہ ڈک سے بولی۔

"بھڑک کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے اماں.....! جب یہ ملے ہے کہ جو ہمارے نصیب میں لکھا ہوگا، وہی ہمیں

ملے گا تو پھر آپ پوچھتی کیوں ہیں؟"

"میں نصیب کے ٹکٹے نہیں روتے چٹا.....! ہمیں اولاد کی محبت ملنا ہی ہے۔"

اماں نے کہہ کر غصہ ہی شہنائی میں، بھر کینے لگیں۔

"میں جانتی ہوں تمہاری سادھی اسے بچے کے لئے تر پتی ہے۔ تمہارے لپا کبھی احساس ہے، جب

ی تو....."

"کیا جب ہی تو.....؟ تاہم ہاں اماں.....!"

راجہ نے اماں کا خاموش ہو جانا محسوس کیا تھا۔

"کچھ نہیں چٹا.....! میں تو....."

اماں بات بنانے جاری تھیں کہ راجہ صاحب کی آواز سن کر انہیں اٹھنے کا موقع مل گیا۔

"لو.....! تمہارے بابا آ گئے۔"

وہ راجہ کو سوائے نشان بنے چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔ راجہ صاحب سر جھکا کر بیٹھے طے حال نظر آ

رہے تھے۔

"کیا ہوا میں.....؟ خبر ہے تو ہے.....؟"

اماں نے ان کے سامنے بیٹھے ہوئے پوچھا۔

"ہاں.....!"

خوبصاحبہ! ہاں! کولہا کھینچ کر بولے۔

”میں عباہ سے ملے اس کے آفس کیا تھا۔ وہیں سے آ رہی ہوں۔“

”بھڑ؟“

”جبرائیل تھا میں مہاکو کھالوں گا، اسے اس کی بیوی اور بچے کا احساس دلاؤں گا، اور میں نے اس کی

ی ممکن کوشش کی، لیکن وہ سمجھ کر بھی نہیں سمجھتا چلتا۔“

خوبصاحبہ! آپ کی سے سر ہلانے لگے۔

”کیا کہتا ہے.....؟“

اماں نے پیٹھے دل کے ساتھ پوچھا۔

”وہی جو اس کی ماں کی منہ ہے۔ انا مجھے سمجھانے چاہتا تھا کہ میری دونوں بیٹیاں ایک ہی گھر میں رہیں

گی، ایک دوسرے کا ڈنکہ نہ کھیں گی۔“

خوبصاحبہ نے بتایا تو اماں ناگواری سے بولیں۔

”ڈنکہ ہی ڈنکہ..... اسکو کہاں ہے اس گھر میں.....؟ ای ہم ایک بیٹی کے لئے پریشان ہیں، بھر دونوں

کے لئے تو نہیں گئے۔“

”شاید ہماری قسمت میں یہی لکھا ہے۔“

خوبصاحبہ نے کہا تو اماں ایک دم پریشان ہو گئیں۔

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میاں.....؟ کہیں آپ ٹانہ کے لئے ہاں تو نہیں بھرتے.....؟“

”نہیں.....! ہاں تو نہیں بھری، البتہ یہ کہتا ہوں کہ پہلے اسد کی کام سے لگے، پھر میں سوچوں گا۔“

خوبصاحبہ دل گرفتہ نظر آ رہے تھے۔ مگر اماں کو دیکھ کر ان سے زیادہ ٹانہ خود کو تلی دی تھی۔

”ہو سکتا ہے جیکم.....! کام کاج سے لگ کر لا کا سدھر جائے.....؟ ہمیں رابہ کو بھی تو دیکھنا ہے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے میاں.....! اور دوسرے جو دانیال کا رشتہ آیا ہوا ہے، کیا انہیں منع کروں.....؟“

اماں نے پوچھا تو خوبصاحبہ چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔

”ایک بات کہوں میاں.....؟“

”نہیں.....! ابھی کچھ مت کہو.....! میرا حوصلہ جواب دے رہا ہے۔ ٹانہ سے کہو خطہ پانی لے آئے

گو کوڑ مار کر۔“

”ٹانہ تو اپنی سہیلی کے ہاں گئی ہے، میں خود ہی لاتی ہوں۔“

اماں یہ کہتے ہوئے فوراً اٹھ کی تھیں۔

☆—☆—☆

وہ اماں سے سہیلی کے گھر کا بہانہ کر کے دانیال سے کیا ہوا وہ نہ بھانے آئی تھی، اور افسوساً تو دانیال کو پہلے

نے وجود ہونا چاہئے تھا، لیکن وہ چاہیں کہاں رہ گیا تھا کہ اس نے نہ پا کر وہ پریشان ہو گئی۔ دل تو چاہا تو رادہ اس جلی

ہائے۔ کیونکہ رادہ عفت میں اس کے بیٹے انا سے مشیت تو بنا ہی رہا تھا، وہ خود بہت خائفہ اور ہی تھی۔ مگر بھی خود پر جبر

کر کے اس نے چندہ منٹ انتظار کیا۔ پھر لوگوں کی گھورتی نظروں سے گھبرا کر وہاں سے نکل آئی۔

اسے دانیال پر غصہ آ رہا تھا اور وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ کہیں دانیال نے جان بوجھ کر تو اس کے ساتھ ایسا

نہیں کیا.....؟ کچھ بھی تھا، وہ گھر آئی تو اس کی رگت اُڑی ہوئی تھی۔ جب ہی رابہ نے خوشنیل سے پوچھا تھا۔

”کیا ہوا ٹانہ.....؟ کہاں سے آ دی ہو.....؟“

”کہاں سے کیا مطلب.....؟“

وہ گھبراہٹ چھپانے کو ہی تھی۔

”مطلب کہیں گئی تھیں کیا.....؟“

”ہاں.....! اپنی سہیلی فرزانہ کے گھر گئی تھی، وہیں سے رہی ہوں۔“

اس نے بتایا تو رابہ خاموش ہو گئی، لیکن اس پر سے نظریں نہیں ہٹا سکی۔

”تم ایسے کیوں دیکھ رہی ہو.....؟ میں اماں سے پوچھ کر گئی تھی۔“

یہ اس کے دل کا چور تھا۔

”ہاں.....! ٹھیک ہے، پوچھ کر گئی ہوگی، اور شاید اماں نے مجھے بتایا بھی تھا، میں ابھی بھول گئی۔“

رابہ نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

”اس میں تمہارا قصور نہیں ہے رابہ.....! تم جن حالات سے گزر رہی ہو، اس میں اچھے اچھوں کو اپنا

آپ پائیں رہتا۔“

”شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔“

رابہ آرزو کی میں گھر گئی۔

”مت اتنا سوچا کرو۔ جب عباہ بھائی کو احساس نہیں ہے تو تم کیوں گلو می.....؟“

اس نے کہا، جب ہی اماں کے بچہ نے کی آواز آئی تو وہ جلدی سے داخل رہم میں کھس گئی۔ پھر منہ ہانہ

دھکر چکن میں آئی تو اماں تیلے میں آٹا نکالے کھڑی تھیں۔

”آپ بہت جا نہیں اماں.....! میں کرلوں گی۔“

اس نے اماں کو زبردستی اندر بھیج دیا اور پھر رات کے کھانے تک وہ بچن میں مصروف رہی۔ اصل میں تو وہ

کہا ہی چاہی تھی۔ مگر ذہن کی کوئی تھک تھا، وہ بھی ضدشن کی زد میں آ گیا تھا۔ برسوں کا انتقام اس بات پر ہوتا کہ

وانیال آیا کیوں نہیں؟

”اس کے ساتھ تو کوئی مجبوری نہیں ہو سکتی۔“

اور خود سے قیاس کرتے ہوئے ہی وہ مدشوں میں گھر گئی تھی۔ پھر وہ سونے کے لئے ہی کمرے میں آئی تھی۔ رابعہ شاید الماں کے کمرے میں تھی۔ اس نے ٹھٹھکیا اور لیتے ہی جھکے میں منہ چھپا کر سوئی بن گئی تھی۔ کچھ دیر بعد رابعہ کمرے میں آئی اور اسے منہ چھپانے کے لئے دیکھ کر حیرت سے بولی تھی۔

”جیس؟“ تو تم قیامت جلدی سو رہی ہو۔“

اس نے جواب نہیں دیا تو رابعہ اس کے پاس بیٹھ گئی اور اس کا کندھا ہلاتا کر بولی۔

”مجھے چاہیے، تم جاگ رہی ہو۔“

وہ کچھ ہٹا کر رابعہ کو دیکھنے لگی۔

”کیا بات ہے؟“ میرا مطلب ہے، کوئی بات ہوئی ہے تو بتاؤ۔“

رابعہ نے ٹوکا تو وہ نظر میں چرا کر بولی۔

”نہیں۔۔۔ کوئی بات نہیں ہوئی۔“

”کم از کم مجھ سے تو مت چھپاؤ۔“

”میں کچھ نہیں چھپا رہی۔“

اس نے پھر کچھ منہ پر رکھا مگر پھر رابعہ نے کچھ کھینچ کر چھپک دیا۔

”وہ کبھی۔۔۔ اتنا تو میں جان گئی ہوں کہ تم پریشان ہو، شام میں جب تم اپنی کنبلی کے پاس سے آتی تھی تو

اس وقت تمہارا چہرہ اترا ہوا تھا۔ کیا وہاں کوئی بات ہوئی ہے؟“

”نہیں۔۔۔! میں کنبلی کے گھر نہیں گئی تھی۔“

اس کے منہ سے بلا ارادہ سچ لکل گیا تھا، جس پر وہ گھبراہٹ مچ گئی۔

”پھر۔۔۔؟“

رابعہ سوچا نظر ان سے دیکھنے لگی تو وہ جڑبڑ ہو کر بولی۔

”میں وانیال سے ملنے گئی تھی۔“

”وانیال سے۔۔۔؟ اس کے گھر گئی تھی کیا۔۔۔؟“

رابعہ نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔! میں کہیں اور ملنا تھا، لیکن۔۔۔“

”لیکن کیا۔۔۔؟“

رابعہ نے غور انوکا۔

”بس۔۔۔؟“ وہ وانیال نہیں آئے۔ میرا مطلب۔۔۔ میرا مطلب ہے، وانیال کے آنے سے پہلے ہی میں واپس آگئی۔ مجھے۔۔۔ مجھے ڈر لگا رہا تھا، اس لئے میں نے ان کا انتظار نہیں کیا۔“

وہ ڈر لگا کر بول رہی تھی۔

”تو اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔۔۔؟ اگر تم جانتے ہوئے مجھے بتا دیتی تو خود تمہارے

اندھ کو نیند نہیں آ جاتا۔“

رابعہ نے کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

”میں کچھ کہہ رہی ہوں، آنکھ وہ آزاد کیلتا۔“

رابعہ نے مسکرا کر اس کی ٹھوڑی ہلاتی تو اس نے بازو میں چہرہ چھپالیا۔

☆۔۔۔☆۔۔۔☆

اسے آج کیلی بار سہا پر غصہ آ رہا تھا، جس نے عین اس وقت جب وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق ٹاپے سے ملنے جا رہا تھا، تو یہاں تک پہنچ کر اس کے پیچھے لگا دیا تھا۔ دونوں بچے آؤنگ بک پر جانے کے لئے چل گئے تھے۔ دروازہ تو باقاعدہ دھونے لگی تھی۔ اس نے لاکھ کیا کہ وہ ایک ضروری سیلنگ میں جا رہا ہے، آہستہ گھٹنے میں واپس آ کر بچوں کو لے جائے گا، لیکن یہاں تک بھی اس کی ایک نہیں رہی۔ یوں سر پہلے کر بیٹھ گئی تھی جیسے بچوں نے اسے عاجز کر دیا ہو، اور اس سے یہ کہا کہ سچے گاڑی میں ہی بیٹھ رہیں گے تم انہیں لے جاؤ۔

اور پھر جاتے جاتے حنا میں ساتھ چل پڑی تھی۔ جب ہی پھر وہ ٹاپے کے پاس جانے کا سوچ بھی نہیں سکا، لیکن پریشان ضرور تھا۔ بلا وہ پریشان کی جانب کی طرف سے تھی کہ اسے نہ پا کر وہ کنبلی پریشان ہو گئی۔؟ ایک تو اس لڑکی کو گھر کی طرف سے تل فون کر کے کی اجازت نہیں تھی، جو وہ اس سے رابطہ کر کے معذرت کرتا، بلکہ اسے گھر سے نکلنے سے ہی روک دیتا اور کسی اور دن پر روک لیتا۔

بہر حال وہ بری طرح پھنسی گیا تھا، اور جب واپس آیا تو اس کا سوز و سخت آف تھا۔ کسی سے بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ سیدھا کمرے میں آ کر دروازہ دھکی اندر سے بند کر لیا۔ پھر بیچ کر کے کچھ کا ٹیبلٹ لے کر آیا اور کنبلی پریشان کی کرنے کے بعد اس کی آواز سنائی دی تھی۔

”آئی ایم سو ری ٹاپ۔۔۔!“

وہ چھوٹے ہی بولا تھا۔

”مجھے احساس ہے، تم کنبلی پریشان ہوئی ہو گی، لیکن میں کیا کرنا۔۔۔؟ یہاں بھابی کے ایک ضروری کام

میں پھنسی گیا تھا۔“

”اگر ایسا تھا تو آپ پہلے مجھے فون کر دیتے، میں گھر سے نکلتی ہی نہ۔“

وہ کچھ ناراض تھی۔

"میں نے سوچا تھا لیکن سوچ ہی نہیں ملا۔ بس آٹا کا نا بھائی نے ایک کام سے بھیج دیا تھا۔"

اس نے کہا، بھرا دھرا اس کی خاموشی محسوس کر کے پوچھنے لگا۔

"کیا بہت ناراض ہو.....؟"

وہ ابھی بھی خاموش تھی۔

"معاف کر دیا ر.....! دیکھو.....! میں کان پکڑ رہا ہوں۔ آئندہ تم سے جو کچھ منہ ہوگی، اس کے لئے

میں باقی سارے کام چھوڑ دوں گا۔"

وہ ہلکا سا کان پکڑ کر بولا تھا۔

"وعدہ.....؟"

"پکا وعدہ.....! اب تو ناراض نہیں ہوں.....؟"

اس نے فوراً وعدہ کر کے پوچھا تو ادھر وہ ہنسی تھی۔

"میں پہلے بھی ناراض نہیں تھی، بس.....! آپ کو شک کر رہی تھی۔"

"اچھا.....! تو تم شک بھی کرتی ہو.....؟"

وہ محظوظ ہو کر بولا اور اس کے فون رکھنے پر پہلے سے بھلا ہوا، پھر مسکرائے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

پھر ابتدائی دنوں میں اس کی غیر معمولی خاموشی کو کسی نے یوں زیادہ محسوس نہیں کیا کہ سب اسے فطری شرم پر محمول کرتے رہے تھے، لیکن جب اس دور سے نکل کر کبھی اس کی خاموشی میں لوثی، جب سب کو حیرت ہوئی۔

سب سے پہلے جہانزیب نے محسوس کیا اور اس انداز میں بولا کہ۔

"کیا تم کو کچھ بھروسے کے اسکول میں پڑھائی تھیں.....؟"

"نہیں.....!"

وہ حیران ہوئی۔

"لگتا تو یہی ہے، کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ ایک اسکول پیرائے کی کوہ پوکتی ہے۔"

وہ ابھی ان کی بات کا جواب سوچ رہی تھی کہ وہ پوچھنے لگے۔

"کیا تمہیں یہاں ایچ جےسٹ ہونے میں کسی دشواری کا سامنا ہے.....؟"

"نہیں تو.....!"

"پھر کیا وجہ ہے.....؟ تم اتنی کچھ بھینٹیں ہی کیوں رہتی ہو.....؟"

"نہیں تو.....!"

"کیا نہیں تو.....؟"

"میرا مطلب ہے، میں یہاں خوش ہوں۔"

"خوش ہو تو خوشی کا اظہار کرنا بھی سیکھو۔"

وہ جانے والے انداز میں کہہ کر روٹ بدل گئے اور وہ اپنی جگہ سن ہو گئی، اور یہاں آنے کے بعد سے اس نے ایک بار بھی پلٹ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اپنی ساری کوششیں اس بات پر صرف کرتی رہی تھی کہ کسی کو خبر نہ ہو کہ وہ انہماک میں کتنی بڑی غلطی کر آئی تھی۔ لیکن ابھی جہانزیب نے جس طرح بتایا تھا، اس سے اسے اپنی کوششیں رائے گیاں جاتی گئیں، اور پہلی بار گزرے حالات اس کی نگاہوں میں آسمانے۔

"کون تھا اور اس کا مقصد کیا تھا.....؟"

آخر میں کتنی دیر تک وہ اسی سوچ پر سوچتی رہی، لیکن کچھ بھی سمجھ نہیں آئی۔ البتہ یہ ضرور جان گئی کہ وہ جو کوئی بھی تھا، اپنی شخصیت کے اسرار و سمیت اب بھی اس کے اندر سوسو ج رہا ہے۔

"نہیں.....!"

وہ اپنے آپ کو کھانے لگی۔

"وہ یقیناً کوئی شاعر تھا، جس نے میری بے خبری سے قاعدہ اٹھایا۔ کھل وقت گزاری کے لئے اس خوب صورتی سے محبت کی آکھ چڑی کیا رہا کہ مجھے کبھی شبہ تک نہیں ہوا کہ وہ جہانزیب نہیں ہو سکتا۔"

"جہانزیب.....؟"

اس کے بارے میں سوچتے ہوئے اس کے ہونٹوں نے بلا ارادہ اس نام کو چھوٹا تھا اور جہانزیب جیسے بکھرے غور اپلٹ کر دیکھنے لگے۔

"کیا بات ہے.....؟"

ان کے پوچھنے پر وہ ہنسی۔

"کچھ نہیں.....!"

اس کے ساتھ ہی روٹ بدل لی تو جہانزیب حیران ہوئے۔

"مجھے لڑکی ہے، پکار کر منہ مڑاؤ گی۔"

رات کو گھر کو وہ جہیز کر کے سوئی تھی کہ آئندہ جہانزیب کو شکایت کا موقع نہیں دے گی، اس کو خشک باز و جدوجہد و دواؤں کی طرح اپنے اپنے انداز میں گھر کے افراد جیسی بے تکلفی پیدا نہیں کر سکی۔ بس اتنا ہوا کہ کچن سے ڈائنگ ٹیبل تک اس نے کئی چکر لگا ڈالے۔ یہ ایک طرح سے اپنے آپ کو مصروف ظاہر کرنے کی غیر شعوری کوشش تھی، جیسے اس کے پاس بات کرنے کے لئے وقت نہ ہو۔ جہانزیب نے بہت خاموشی سے اس کا جائزہ لیا اور اس کے انداز

سے یہی کچھ کہہ دو رات کی کسی بات سے خفا ہے اور اس وقت تو میں، البتہ شام میں سخا کی طور پر اسے گھمانے لے گئے۔ اصل میں وہ خود غاصے میں ملے ہوئے، اس لیے نہیں چاہتے تھے کہ ان کے درمیان کوئی رجحان ہو جس کی خبر کھردرانوں کو بھی ہو جائے۔

خانہ اقامت نے میرے دماغ پر یہ کہ صرف محسوس کیا بلکہ اندازہ بھی کیا۔  
راستے میں وہ اس سے کہنے لگے۔

”نہیں تو.....! آپ نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی تھی جسے میں مانگ کر تھی۔“  
”پھر تم خفا کیوں ہو۔۔۔؟“

”آپ سے کس نے کہا کہ میں خفا ہوں.....؟“

انہوں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ ایک نظر اس پر ڈال کر اپنی کہنے لگے۔

”اصل میں، میں نے بہت روٹھی تھی کیونکہ زندگی گزاری ہے۔ زمانہ طالب علمی میں کالج تک میری صرف کتابوں سے دوستی رہی، البتہ پانچویں میں دو سب کے ساتھ تھی بہت دوستی ہو گئی تھی، حالانکہ ہمارے حواجر میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ یعنی میں جتنا خشک، دوا کا ہی رنگین حواجر تھا اور میری بات یہ ہے کہ وہ سال تک ساتھ رہنے کے باوجود ہم دونوں نے ایک دوسرے کا اثر قبول نہیں کیا۔“  
قدروے تو نفک کے بعد کہنے لگے۔

”وہ اکثر مجھے سمجھانے اور پھر قائل کرنے کی کوشش کرے گا کہ میرے ضمیر سے ہونے والے حواجر کے ساتھ کوئی لڑکی زیادہ صریح سمجھو بھی نہیں کر سکتی۔ اس کا کہنا تھا کہ میری یہی تھی مجھے سے تفریقیں تو میرے ساتھ خوش بھی نہیں رہے گی۔“

وہ ایک دم سنانوں میں گھر گئی، جبکہ دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا کہ پتا نہیں اب آگے وہ کیا کہیں گے.....؟

”وہ نہیں جانتا جانے.....! کہ تم میرے ساتھ خوش ہو یا نہیں، کیونکہ اب تک تمہارے کسی انداز سے کوئی اظہار نہیں ہوا۔“

”آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں خوشی کا حذر اور اسرارے شہر میں بیٹھی پھروں.....؟“  
وہ سنبھل کر بولی۔

”نہیں.....!“

”پھر.....؟“

”پھر یہ کہ کم از کم میرے سامنے تو اظہار کرو، ورنہ میں یہ سوچنے لگتا ہوں کہ جیسے دو سب ٹھیک کہتا تھا۔“  
گو کہ تمہارے انداز میں تھک نہیں ہے، لیکن وہی بات کہ تفریقیں تو خوش بھی نہیں۔“

پھر اپنے آپ پر انرازم رکھتے ہوئے بولے۔

”ویسے میں خود بھی بہت اناڑی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہی کو خوش کیسے رکھا جاتا ہے۔۔۔؟“

”آپ زچہ اناڑی ہیں اور نہ ہی اناڈان، اس کے برعکس بات صرف اتنی ہی ہے کہ دو سب کی باتیں آپ نے اس کی کسی گھٹنے میں جم کر روٹی ہیں، اور اب ان ہی کی روشنی میں آپ مجھے دیکھنے اور پرکھنے لگے ہیں۔“

اس نے بڑی خوب صورتی سے ان کا نفسیاتی تجربہ کیا اور وہ قائل ہو کر بولے۔

”مناجے تم ٹھیک کہتی ہو۔“

”مناجے میں، یقیناً۔۔۔!“

پھر اس موضوع کو ختم کرنے کی غرض سے بولی۔

”میں مجھ بھائیوں کو لینا چاہتی ہوں۔“

”مردود۔۔۔!“

انہوں نے ایک بک اسٹال کے سامنے گاڑی روک دی، پھر اس سے پوچھنے لگے۔

”میں لے آؤں یا۔۔۔؟“

”آپ لے آئیں۔“

اس نے کہا تو وہ گاڑی بند کر کے اتر گئے۔

”میرے خدا۔۔۔!“

اس نے گہری سانس لے کر سوچا۔

”امی تو اس زندگی کی ابتداء ہے اور ابھی سے جہاز یہاں پہنچے گئے ہیں کہ میں ان کے ساتھ خوش ہوں یا نہیں.....؟ آغا نہیں میری طرف سے یہ شبہ یا غلط فہمی کیوں ہے۔۔۔؟“

”جانے۔۔۔!“

اپنے نام پر اس نے چونک کر دیکھا اور بس دیکھنے کی حد تک ہی اس میں زندگی کی رقی روٹ گئی تھی۔  
دوسری طرف اپنی گاڑی کے شیشے میں سے نکال کر اسے پکارنے والا وہی تھا جو پورے ایک سال تک جہاز یہاں بن

ا رہا اس کے ساتھ محبت کی آنکھ پٹی کھینچا رہا تھا۔

”کیسی ہو جانے.....؟ اور تم کہاں ملی گئی ہو.....؟ میں اس روز سے مسلسل جہیزیں جمع کر رہا ہوں، لیکن تمہاری آواز سنائی نہیں دیتی۔ سنو.....! کل میں تمہیں فون کروں گا۔ پلیز۔۔۔! میری بات سن لینا۔“

اس کے ساتھ ہی دو گاڑی بڑھانے لگی۔ اب سامنے فریکر رواں دواں تھی، لیکن اس کا ذہن اس حد تک مایوس ہو چکا تھا کہ وہ پھر بھی اس طرح بے حس بھیجی رہی۔

”نہیں.....! ابھی سیکڑیں ہیں۔“



جہاز زیب آکر بیٹھے اور اس کی گود میں میگزین ڈال کر کہا تو دوچنگی نہیں، بس ذرا سا نظروں کا زوا یہ بدل کر نہیں دیکھئے گی۔

”کچھ اور لیتا ہے۔۔۔؟“

انہوں نے سرسری نظر اس پر ڈال کر پوچھا جب اس نے چونک کر پہلے اپنے اطراف نظر ڈالی پھر ملی میں سر ہلا کر بولی۔

”نہیں!“

”کمال ہے۔۔۔! میں نے تو سنا تھا، یہ پاؤں شوہروں کی جیب خالی کرانے میں ماہر ہوتی ہیں۔“

”یہ بات آپ سے زوہب نے کہی ہوگی۔۔۔؟“

وہ بے ساختہ زور سے ہنسنے لگی۔

”زوہب نے بعد میں کہی تھی، پہلے میں نے کہیں پڑھی تھی۔“

پھر احتیاط سے گاڑی ریورس کرنے لگی۔ اس کے بعد شفاف سڑک پر آئے تو کہنے لگی۔

”بہت دلچسپ آدمی ہے زوہب، میں جیسے اس سے ملوانا کا، اور ہاں۔۔۔! اب گھر چلو گی یا۔۔۔“

”گھر چلیں۔۔۔!“

”اگر اپنی ای کی طرف جانا چاہو تو۔۔۔“

”ای کی طرف۔۔۔؟“

اس کا ذہن بھٹک گیا۔

”میں کل جیسے فون کروں گا، دلہیز۔۔۔! میری بات سن لیتا۔۔۔“

”چلیں۔۔۔؟“

”نہیں۔۔۔!“

وہ سنبھل کر بولی۔

”میرا مطلب ہے کل چلیں گے۔ صبح آفس جاتے ہوئے آپ مجھے وہاں مجھے چھوڑ دیجئے گا اور پھر

واپس میں، میں آپ کے ساتھ آ بھی جاؤں گی۔“

”اچھی بات ہے۔“

انہوں نے گاڑی گھر جانے والے راستے پر ڈال دی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جہاز نے غلطی تھی۔ گھر کے کام کاج میں بھی ہاتھ بٹانے لگی تھی۔ اس وقت اس کو سبزی کاٹتے دیکھ کر وہ ان کے پاس بیٹھ گئی اور ان کے ہاتھ سے چھری لیتے ہوئے بولی۔

”آپ رہنے دیں اماں! میں کرلوں گی۔“

”ارے بیٹا۔۔۔! فارغ نہیں بیٹھا جاتا مجھ سے۔ اللہ بخشے۔۔۔! تمہاری رادہ کی کتنی تھیں، بہو۔۔۔! ام

ایک دن کے لئے سبکے جاتی ہو تو میرے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔“

اماں شاید ابھی اس وقت کو سوچ رہی تھیں، ان کے چہرے پر کئے دنوں کا ٹکس جھلکار ہاتھا۔

”مجھے یاد ہیں رادہ، بہت پیار کرتی تھیں تاں مجھ سے۔۔۔؟“

رادہ کو رادہ کی یاد تھیں۔

”ہاں۔۔۔! اماں رادہ رادہوں نے تم پر ہی تو لایا، تاہا ذیقو۔۔۔“

زور تھل بچنے سے اماں کی بات اُدھور دی گئی۔

”میں دیکھتی ہوں اماں۔۔۔!“

رادہ غصے لگی کہ اماں نے روک دیا۔

”میرے نہیں۔۔۔! آخر بیٹھی رہو۔ اس وقت چائیں کون آتا ہے۔۔۔؟“

اماں کہتے ہوئے اٹھ گئیں اور جا کر دروازہ کھولا تو آگے رادہ کی ساس بول نکم کھڑی تھیں۔

”آئیے بہن۔۔۔! آپ تو ادھر کا راستہ ہی بھول گئیں۔“

اماں مشکل اپنی تا گواہی چھپا سکی تھیں۔

”ارے۔۔۔! میں تو سب سے آ جا رہی تھی۔“

بہن پیچھو دھڑلے سے اندر آئے ہی ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

”رادہ کہاں ہے۔۔۔؟“

”بہنیں ہے، آپ بیٹھیں۔۔۔! میں پانی لاتی ہوں۔“

اماں نے کہا تو دو دروازوں کا بازو قہار کر بولیں۔

”آپ کیوں تکلیف کر رہی ہیں۔۔۔؟ رادہ کو بلائیں، وہ لے آئے گی پانی، آپ بیٹھیں میرے

پاس۔۔۔!“

”جی۔۔۔!“

اماں تا چار بیٹھ گئیں تو بول بیٹھ اپنی چادر میں سے صفائی کا ڈب نکال کر انہیں صاف سے بولیں۔

”یہ بیٹھے۔۔۔! خوش خبری لانی ہوں آپ کے لئے۔“

”کیسی خوش خبری۔۔۔؟“

اماں ان کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"میرے اسد کی نوکری لگ گئی ہے۔ اسی خوشی میں سلطانی لائی ہوں۔"

بتول بیگم خوش ہو کر بولیں تو اس کو یقین نہ آنے کے باوجود کہنا پڑا۔

"اچھا! مبارک ہو....."

جب ہی راجہ دروازے میں آکر ڈک گئی۔ وہ سانس کو دیکھ کر کچھ حائف ہو گئی تھی۔

"ارے..... اتم ہاں کیوں کھڑی ہو؟ یہاں آؤ..... اس جہیں ہی لینے آئی ہوں۔"

بتول بیگم اسے دیکھتی ہی کہنے لگیں۔

"حالانکہ بیچ عباد افس جاتے ہوئے کہہ گیا تھا کہ راجہی میں تمہیں لیتا آئے گا، لیکن مجھ سے ممبر نہیں

ہوا۔"

راجہ نے ان کی بات سن کر اماں کو دیکھا تو وہ نظریں پڑا گئیں، کیونکہ انہوں نے اسے نہیں بتایا تھا کہ خوب

صاحب اسد کے رشتے پر تقریباً ہی بھڑا گئے ہیں۔

"شوہن کیا ہے ای؟ آپ اسے کیوں نہیں لائیں.....؟"

اس نے اماں سے نظریں ہٹا کر بتول بیگم سے کہا۔

"شوہن سو رہا تھا چلا! پھر اتنی گرمی پر اسی ہے، پھر پریشان ہو جاؤ..... چلو..... اتم چل رہی ہو

ت.....؟"

بتول بیگم نے جواز کے ساتھ پوچھا تو وہ شوہن کے خیال سے ہی غور پوئی تھی۔

"جی.....!"

"جینا.....! پہلے کچھ غلطایا جائے۔"

اماں نے کہنے کے ساتھ اسے اشارہ بھی کیا۔

"میں ابھی لاتی ہوں۔"

وہ کسی طرح غلط پرغا ہوئیں پاسکی، تیزی سے کمرے سے نکل کر آئی تو آگے تانیہ سے ٹکر گئی۔

"افوہ.....! کیا ہوا ہے.....؟ اتنی بوکھلائی ہوئی کیوں ہو.....؟"

تانیہ نے خود کو گرنے سے بچا کر پوچھا۔

"میری سانس آتی ہیں مجھے لینے۔"

راجہ نے خوشی سے بتایا تو تانیہ نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔

"ارے.....! یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔"

"ہاں.....! اتم جلدی سے ان کے لئے جوس بنا دو۔ میں جب تک چھینچ کر لوں۔"

"کیا مطلب.....؟ ابھی جاؤ گی تم.....؟"

"ہاں ہں.....! ہں.....! اتم جلدی کرو.....!"

وہ تانیہ کو جھیل کر کمرے میں آگئی۔ اب اس کا بس نہیں چل رہا تھا، اذکر شوہن کے پاس پہنچ جائے۔ وہ

منٹ میں کپڑے بدل کر تیار ہو گئی پھر جب تک بتول بیگم جوس پتیں، اس نے پڑوس کے لڑکے کو بھیج کر کشتہ منگوا لیا

تھا۔ اس کی حالت پر اماں اسے گھورتی رہ گئیں، لیکن اسے کچھ نظری نہیں آ رہا تھا۔ بتول بیگم سے پہلے جا کر کشتہ میں

بیٹھ گئی تھی۔

اور مگر آکر تو اس نے بتول بیگم کا خیال نہیں کیا۔ سوئے ہوئے شوہن کو بچھلنے کے انداز میں اٹھا کر سیدھی

اپنے کمرے میں آگئی۔

"میرا بچہ.....! میرا شوہن.....!"

وہ روایا نہ دار شوہن کو بچہ ہی تھی کی اسد آکر اونچی آواز میں بولا تھا۔

"اوہو.....! بڑے لاڈ ہو رہے ہیں.....؟"

راجہ اس اچانک آواز پر نہ صرف آجھلی، اسے غصہ بھی آ گیا تھا۔

"کتنی بار کہا ہے اسد.....! ایسے نہ آخاں اندر مت چلے آیا کرو۔ دستک دینے میں تمہارے ہاتھ گھٹتے

ہیں کیا.....؟"

"اپنوں کے دروازے پر کون دستک دیتا ہے بھائی.....؟"

اسد اچھلائی کے ہنسا تھا۔

"ہر شریف آدمی.....!"

وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"تو میں کیا بدعاش ہوں.....؟"

اسد نے کہا تو وہ غوت سے سر جھٹک کر شوہن میں لگ گئی۔

"اوہ بھائی.....! یہ کھسی کھسی اور کو کاٹھا..... میں دھب میں آنے والا نہیں ہوں۔"

اسد اپنی اصلیت دکھانے لگا تو وہ خود پر مضطرب کرتے ہوئے بولی۔

"تم چلیز.....! جاؤ میرے کمرے سے۔ میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"بات نہیں کرنا چاہتی تھی مجھ سے تو روکتی اپنے لہا کو، نا منظور کرتے میرا رشتہ.....؟"

اسد نے اسے چکرایا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا.....؟"

"بیوی بھولی بن رہی ہو.....؟ تمہاری اس گھر میں واپسی ایسے ہی نہیں ہوگی.....؟ میرا رشتہ منظور کیا ہے

تمہارے بابے۔"

"نہیں۔۔۔!"

اس نے ایک دم اسد کا بازو پکڑ کر جھجھوڑ ڈالا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو، جھوٹ بول رہے ہو ناں تم۔۔۔؟"

اسد اسے دھکیل کر بٹسا ہوا چلا گیا اور وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اماں نے رابعہ کی بیٹے کے لئے یہ قرار دی دیکھتے ہوئے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یوں بھی انہیں روکنا تو نہیں تھا، لیکن وہ چاہتی تھیں کہ جو بھی بات ہو، خواہر صاحب کے سامنے ہو۔ لیکن بتول بیگم ایسے وقت آتی تھیں، پھر شہناز کی گھر چھوڑ آتی تھیں۔ اس لئے وہ کچھ کہہ ہی نہیں سکیں۔ لیکن رابعہ کے جانے کے بعد وہ کچھ پریشان ہو گئی تھیں کہ کتنی خواہر صاحب ان پر ناراض نہ ہوں کہ ایسے کیوں بھیج دیا ہو کہ۔۔۔؟

اور جب خواہر صاحب آئے تو انہوں نے کچھ دے دے رابعہ کے جانے کا بتایا تو فوراً خواہر صاحب کچھ نہیں بولے، جانے کس سوچ میں پڑ گئے تھے۔۔۔ پھر کتنی دیر بعد جیسے اپنے آپ سے بولے تھے۔

"تو رابعہ اپنے گھر چلی گئی۔۔۔؟"

"ہاں میاں۔۔۔! جب آپ نے انہیں آسرا دے دیا تو پھر بتول بیگم دھڑلے سے آگئیں، اور ہاں۔۔۔! یہ خوشخبری بھی سنا گئی ہیں کہ اسد کی نوکری لگ گئی ہے۔"

اماں کی دوسری بات پر خواہر صاحب چونک کر بولے تھے۔

"اچھا۔۔۔؟"

"مجھے تو میاں۔۔۔! یقین نہیں آ رہا۔ اس موئے کوکون نوکری دے گا۔۔۔؟ الف اب بھی نہیں جانتا۔"

اماں ٹالاں لگ رہی تھیں۔

"ہاں۔۔۔! آج کل تو ہم اسے پاس جوتیاں گھس رہے ہیں۔"

خواہر صاحب کا انداز اب بھی لئے ہوئے تھا۔

"پھر۔۔۔؟"

"پھر کیا کر سکتا ہوں میں۔۔۔؟"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

اماں کو بول اٹھنے لگے۔

"آپ کچھ نہیں کریں گے۔۔۔؟ بتول بیگم کے جھوٹ کا یقین کر کے بیاد رہ گئے، عادیہ کو اس نکلے کے

بات۔۔۔؟"

"کوہنوتیکم۔۔۔!"

خواہر صاحب جھجھکا گئے۔

"تم اتنے یقین سے کیسے کہہ رہی ہو کہ بتول بیگم جھوٹ کہہ گئی ہیں۔۔۔؟ ہو سکتا ہے اسد کی کام سے

واقعی تک کیا ہو۔۔۔؟"

"یہ ہو سکتا ہے، وہ ہو سکتا ہے، میں نہیں مانتی میاں۔۔۔! آپ پوری چھان بین کریں، کسی دفتر میں کیا لگا

ہے۔۔۔؟"

اماں نے کہا۔

"میں جانتا ہوں، کیا کارہوگا۔۔۔؟ تم جا کر ٹائیپ سے پوچھو، دو رابعہ پر قربان ہونے کو تیار ہو جائے تو

ٹھیک، ورنہ پھر رابعہ دو اپس بلاؤ۔"

خواہر صاحب یہ سہجہ کرنا کڑھ کر چلے گئے۔ اماں کتنے کی حالت میں کتنی دیر ان کے پیچھے دیکھتی رہیں۔ ان

کے دل پر روزنی ہو چھان گرا تھا۔

"ٹائیپ۔۔۔!"

انہوں نے گھر کا رٹائیہ کو پکارا، پھر خود ہی اٹھ کر اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

"رابعہ چلی گئی ہے اماں! تو کمرے کیباغالی خالی لگ رہا ہے۔"

ٹائیپ اس وقت جو کس کر رہی تھی، وہی کہہ دیا تو اماں نے چونک کر اسے دیکھا، پھر بیٹھے ہوئے "ہاں"

کو لہجہ سنج کر بولیں۔

"ہاں۔۔۔! پر بیٹا۔۔۔! ان کی کیاں اپنے گھر میں ہی اچھی لگتی ہیں۔"

"ابا آگئے۔۔۔؟ کھا نا لگا دوں۔۔۔؟"

ٹائیپ نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔! تمہارے ابا ابھی باہر نکلے ہیں۔ تم بیٹھو۔۔۔! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

اماں اچانک کچھ سوچ کر بولیں تو ٹائیپ ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

"جی اماں۔۔۔! کہئے۔۔۔!"

"بیٹا۔۔۔! میری بات چل سے سنتا، اور دیکھو۔۔۔! اماں نے مانے مانے کا جھبہ پورا اختیار ہے۔ دل

چاہے مانا، ورنہ صاف سچ کر دیتا۔"

اماں کی تسہید پر وہ اٹھ گئی۔

"آپ اپنا کیوں کہہ رہی ہیں اماں۔۔۔؟ پہلے بات تو بتائیں۔۔۔!"

"بات۔۔۔؟"

اس نظر پر چڑا کر بولیں۔

"بات رہی راجہ کے دوست کی ہے۔ ہم اگر اس کے رشتے سے انکار کرتے ہیں تو۔۔۔"

"تو کیا۔۔۔؟ راجہ وہ پھر گھر سے نکال دیں گے۔۔۔؟"

روشنی کر بولی تھی۔ اس کو شش سے بھی اس کی طرف نہیں دیکھ سکیں۔

"تم پر کوئی زبردستی نہیں ہے جیٹا۔ تمہارے لئے رانیال کا رشتہ بھی موجود ہے، لیکن تم سوچ لو۔۔۔۔۔ تمہارے ابا نے فیصلہ تم پر چھوڑا ہے۔"

"م۔۔۔ میں کیا فیصلہ کروں گی۔۔۔؟"

اس کے اندر کڑواہٹ گھل گئی۔

"نہیں ماں۔۔۔ اچھ پرانی بھاری زبردستی نہ ڈالیں۔ آپ کا اور ابا کا جہول چاہے کریں۔"

"ہم کیا کریں جیٹا۔۔۔؟ ہم راجہ کی وجہ سے مجبور ہیں۔ چند دن یہاں رہی تو ریکھا نہیں تھا کیسے بچے کے لئے تڑپتی تھی۔۔۔؟"

"پھر ماں۔۔۔! آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں۔۔۔؟ جب آپ راجہ کو دیتے ہوئے نہیں دیکھ سکتیں تو۔۔۔۔۔"

"میں نہیں بھی رو دتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔"

ماں نورانی کی تھیں۔ وہ ایک دم خاموش ہوئی، پھر کہنے لگی۔

"تو آپ ایسا کریں ماں۔۔۔۔۔ امیراگھا گھونٹ دیں یا زبردستہ دیں مجھے۔ روز روز منہ سے بہتر ہے، ایک ہی بار مر جاؤ گی۔"

"جائے۔۔۔؟"

ماں نے اسے سمجھ کر گھٹا لایا۔

"میں کیا کروں جیٹا۔۔۔۔۔ امیری تو کچھ مجھ میں نہیں آ رہا۔"

اس کے آنسو بے اختیار چھلک اٹھے تھے۔

پھر کہنے لگن گزرتے گئے۔ اس کی پریشانی کم نہیں ہو رہی تھی۔ کیونکہ جیٹے نے ہانکل چپ سا دھلی تھی اور ادھر رانیال کی بھاری دھن پھرنا چکی تھی۔ آخر اس کو اسے بتانا پڑا کہ جیٹے کے لئے ان کی بڑی بیٹی راجہ کے سرال سے بھی رشتہ آیا ہوا ہے، اور کیونکہ بیٹی کی سرال کا معاملہ ہے، اس لئے وہ طریقے سے ہی انہیں جواب دینے کے بعد رانیال کا سوچیں گے۔

یعنی ماں نے رانیال کے لئے منع نہیں کیا تھا، کیونکہ ایک تو اسد کے لئے کسی طرح ان کا دل نہیں مان رہا

تھا دوسرے شاید وہ کسی گھر کے انتھار میں تھیں کہ یہ بخوری ٹل جائے۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تو وہ پھر ٹائیڈ سے پچھنے لگیں۔

"جیٹا۔۔۔! پھر کیا سوچا تم نے۔۔۔؟ رانیال کی بھانج بھی پھر لگا رہی ہیں۔ میں کب تک ان کے سامنے

ہاتھ بٹائی رہوں گی۔۔۔؟ تم جواب دو تو میں۔۔۔۔۔"

"سیرے پاس جواب نہیں ہے ماں۔۔۔! جب آپ اور ابا نے نہیں ہو گئے ہیں تو میں کیا کر سکتی ہوں۔۔۔؟"

جیٹے کے ہاڑھ اور زرخے انداز پر ماں اسے دیکھنے لگیں۔

"آپ ایسا کریں ماں۔۔۔! صرف ایک بیٹی کو سوچیں، صرف راجہ کو یا صرف مجھے۔ پھر شاید آپ بچے کے فیصلہ کرا آسان ہوگا۔"

ماں ابھی بھی کچھ نہیں بولیں۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ماں۔۔۔! ایک بیٹی کی طرف سے تو آپ کو دل پر پھر رکھنا ہی ہوگا۔"

اس نے پھر زور دے کر کہا تو ماں نے ٹھک آ کر ٹوک دیا۔

"ہی۔۔۔! چپ ہو جاؤ۔۔۔! میں نے تم سے جواب مانگا ہے، مشورے نہیں مانگے۔"

دوسرے جھٹک کر دوسری طرف دیکھنے لگی تو اس نرم پڑ کر کہنے لگیں۔

"رکھو جیٹا۔۔۔! ہم ماں باپ ہیں، ہمارے لئے ہر لون بیٹیاں برابر ہیں۔ کسی ایک کی طرف سے دل پر

چتر نہیں رکھ سکتے۔ اس لئے تمہارے ابا نے فیصلہ تم پر چھوڑا ہے۔ تم صرف اپنا سوچو، راجہ کا مت سوچو۔"

ماں کی آخری بات پر وہ ایک دم انہیں دیکھنے لگی۔

"یہیں اس لئے کہ رہی ہوں کہ میں کوئی اہرام نہیں رہے گا۔"

ماں نے نظر اس چڑا کر کہا تو وہ دکھ سے بولی۔

"کوئی اہرام دے یا نہ دے، خود اپنی نظروں میں تو مجرم ٹھہروں گی۔ نہیں ماں۔۔۔! مجھے معاف کر

دیں۔ میں برباد احساس کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکیں گی۔ آپ اور ابا جو مناسب سمجھیں، کریں۔ میں وعدہ کرتی ہوں، کبھی آپ کو بااثر اہرام نہیں دوں گی۔"

وہ اپنی بات ختم کرتے ہی تھوڑی سے دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔ ماں سر ہکا زکرو رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

رو گھر آیا تو سیدہ اکیلی آداس گم جمی تھی۔ وہ قدرے ٹھکا، پھر ایک دم زور و آواز میں سلام کیا تو سیدہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”کیا بات ہے بھابی۔۔۔؟ آپ یوں اکیلے اُداس بیٹھی ہیں، کوئی لڑکھنڈی فلم دیکھ لی ہے کیا۔۔۔؟“  
اس نے فوراً ہلکے پھٹکے انداز میں پوچھا۔  
”نہیں۔۔۔!“

سیما کی زبان سے زب دوسرہ نکلا تھا۔

”پھر کیا بات ہے۔۔۔؟“

وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

”کچھ نہیں۔۔۔ اُم جاؤ پہنچ کر۔۔۔! میں تمہارے لئے جانے جاتی ہوں۔“

سیما یہ کہہ کر اٹھنے لگی کہ اس نے سوئے کے بازو پر ہاتھ رکھ کر راستہ روک لیا۔

”کوئی ضرورت نہیں کہیں جانے کی، پہلے میری بات کا جواب دیں۔ بھیسے کچھ کہا ہے کیا۔؟ بچوں نے شک کیا ہے یا کوئی اور بات ہے۔؟“

سیما سے یوں دیکھنے لگی جیسے تائے ڈانٹیں۔۔۔؟

”اوہ بھابی۔۔۔! اب بتا بھی دیں۔“

اس نے نو کاہتہ وہ ڈک کر بولی۔

”وہ۔۔۔ وانیال۔۔۔! خوبصورت صاحب کی طرف سے انکار ہو گیا ہے۔“

”کیا۔۔۔؟“

اسے ایک دم کھڑکا کھڑا۔

”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں بھابی۔۔۔؟ گنگ۔۔۔ کیوں انکار کیا ہے انہوں نے۔۔۔؟“

”وہ۔۔۔! اصل میں تاجیہ کے لئے اور بھی پروپوزل آئے ہوئے تھے۔ پھر ٹھانہ رہے، خوبصورت صاحب کو جہاں مناسب لگے گا، وہیں تاجیہ کی شادی کریں گے۔“

سیما یوں بول رہی تھی جیسے اسے بہت زیادہ دکھ ہو۔

”آپ سے انہوں نے کیا کہا۔۔۔؟“

”تجینی بتایا ان کی بیگم نے کہ تاجیہ کے لئے ان کی بڑی بیٹی کی کمرال سے رشتہ آیا ہوا ہے۔“

سیما پہلے سے سب سوچے بیٹھے تھی۔

”لیکن بھابی۔۔۔! ابھی کل ہی تو میری تاجیہ سے بات ہوئی تھی، اس نے تو کسی اور پروپوزل کا نہیں

بتایا۔۔۔؟“

وہ سیما کو جھٹکا نہیں رہا تھا، لیکن اسے یقین بھی نہیں آ رہا تھا۔

”ہو سکتا ہے تاجیہ کے علم میں نہ ہو۔“

سیما شہنائی تھی، پھر زار بات بدل گئی۔

”میں جانتی ہوں، تاجیہ تمہاری محبت ہے، اور محبت جھمن جانے کا دکھ سہتا بہت مشکل ہے۔ لیکن

۔۔۔!۔۔۔ اُم خدا کے لئے، خود کو سنبھالو۔ میں تمہیں لوٹنے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔“

وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا تو سیما واقعی پریشان ہو گئی۔

”کہاں جا رہے ہو وانیال۔۔۔؟ میں پھر جاؤں گی، خوبصورت صاحب کے ہاں، ان کی باتیں کرنی پڑیں تو وہ

میں لڑوں گی۔“

”نہیں بھابی۔۔۔! آپ نہیں جائیں گی۔“

دو تکیے سے کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا، اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ کچھ کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ منزل

اُپ بٹ آتے آتے اچانک زور کیسے ہو گئی تھی۔؟ کتنی دیر وہ بس جھٹلا رہا، کیونکہ ذہن بری طرح جکڑ رہا تھا۔ پھر سیما

”اے اے لئے جانے لے کر آ گئی تو وہ ڈک کر بولا۔

”آپ نے کیوں زحمت کی بھابی۔۔۔؟ مجھے پکا پکارتیں۔“

”پتہ دار تھا، لیکن تم اپنے آپ میں بھی نہیں ہو۔“

سیما نے جانے کا کپ اسے تھما یا، پھر کہنے لگی۔

”مجھے تو پہلے دن ہی خوبصورت صاحب اور ان کی بیگم کا روڈیہ ٹوکھا تھا، اور شاید میں نے نہیں بتایا بھی تھا۔

اے! ان کی مرضی۔۔۔! اب تم اپنے دل کو مت گالو۔“

وہ سیما کو دیکھ کر رو گیا۔

”تمہارے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے وانیال۔۔۔! میں نے صبح تمہارے بھیسے بات کی تھی، کل ہی

ہاں کی خدا کے ہاں۔ اس کی بھانجیاں بڑی خوبصورت ہیں۔“

سیما نے اس کا دھیان لانے کی غرض سے کہا، لیکن وہ تکیے سے بولا تھا۔

”نہیں بھابی۔۔۔! ابھی آپ کہیں نہیں جائیں گی۔“

”کیوں۔۔۔؟ ابھی سے جہاں شروع کروں گی، وہیں ہی تو کہیں جا کر بات بنے گی۔“

سیما نے رعب سے کہا تو وہ عاجزی سے بولا۔

”بھابی۔۔۔! جلیز، اس کا کچھ کھول جائیں۔ مجھے نہیں کرنی شادی۔“

”ارے۔۔۔! تو میں کون سا ابھی سے ابھی تمہاری شادی کر رہی ہوں۔؟ میں تو تمہارا دھیان بٹا رہی

میں۔۔۔“

سیما نے کہا، پھر ایک دم جذباتی ہو گئی۔

”میں نے تمہیں بچوں کی طرح پالا ہے وانیال۔۔۔! اُم اگر پریشان، اُداس ہو گئے تو میں کیا آرام سے

بڑے سکون کی۔؟ نہیں دانیال!۔۔۔ اتھار اڑا کھیرا ڈکھ ہے۔۔۔

"میں جانتا ہوں بھائی!۔۔۔ لیکن میں کیا کروں۔۔۔؟ میں نے غائبہ کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں سوچا۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ پاؤں گا، ہر جاؤں گا۔"

دو جگہ ٹوٹ رہا تھا۔

"اللہ نہ کرے۔۔۔ امیریں تمہارے دشمن!۔۔۔ خبردار جو بھر بھی ایسی بات نہ سے نکالی تو۔۔۔"

میرا نے نگاہ بدلت کر اسے ٹوکا تو وہ نادم ہو کر بولا۔

"آئی! ہم سو رہی بھائی۔۔۔!"

"ہاں نہیں تو، جان ہی نکال دی تھی تم نے میری۔۔۔ چلو۔۔۔! یہ مچھلو۔۔۔! کیلئے بیٹھو گے تو ایسے ہی منہول سوچتے رہو گے۔"

"نہیں سوچوں گا، ملکاب میں سوؤں گا۔"

اس نے کہا، لیکن سنا بعد بھی کہ اسے کیا نہیں چھوڑے گی۔ بڑی مشکل سے وہ اسے بھیج سکا۔ پھر کمرہ بند کر کے اس نے غلابہ صاحبہ کے کمرہ کا نمبر ڈائل کیا اور غلابہ نے غائبہ کی آواز سن کر اس نے بہت جگت میں اس سے اگلے دن ملنے کا کہہ کر ڈون بند کر دیا۔ کیونکہ وہ فون پر اس سے باز پرس نہیں کرنا چاہتا تھا کہ کہیں درمیان میں ہی وہ کسی خوف سے فون رکھ دیتی اور بات افسوس پورہ ہوتی۔ اس لئے اس نے ملنے کا کہا تھا۔

اور اسے یقین تو نہیں تھا کہ وہ آئے گی، پھر بھی اگلے دن دو مقررہ وقت سے بہت پہلے کٹھ دھند بیچ گیا تھا تو پھر وقت جیسے ٹھہر گیا تھا۔ نگاہیں والی پر نظر میں جمائے حقیقت اس کی آنکھیں پھرا گئی تھیں! جب ہی دو دروازے سے داخل ہوتی نظر کی نہیں آتی۔

"السلام علیکم۔۔۔!"

غائبہ نے قریب آ کر سلام کیا تو وہ ایک دم سرا دھچکا کر کے آدھ دیکھنے لگا۔

"کیوں مشکل میں ڈالنے لگے ہیں مجھے۔۔۔؟"

وہ بیٹھنے ہی روئے لگی تو وہ حریف پریشان ہو گیا۔

"یہ۔۔۔؟ تم کیا کہہ رہی ہو۔۔۔؟ رو کیوں رہی ہو۔۔۔؟ بتاؤ غائبہ!۔۔۔ کیا میری بھائی نے جو کہا ہے۔۔۔"

جج ہے۔۔۔؟"

"کسک۔۔۔ کیا کہا ہے آپ کی بھائی نے۔۔۔؟"

رو دوتا بھول گئی۔

"جی کہ تمہارے لئے تمہاری بڑی بہن کے سرسراں سے پر پوزل آیا ہے۔۔۔؟"

وہ بتانے سے زیادہ پوچھ رہا تھا اور اس کے سر جھکا نے پر بالکل ڈھس گیا۔ تب غائبہ نے اس پر ساری

"ات مال واضح کرو گی، اور جب یہ بتایا کہ اس پر اس باپ کی طرف سے کوئی زبردستی نہیں ہے تو اسے غصہ آ گیا۔"

"جب تم پر کوئی زبردستی نہیں ہے تو پھر تم کیوں رو رہی ہو۔۔۔؟ اور فیملہ کرنے میں کیوں ہچکچا رہی؟ کیا نہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔۔۔؟"

وہ غائبہ ہو کر اسے دیکھنے لگی تو غصہ بڑا کر بولا۔

"دیکھو!۔۔۔! جو تم سوچ رہی ہو وہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ تمہاری بہن کے سرسراں والے صرف دھمکیاں دے لے ہیں، اور کچھ نہیں کر سکتے۔"

"آپ نہیں جانتے دانیال!۔۔۔! وہ پہلے ہی رابہ کو گھر سے نکال چکے ہیں۔"

غائبہ نے بتایا تو وہ فوراً بولا۔

"اچھا!۔۔۔! تو اس کی کیا کارنی ہے کہ دو بعد میں اپنی ایسی ادھی کھٹوں سے باز آ جائیں گے۔۔۔؟ پھر غائبہ!۔۔۔! میں یہ نہیں کہتا کہ تم اپنی بہن کا مت سوچو، لیکن اس طرح نہیں کہ خود کو قربان کر دو۔۔۔؟ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، بلکہ تمہاری بہن کے سرسراں والے اور شیر ہو جائیں گے۔"

"پھر میں کیا کروں۔۔۔؟"

وہ بے بسی سے بولی تھی۔

"اب یہ بھی میں بتاؤں۔۔۔؟ بے وقوف لڑکی!۔۔۔! منزل تمہارے سامنے موجود ہے اور تم! ادھر ادھر بھاگ رہی ہو۔۔۔؟ ابھی جا کر اپنی اماں سے کہو کہ تم شادی کرو گی تو صرف دانیال حسن کے ساتھ۔۔۔! اتنی سی بات ہے۔"

وہ شاید خود بخود ٹپکس ہو گیا تھا، جب ہی اسنے آرام سے بولا تھا۔

"اتنی سی بات سے رابہ کی زندگی میں جو طوفان آئے گا۔۔۔!"

وہ مزید غائبہ ہو گئی تھی۔

"مگر ٹی طوفان نہیں آئے گا۔ میں کہہ رہا ہوں ناں!۔۔۔! کچھ نہیں ہوگا۔"

وہ اس کی بہت بندھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"کوئی شخص اتنا بے وقوف نہیں ہو سکتا کہ اپنے بھائی، دادو، اور بھائی کی خاطر اپنی بیوی اور بچے کو چھوڑ دے۔"

تم اپنہ دل سے یہ خوف نکال دو۔"

"لیکن۔۔۔"

وہ جانے کیا کہتا تھا اتنی جتنی کہ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"بس۔۔۔! اب اس موضوع پر بات نہیں ہوگی کرنی ہے تو کوئی اچھی بات کرو۔۔۔! جابے، میں کل پوری

رات ایک ہل کے لئے بھی نہیں سو پایا۔

”تو میں کب سوئی ہوں؟“

اس کے رونے سے اندازہ لڑ پڑا ہے سائے سگڑا دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

زندگی و مصائب کاوں —☆— 109

دوست سے بولا۔

”یہ ممکن نہیں ہے۔ تمہیں جو کہتا ہے، ابھی کہو۔“

”تم مجھے غلط تو نہیں سمجھو گی ناں؟“

”ان باتوں کو چھوڑ دو اور اصل بات کرو۔۔۔۔۔!“

”اصل بات.....؟“

اس کا لہجہ مچتا ہوا سنا تھا، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگا۔

”یہ کہانی وہیں سے شروع ہوئی تھی جانے۔۔۔! جب تم نے مجھ سے جہانزیب کے بارے میں پوچھا تھا، وہیں نے شخص شہر کا گناہ تھا کہ میں ہی جہانزیب ہوں۔ میرا خیال قاتم میری بات کا برا ماننے کو مجھے برا بھلا کہو گی لیکن اس کے برعکس جب تم نے مجھے جہانزیب تسلیم کر لیا تو جہاں مجھے حیرت ہوئی، وہاں میں یہ بھی جان گیا کہ تم اس شخص سے صرف نام کی حد تک واقف ہو، مگر جس طرح تمہاری آنکھیں کھلے ہو کچھ نہیں اور تم گھبرا کر پلٹ گئیں تو لیکن کرو، اس وقت مجھے آپ پر افسوس ہوا کہ میں جہانزیب کیوں نہیں ہوں.....؟ اور وہ۔۔۔۔۔“

”میں یہ ساری باتیں نہیں سنتا چاہتی۔“

دو ٹوک کر بولی۔

”میرا مقصد ان باتوں کو ذہن پرانا نہیں ہے، بلکہ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم اول روز ہی سے میرے دل میں گھر کر گئی تھیں اور اس کے بعد میں کوشش کے باوجود تمہارے خیال سے دامن نہیں بچا۔ اس لئے جب تم آواہ مجھے ملی تو میں نے قہراً اپنے آپ کو تم سے چھینا، کیونکہ مجھے یہ غلطی تھا کہ جب تمہیں معلوم ہوگا کہ میں جہانزیب نہیں ہوں تو تم مجھ سے دور چلی جاؤ گی اور میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔“

”جانتے ہو جہانزیب کون ہے.....؟“

”ہاں.....! اس عرصے میں تمہاری باتوں سے میں بہت ساری باتیں اذخو و بھو گیا تھا۔ وہ تمہارا منگیتہ تھا۔“

اور خانہ اہل شہر ہے۔

اس کے خاموش رہنے پر کہنے لگا۔

”مجھے غلط مت سمجھو جانے۔! میرا مقصد تمہیں دھوکہ دینا ہرگز نہیں تھا۔ میں نے تم سے محبت کی ہے اور اب یہ تم پر غرض سے ہمارا ہے۔ اول روز.....! میں جان گیا تھا کہ تم میری نہیں ہو سکتیں، لہذا میں تمہیں چاہتا رہا۔“

”میں کرو۔۔۔۔۔“

اس کی آنکھیں بے اختیار چمک گئیں، اور جب بولی تو آنسوؤں کی نمی آواز اور لمحے میں اتر آئی تھی۔

پھر اس نے اپنے آپ کو سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی کہ اسے اس شخص کی بات نہیں سننی چاہئے۔ دو جو کوئی بھی تھا، ماضی کا حصہ بن چکا ہے اور اسے ڈھرانے کی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ اس خیال نے بھی وہیں پکڑا کہ اگر جہانزیب کو کسی بات کی خبر ہوگی تو اس کی ازواجی زندگی متاثر ہو سکتی ہے۔ لیکن ایک تو دول کے ہاتھوں مجبور تھی جو انجانے میں اسے اپنا سب کچھ مان بیٹھا تھا، دوسرے وہ اسے یہ بھی پوچھنا چاہتی تھی کہ آخراں نے اس کے ساتھ ایسا مذاق کیوں کیا۔؟ جب ہی و ماغ کی مسلسل سرزنش کے باوجود وہ من مانی کر گئی۔

”جہانزیب کا فون ہوگا۔“

فون کی بجلی پل پل پر تڑی رہ رہتی ہوئی لابی کی طرف بھاگی۔ پیچھے سے ہنگی نے پکار کر چائیں کیا کہا وہ سننے کے لئے زک نہیں، جلدی سے آکر یہ سیدھا اٹھایا۔

”بیٹو۔۔۔۔۔!“

”جانے۔۔۔۔۔!“

اس کی آواز سننے کے بعد ہی اس نے پکارا۔

”ہاں.....! میں جانے ہوں تم کون ہو.....؟“

”جہانزیب۔۔۔۔۔!“

وہ اطمینان سے بولا۔

”نہیں.....! تم جہانزیب نہیں ہو۔ مجھے صاف صاف بتاؤ کون ہو تم.....؟“

”خفاست ہو جانے۔! ابھی سب بتانے کے لئے تم مجھ سے بات کرو چاہتا تھا۔“

وہ لہجہ بزدل کر بولا۔

”سنو.....! کیا تم مجھ سے مل سکتی ہو.....؟“

”نہیں۔۔۔۔۔!“

اس کا لہجہ آپ ہی آپ سخت ہو گیا۔

”چلیز جانے۔! انکار مت کرو۔! بس ایک بار مجھ سے ملو۔ میں تمہیں ہر بات صاف صاف بتاتا چاہتا

ہوں۔“

"میں نے سوچا تھا، لیکن....."

اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ محسوس کر کے اس نے گھبرا کر ریسرورڈ دیا اور جلدی جلدی جھٹیلوں سے آنکھیں روک رہے تھے۔

"کیا ہوا جانید.....؟"

ہلکی آواز دے دے دیکھ کر توشیح سے پوچھنے لگی۔

"جہانزیب بھائی ٹھیک تو ہیں ناں.....؟"

"ہاں..... انکس.....!"

"کیا مطلب، ہاں.....؟ کس.....؟"

"میرا مطلب ہے، جہانزیب کا نوں نہیں تھا۔"

وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"پھر.....؟"

"وہ..... صاف تھی....."

فوری طور پر اس کے ذہن میں یہی نام آیا۔

"سانر.....؟ اچھا وہاں..... کیا ہوا ہے.....؟"

"نہیں..... وہ..... وہ....."

وہ گڑبڑا گئی، ابھی میں نہیں آیا کہ کیا کہیے.....؟

"اس بھاری کے ساتھ کوئی نہ کوئی مسئلہ بتائی ہے۔"

"یہ بتاؤ، ای کی کر رہی ہیں.....؟"

"بچن میں ہیں....."

"بکتی بری بات ہے کہ وہ بھاری اکیلی گئی ہوئی ہیں۔ چلو وہیں چلے ہیں۔"

اور محض اس خیال سے کہ ہلکی، صاف کے بارے میں مزید سوال نہ کرنے لگے، وہ جلدی سے بکن کی طرف جانے لگی کہ سامنے سے چھوٹے بھیا آ گئے۔

"ارے جانید.....! میں آج بڑی شدت سے جہیں جا کر رہا تھا۔"

"اچھا.....!"

چھوٹے بھیا کے منہ سے ایسی بات سن کر وہ خوش ہو گئی۔

"کس وقت سے آئی ہو.....؟"

"صبح آفس جاتے ہوئے جہانزیب چھوڑ گئے تھے۔"

"اچھا اچھا، آؤ، میرے کمرے میں آؤ.....!"

"جی.....؟"

وہ حیران ہو کر ہلکی طرف دیکھنے لگی تو وہ جلدی سے بولی۔

"تم بھیا کے پاس بیٹھو، میں ای کے پاس جا رہی ہوں۔"

اس نے ہلکی کو بھاگ کر جاتے دیکھا، پھر چھوٹے بھیا کے ساتھ ان کے کمرے میں آ گئی۔

"بیٹھو.....!"

انہوں نے کہا اور جیسے ہی وہ بیٹھی، انہیں کسی تہیہ کے کہنے لگے۔

"جانید.....! تم ای ای کو کھماؤ۔ وہ شاید تمہاری بات مان جائیں۔"

"کیا بات.....؟"

وہ بالکل بیٹھ بیٹھی اور بھینسے کے لئے پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"مجھے جاپان جانے کے لئے چاہئے۔ میں ابھی سے کہہ رہی ہوں کہ یہ ممکن ناں دیں۔"

"کیا.....؟"

روکنے روکنے بھی اس کے منہ سے کچھ نکلی گئی، جس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے چھوٹے بھیا اپنی کہے۔

"ایک اور ای وہوں میں سے کوئی میری بات سننے تک کو تیار نہیں، جبکہ میں یہ یقین ولا رہا ہوں کہ ایک

مال میں ہی ایسے دو مکان خریدوں گا۔"

"کیسے.....؟"

"میں وہاں سے کما کر بچوں گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بھیا.....! لیکن آپ وہاں جا کر کریں گے کیا.....؟ میرا مطلب ہے، نہ تو آپ کے

اں اتنی تعلیم ہے اور نہ کوئی ہنر۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں اگر وہاں کسی ٹیکسٹری میں مزدوری بھی کروں گا، جب بھی اسنے پہنے

میں کے جو یہاں ایک سال میں نہیں کما سکتا۔"

وہ اسنے جوش سے بولے کہ وہ پمپل خود کو سانس کا اظہار کرنے سے باز رکھ سکی۔

"ابھی مجھ پر انتہا نہیں کر رہے۔ شاید وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں یاتو پیسے ازاؤں گا، یا یوں ہی دیکھنے کھا

وہاں آ جاؤں گا۔ حالانکہ کوئی کی کارکنی کے ساتھ دینا دل رہا ہے اور تم کسی طرح ای ای کو یہ بات سمجھاؤ۔"

"میں کوشش کروں گی۔"

وہ کہتا پڑا، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر اس کے برعکس اس نے کچھ کہا تو چھوٹے بھیا ابھی اس کے منہ پر



کہہ دیں گے کہ وہ بھی نہیں جانتی کہ کسی قافلہ میں...

"تم آج ہی اب اسے بات کرنا دیکھو، اگر یہ چانس میں ہو گیا تو..."

وہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے اٹھ کھڑی ہوئی اور یوں ہی سر ہلاتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل آئی۔ اسی اور وہ بھی جگہ سے فارغ ہو کر کمرے میں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ انکی اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

"کیا کہہ رہے تھے چھوٹے بھائی؟"

"کوئی نئی بات نہیں تھی۔"

وہ گہری سانس لے کر اسی کے پاس بیٹھی تو ان سے کہنے لگی۔

"آخر چھوٹے بھائی ایسے کیوں ہیں؟ انہیں ذرا بھی کسی بات کا احساس نہیں ہے۔ بس... ایک جاپان جانے کی دھن سوار ہے۔"

"مکان بیچنے کو کدھر ہے ہوں گے؟"

انکی نے عجیب و غریب مہر مہر کی دھم دھم سے دیکھ کر ہنسی سے بولی۔

"وہ انکی ہی باتیں کر سکتے ہیں۔ فیروز جی...! اور اگر کھانا تیار ہو گیا ہے تو دس روپے لگا دو، مجھے بھوک لگی ہے اور غنیمت بھی آ رہی ہے۔"

"کھانا ضرور کھاؤ، لیکن میں تمہیں سوئے نہیں دوں گی۔"

انکی اٹھتے ہوئے بولی۔

"کیوں؟"

"میں بھر ہوں گی۔"

"چھوٹا بھائی پہلے کھانا کھا لو..."

اسی کے کونے پر ہنسی چلی گئی تو اس نے اٹھ کر الماری سے دس روپے نکالا اور وہیں بچھا دیا۔ اس کے بعد جا کر چھوٹے بھائی کو بلائی۔

پھر کھانا کھاتے ہی وہ لیٹ گئی۔ اسے وہ بھر میں سونے کی عادت تھی اور اس وقت اس نے سوچا، جب تک اسی الماری سے فارغ ہوں اور کتنی برتن وغیرہ دھو کر اسے، جب تک وہ ایک نیند لے لے، لیکن جیسے ہی تہائی لی، اس کا ذہن بھٹکنے لگا۔ کچھ دیر پہلے کھانا کھانے پر ہونے والی ساری باتیں ایک ایک کر کے یاد آئے۔

"تم آج روزی سے میرے دل میں گھر کر گئی تھی، اور پھر میں نے قصداً اپنے آپ کو تم سے چھپایا۔"

"جہاز برب...!"

اس نے دل ہی دل میں اسے نکالا۔ پھر اٹھ کر بولی۔

"وہ جہاز برب نہیں ہے، بہر حال جہاز بھی ہے، اس نے اچھا نہیں کیا۔ اگر وہ مجھے بتا دیتا تو شاید میں..."

"میرا خیال تھا تم سوتی ہو گی۔"

انکی اسے جاننے دیکھ کر بولی تو دوسرے جگہ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"کیا تم میری وجہ سے جاگ رہی ہو؟"

"ہاں...! میں نے سوچا، کہیں تم مجھے نیند میں سے نہ اٹھا دو، اس لئے میں سوئی ہی نہیں۔"

"مضیٰ خیر...! میں ایسا تو نہ کرتی۔"

انکی ہنستی ہوئی اس کے برابر آ بیٹھی۔

☆ ☆ ☆

راجہ اپنی ساس اور دو بہن کی سرگرمیاں دیکھ رہی تھی۔ وہ باقاعدہ عازمہ بن چکے تھے اور مہادیاس کی سناٹا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے کہنے میں اپنا کھرا جائزہ پرکھا ہوا تھا۔ بچے کا بھی نہیں سوچ رہا تھا۔

اس وقت میں کھڑی بن کر دیکھنے سے وہ مسلسل یہی سوچ رہی تھی کہ وہ ایسا کیا کرے کہ اس کی ساس کا خیال چھوڑ دیں۔ لیکن اسے کچھ نہیں آ رہا تھا۔

"بھائی...!"

اچانک اس کی آمد پر وہ جلدی سے آنسو پونچھ کر چھری تیز چلانے لگی۔

"اوہو...! یہاں تو مل جل کا سا ہے۔"

اس نے اسے آنسو پونچھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"کیا چاہتے تھیں؟"

اس نے بٹے پیچھے سے اسے پوچھا، وہ اسی قدر لہک کر بولا۔

"تمہارا عیار...! میرا مطلب ہے، کبھی تو بیار سے بات کر لیا کرو۔ ہر وقت انکارے چنا ہوا اچھا نہیں

"ہو"

"دیکھو اسد...! میرے پاس فالتو باتوں کے لئے وقت نہیں ہے۔ تمہیں جو چاہئے، جلدی بناؤ..."

دھمکی بھیک کر اسے دیکھنے لگی۔

"جتنی جلدی بناؤں گا، اتنی جلدی دے دو گی..."

اس کی دھمکی اسے نہیں تھی۔

"جی...! مجھے کام کرنے دو۔"

وہ پھر چھری اٹھانے لگی تھی کہ اسد نے اس سے پہلے ہی بھیبھلی۔

"کلاؤ...! میں تمہاری دیکر دوں۔ تم اپنی آنکھوں پر ظلم نہ کرو۔"

پھر اسے دیکھ کر بولا۔

”اسی لئے کہتا ہوں، جلدی اپنی بہن کو لے آؤ یہاں، تمہارا بوجھ بٹکا ہو جائے گا۔ کھانا پکانا آتا ہے ناں مانیہ کو۔۔۔؟“

”سب آتا ہے۔“

وہ دانت بیتی ہوئی جگن سے نکل آئی۔ پھر پہلے سوئی کو کمرے میں دیکھا تو وہ سکون سے سو رہا تھا۔ اس کے بعد عہاد کے پاس آ بیٹھی اور اس کے ہاتھ سے لڑی کا ریوٹ لیتے ہوئے بولی۔

”عہاد۔۔۔ امیری بات نہیں۔۔۔!“

”سناؤ۔۔۔!“

بیشک کا اکھر عہاد اس وقت جانے کس موڑ میں تھا کہ بڑے آرام سے اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

”وہ۔۔۔ عہاد۔۔۔!“

وہ اس کی شکایت کرنے میں تھی، لیکن اچانک ایک خیال کے تحت غصہ پا کر کہنے لگی۔

”وہ۔۔۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ خوش ہو جاؤ یہی چاہتی ہوں کہ اس گھر میں کسی اور لڑکی کی بجائے میری اپنی بہن آجائے۔“

”پھر۔۔۔؟“

”پھر یہ کہ آپ اس کو بھی تو سمجھائیں ناں۔۔۔! میرا مطلب ہے، شادی کے بعد ضرور داریاں بڑھ جاتی ہیں، اور اس کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہے۔“

اس نے کہا تو عہاد بے نیازی سے بولا تھا۔

”نہیں ہے احساس تو ہو جائے گا، جب سر پر پڑتی ہے تو خود ہی محفل لھکانے آ جاتی ہے۔“

”ایسا نہیں ہے عہاد۔۔۔!“

وہ جھجکا کر بولی۔

”آپ کو ابھی اس کو سمجھانا پڑے گا، بلکہ سچی وقت ہے۔ آپ اس سے کہیں، اگر شادی کرنا چاہتے ہو تو پہلے کچھ کا کراؤ۔ ابھی وہ شادی کے شوق میں کچھ کر بھی لے گا، بعد میں تو وہ آپ کی بات سننے کا بھی نہیں۔“

عہاد کے چہرے کا تڑاؤ ڈھلاؤ بڑھ گیا تھا اور وہ اپنی بات کا اثر ہوتے دیکھ کر مزید گویا ہوئی۔

”دیکھیں۔۔۔! میں اس کی خوشنہیں ہوں۔ اس کے بھیلے کی بات کر رہی ہوں۔ پھر آپ یہ بھی دیکھیں، ابھی سارے گھر کی فہم داری آپ پر ہے، بال اس کو احساس نہ دلا یا گیا تو اس کے بال بچوں کی ضرورتیں بھی آپ کو پوری کرنی پڑیں گی۔ کر سکیں گے آپ۔۔۔؟“

”میں کہاں سے کر دوں گا۔۔۔؟“

عہاد فوراً بولا تھا۔

”جی لئے میں۔۔۔“

وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم نہ صرف خاموش ہوئی، بلکہ غائب بھی ہو گئی تھی۔ پردے کے اس طرف بتول یکدم کھڑی اس کی باتیں سن رہی تھیں۔ ان کی جھلک دیکھ کر ہی وہ خاموش ہوئی تھی، اور وہ کوئی غلط بات تو نہیں کر رہی تھی، لیکن وہ جانتی تھی کہ بتول یکدم اس کی بات کو غلط سمجھ رہی ہیں، اور یہی ہوا۔ بتول یکدم نے اس پر کچھ جتا تو نہیں، لیکن جب وہ ان کے لئے کھانا لے کر گئی تو بڑے آرام سے بولی تھیں۔

”میں سوچ رہی ہوں، بیو۔۔۔! کل تمہارے بچے کا چکر لگا آؤں۔“

”جی۔۔۔؟“

اس کا ”جی“ بے معنی تھا۔

”تم بھی جلدی چلنا، مانیہ کے جوڑے کا ٹاپ بھی لے لینا۔ جنہیں پتا ہے آج کل روزیوں کے کتنے فخرے ہیں۔“

بتول یکدم بظاہر کھانے کی طرف متوجہ تھیں۔

”جی ای۔۔۔! لیکن ابھی سے۔۔۔؟“

وہ حقیقتاً چکر لگا رہی تھی۔

”میرا مطلب ہے، پہلے شادی کے معاملات تو طے کر لیں۔ چنانچہ اب کا ارادہ کیا ہے۔۔۔؟“

”اوہ۔۔۔! میں بیٹے کی ناں ہوں۔“

بتول یکدم یکدم دم اوقات پر آ گئیں۔ سینے پر ہاتھ مار کر زور سے بولیں۔

”جو میں طے کر دوں گی، وہی ہوگا، اور مجھے اگلے سبب سے اس کی شادی کرنی ہے، ابھی۔۔۔؟“

”جی۔۔۔؟“

وہ اس قدر کہہ کر جانے لگی کہ بتول یکدم چکر لگا کر بولیں۔

”اور سنو۔۔۔! سینے کا زور زیادہ ہو شادی دیکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی نوکری کا تم سے ضرور

چمکیں گے تمہارے لہاں لہا۔ کیا کوئی۔۔۔؟“

”وہی جو آپ نے کہا ہے۔“

دو ضبط بولتی تھیں۔

”ہاں۔۔۔! اور یہ تمہارا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے۔؟ دیکھو کی خوشی نہیں ہے کیا جنہیں۔۔۔؟ اور۔۔۔! بھلا دو جن کو تو بڑا ارمان ہوتا ہے، دیکھو کی شادی کا، اور تمہارا تو ایک اکلوتا پیر ہے۔ اس کی خوشی

ہر اہمیت نہیں سمجھتی تم سے۔۔۔؟“

جول بگم اس کے لئے لینے سے باز نہیں آئیں۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی؟ میں بھلا کیوں خوش نہیں ہوں گی؟ میرے لئے تو ذیل خوشی ہے۔ اور درود تو اُدھر ہیں؟!"

رود کے روتے بھی اس کے ہونٹوں سے سکی ہلکی جلی تودہ تیزی سے ٹپٹی تھی۔

☆.....☆.....☆

سیرا بہت خوش ہو کر حنا کو اپنا کارنامہ بتا رہی تھی۔

"میں نے دانیال سے یہی کہا ہے کہ خوبصورت صاحب نے اس کا پرچول رکھنا کٹ کر دیا ہے۔ اس سے

دانیال بہت ڈس ہارٹ ہوا ہے۔ یعنی دل ٹوٹ گیا ہے بھارے کا۔"

"تو اب مجھے اس بھارے کے ٹوٹے دل کو دوبارہ جوڑنا ہے۔؟"

حنائے محفوظ ہو کر کہا۔

"ہاں۔۔۔!"

سیرا بڑبڑاتی تھی۔

"بس! آپ نگہری نہ کریں آپ!۔۔۔ ایسا کام میں ابھی سے شروع کر دیتی ہوں۔"

حنائے کہتے ہوئے دانیال کے کمرے میں جانے کے ارادے سے اٹھتی تھی کہ سیرا اس کا ہاتھ پکچھ کر بولی۔

"خیر آگے آگے سے مامی وہ کہہ نہیں ہے۔"

"کہاں گیا ہے۔۔۔؟"

"نہیں!۔۔۔! جیسا کہ دیرانہ میں صحبت کے اجڑنے کا ماتم کر رہا ہوگا۔"

سیرا نے سخت سے کہا تو حنا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"ہائے آپ!۔۔۔! مجھے تو اس پر ترس آ رہا ہے۔"

"ہاں!۔۔۔!"

سیرا ہنسی، پھر کہنے لگی۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے حنا!۔۔۔! ترس کھاؤ اس پر ہمدردی جنناؤ زیادہ اس کے قریب رہو

تا کہ اسے تمہارا احساس ہو۔"

"ہوں۔۔۔!"

حنائے جاسے کیا سوچنے لگی۔

"سنو!۔۔۔! میں ایسا کرتی ہوں، کچھ دنوں کے لئے ہمارے گھر پر گھر سنبھال لیتی ہوں۔"

سیرا نے کہا تو کچھ کرا کھل پڑی۔

"یہ ٹھیک ہے آپ!۔۔۔! آپ ہر سنبھالیں، پھر میں اس کی ایسی سیوا کروں گی کہ وہ دعا کرے گا، بھابی بھی ہستر سے نہ اٹھیں۔"

"ہائیں۔۔۔؟"

سیرا اسے گھورنے لگی تو حنا ہنسنے ہوئے بولی۔

"دقائق کر رہی ہوں۔"

"بس!۔۔۔! اتم مذاق ہی کرتی رہتا۔ میں ہی پاگل ہوں جو تمہارے لئے اتنے پانڈیل رہی ہوں۔۔۔۔۔؟"

"اور ہوا؟۔۔۔۔۔! اب بندہ مذاق بھی نہ کرے؟!۔۔۔! اچھا ٹھیک ہے۔۔۔۔۔! اب میں کچھ نہیں بولوں گی۔"

حنائے اپنے ہاتھوں پر انگلی رکھ کر تو سیرا سے جھک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جا کر باہر رہیں۔۔۔۔۔؟"

حنائے فوراً پوچھا۔

"لینے جا رہی ہوں۔ ابھی آجائیں گے تمہارے ڈاکا بھائی اور دانیال بھی۔ یہی بتانا انہیں کہ میری

طیبت ٹھیک نہیں ہے۔"

سیرا اسے سمجھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

اس وقت خوبصورت صاحبہ انس سے نکل کر گھر جانے کے لئے بس اسٹاپ پر کھڑے تھے کہ اچانک شور کی

آواز پر اصرار موجود ہونے میں نا اطمینان آگئے تھے۔ اسدودین لاگوں کے ساتھ جھگڑا ہوا تھا۔ اس کی زبان انتہائی غلیظ

کلامیں اگل رہی تھی۔ پھر وہ ہاتھ پائی پر اتر آیا تو خوبصورت صاحب سے وہاں کھڑے رہنا مشکل ہو گیا۔ وہ بس چھوڑ

دکھ میں چلے گئے تھے اور پھر گھر میں داخل ہوتے ہی پکارنے لگے۔

"بیگم! بیگم!۔۔۔!"

"اولیٰ خیر۔۔۔!"

اس کے پیچھے کچھ بھی گھبرا کر کمرے سے نکلی تھی۔

"کیا ہوا ماماں۔۔۔؟ سب خیر ہے تو ہے ناں۔۔۔؟"

"خیر ہے ہی ہے۔ تم ابھی دانیال کے ہاتھوں کر کے کہو دا کر شادی کی تاریخ طے کر جائیں۔"

اسنے دونوں سے اداں دل خوبصورت صاحب نے اچانک فیصلہ کر لیا تھا۔

"ہائیں۔۔۔؟"

اماں حیران ہوئیں اور تاپے کا جو ہوتے دل سے گھرا کر دیں سے واپس پلٹ گئی تھی۔  
"تم کھڑی رہو میں خودی۔۔۔"

خوبصاحب شاید خود مخالف تھے کہ کہیں مجھری آڑے نہ آجائے۔ اس لئے خود ہی بڑھ کر فوں ڈھالیا تھا۔ اتفاق سے دوسری طرف واپال کے بڑے بھائی کمال حسن نے ان کا فون ریسو کیا تھا۔ خوبصاحب نے دانیاں کے ریشے کی ہائی ہر کر انہیں اسی وقت آکر شادی کی تاریخ طے کرنے کو کہا وہ خوشی سے تیار ہو گئے۔ جس سے خوبصاحب اچانک ہلکے ہلکے ہو گئے تھے۔ پھر حیران کھڑی پیچم کو دیکھ کر بولے۔

"تم ابھی تک ہلکے کھڑی ہو؟" جاؤ چائے پانی کا انتظام کرو۔ وہ لوگ آرہے ہیں۔"

"کیوں میاں!۔۔۔ اپوں آگاتا۔۔۔"

"اللہ کر مکی منظور ہے۔ جاؤ جلدی کرو۔ میں مٹائی دھیرے لے کر آؤں۔"

خوبصاحب اماں کو اسی طرح حیران چھوڑ کر باہر نکل گئے۔

اور تقریباً گھنٹے بھر بعد ہی کمال حسن، سہما کے ساتھ موجود تھے۔ سہما اندر سے کتنی ہی حیران پریشان تھی، لیکن خود کو خوش ظاہر کر رہی تھی۔ اماں نے مٹائی کی پلینٹ اس کے سامنے کی تو وہ گلاب جانن آغا کر بولی۔

"بھئی۔۔۔ بہت مبارک ہو آپ کو۔۔۔ اس دن تو میں بالکل باپاں ہو گئی تھی۔"

"ہنس!۔۔۔ خوبصاحب کے فیصلے ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

اماں نے کہا تو کمال حسن، خوبصاحب سے کہنے لگے۔

"آپ کے اچانک فیصلے نے ہمیں خوش کرو یا اور ایک بڑی جشن سے بچالیا۔"

"جینٹل سے؟"

خوبصاحب ہانکھنے کے انداز میں دیکھنے لگے۔

"جی۔۔۔ اہاری پیچم نے باقاعدہ ہنر سنبال لیا تھا۔ اصل میں یہ جب مایاں ہوتی ہیں تو پھر بہت

دلوں تک ہمیں ان کی سہرا کرنی پڑتی ہے۔"

کمال حسن نے وضاحت کی۔ وہ معنوی تنگی سے بولی۔

"میں بھی کریں آپ کو موقع چاہئے۔"

"تو ایسا موقع بار بار کہاں ملتا ہے؟"

کمال حسن حقیقتاً بہت خوش تھے۔

"ارے ہاں۔۔۔! آپ کی بڑی بیٹی نظر نہیں آ رہی؟"

سہما کو اچانک رابہ کی فرموجوئی کھنگلی تھی۔ اماں اندر سے پریشان ہو گئیں۔

"ہاں۔۔۔ اوہ۔۔۔ اصل میں اس کے بچے کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اس لئے انہیں سکی۔"

"اوسا۔۔۔ اور یہی خوشی کا موقع بار بار تو نہیں آئے گا۔ ایک ہی بہن ہے اس کی۔"

سہما جتانے سے باز نہیں آئی۔ اماں کو کھلا کر خوبصاحب کو دیکھنے لگیں تو کمال حسن پکڑیں نہ کچھ کر بھی

اٹھ کر ہوئے۔

"اچھا خوبصاحب!۔۔۔ اہازت دیکھئے۔۔۔ اب تو انشا اللہ آگاتا ہے گا۔"

"جی ہاں!۔۔۔ کیوں نہیں؟" آپ کا اپنا گھر ہے، جب چاہے آئیں۔"

خوبصاحب خوش دلی سے بولے۔ پھر انہیں زخمت کر کے اپنے کمرے میں آئے تو پیچم کو گھر مند

سے سوچنے دیکھ کر شک گئے۔

"آپ کیا ہوا ہے۔؟"

"آپ مجھے رابہ کی گھر سنا رہی ہے میاں۔۔۔"

اماں نے کہا تو وہ قدرے حصار کر بولے۔

"خواہ خواہی مت جلاؤ پیچم! جروہ گا، دیکھا جائے گا۔"

"اللہ ذکر ہے جو کچھ برا ہو۔"

اماں فوراً بولی تھیں۔

"ہنس!۔۔۔ نہیں سبکی دغا کرو۔!"

"رابہ آئی ابھی تو ہیں، جو چاہا اس کی ساس کیا سوچے پیچم ہیں۔؟"

اماں کی طرح خود کو رابہ کی گھر سے آزاد نہیں کر پار ہی تھیں۔

"آپ وہ جو بھی سوچیں۔"

خوبصاحب کے اطمینان پر اماں انہیں دیکھنے لگیں۔

"میاں!۔۔۔ آپ نے تو لگتا ہے خود کو ہر بات کے لئے تیار کر لیا ہے۔۔۔"

"کیا کیا جاتی ہو تم؟"

خواہصاحب بکرا گئے۔

"دو گھڑی کچھ کھانا سناں بھی نہ لوں؟" ابھی سے کل کی گھر میں کیوں کھل رہی ہو۔۔۔؟ جو گھڑی کچھ کی

میرا آئی ہے، اے فیثت جانو۔۔۔ خود بھی سوار مجھے بھی سونے دو۔"

اماں ایک دم خاموش ہو گئی تھیں۔

سنبھالے رکھتی تھی۔ زیادہ تر مصروف رہنے کی کوشش کرتی۔ صبح لالہ اور جہانزیب آفس چلے جاتے، پھر اس کا دیوار جہانگیر اگر اسے کہیں اتار دینے کے لئے جاتا ہوتا تو کچھ دیر بعد وہی چلا جاتا اور تین سارا دن گھر میں وہ کرشمہ میں بندھن دیکھ کر کے لئے نکلتا تھا۔ دینے اس کا ہونا نہ ہونا برابری تھا۔ کیونکہ زیادہ وقت اپنے کمرے میں رہتا تھا۔

البتہ اماں جس کے ساتھ اس کا سارا وقت گزارتا تھا، اماں کا لگ کرانچ اور تھکا۔ کسی دن بہت مہربان اور کسی دن اچانک یوں اس کے خلاف ہو جاتی جیسے رات میں تیرے کمرے میں آج اسے صرف جگ کرنا ہے۔ ابتداء کیونکہ تائے کی پھیل رہی ہو جاتی تھی، اس لئے جہانزیب آفس جانے سے پہلے اسے کھانا دیتے کہ آج اماں کا موڈ فیک نہیں ہے، تم خیال مت کرنا وہ جو کئی کہیں چپ چاپ سن لیں۔

اور وہ ایسا ہی کرتی تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ کرشمہ تک وہ آپ ہی آپ ٹھیک ہو جاتیں۔ ایک طرح سے اس گھر میں اسے کسی خاص مسئلے کا سامنا نہیں تھا۔ وہ بڑے آرام و سکون سے رہتی تھی اور رہتا چاہتی تھی، لیکن دل میں جو ایک غمیں تھی وہ ہمہ وقت بے چین رکھتی۔ اکثر اپنے آپ سے اچھے اور لڑنے لگتی کہ اس نے کیوں جہانزیب کو دیکھنے کی غلطی کی تھی؟ اور پھر دھوکا کھایا، اور کمال تو اس شخص کا تھا جو اسے تو اسے خود اپنے آپ کو بھی دھوکہ دیتا رہا۔ یہ جانتے کے باوجود کہ کسی اور کی امانت ہے اس سے محبت کرتا رہا۔

☆ ☆ ☆

سیما کی ساری پٹانگ تاکام ہو گئی تھی۔ وہ بے حد غمگین ہوئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ اچانک کیا کیسے چلت گئی۔؟ دانیال کے سامنے تو وہ خوشی کا اظہار کرنے پر مجبور تھی، لیکن حق کے سامنے معذور۔ کیونکہ خدا کو ہی اس کا تھی، جب یہ اب دانیال کی بات کہی ہوئے کاس کر دیتے تھے؟

"میں یہ سب نہیں جانتی آپا۔۔۔ آخر یہ سب کیسے ہوا۔؟ کیوں ہوا۔؟ مجھے بتائیں۔۔۔! میں اب کیا کروں۔؟ میرے سینے میں آگ لگی ہے اور یہ تب ہی بجھے گی، جب دانیال میرا ہوگا۔"

"اس کے لئے تو ہمیں بہت انتظار کرنا پڑے گا۔"

"یہاں جانے کیا سوچ کر رہی تھی۔"

"مردوں کی قیامت تک انتظار کر سکتی ہوں۔"

جتانے کہا تو سیما ہنستا گئی۔

"پاکل مت بھرتا۔۔۔! دانیال میں کوئی مرنا ہے پر نہیں سکے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں آپا۔؟ آپ نے تو مجھے دانیال کے خواب دکھائے، اور جب میری آنکھیں ان خوابوں کی عادی ہو گئیں تو آپ جانتی ہیں میں اپنی آنکھیں چھوڑاؤں۔؟ نہیں۔۔۔! یہ کسی صورت ممکن نہیں ہو سکتا۔"

جتانے کہا تو سیما ہنستا گئی۔

"مغرب میں کیا کروں۔؟ یہاں تو آنا کا سارے معاملات طے ہو گئے ہیں، شادی۔۔۔؟ دیر۔۔۔؟"

"اور غلط۔۔۔!"

جتانے جواب دی تھی۔

"غلط۔۔۔؟"

ایک لٹو کیسیما کا دل کا پانا تھا۔ پھر جتنا کاچھو دیکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

اور اس رات سیما تک اس کی گچھو چوتے ہوئے سوئی تھی۔ پھر صبح کمال سن کو چائے دے کر وہ سیدھی دانیال کے کمرے میں آئی اور اسے اچھے دیکھ کر حیرت سے بولی۔

"ارے۔۔۔! آج تو شرمیاں جلدی اٹھ گئے۔؟"

پھر کمرے کی سے پردے کھینچتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"ابھی اٹھے ہو یا خوشی کے بارے رات بھر سوئے ہی نہیں۔؟"

"آپ کو تو موقع چاہئے۔۔۔!"

دانیال بھینچ کر بولا تھا۔

"ہاں۔۔۔! تو ایسے مومنے بار بار تعویذی آتے ہیں۔۔۔! شادی کے بعد تو تم غم بھی نہیں آؤ گے۔"

"کیوں۔؟ میں کہیں جا رہا ہوں کیا۔۔۔؟"

دانیال نے قصداً حیران ہو کر پوچھا۔

"کیا جاتا، چلے جاؤ۔۔۔؟"

سیما اسے آزار دہی تھی۔

"آپ مجھے ایسا بھگتی ہیں بھائی۔؟"

دو ایک دم بخود ہو گیا اور کچھ ناراض بھی تو سیما اندر سے مطمئن ہو کر نکلے ہوئے کہنے لگی۔

"نہیں۔۔۔! اب ارموشل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وقت کم ہے اور میں اس وقت نہیں یہ

تائے آئی ہوں کہ میں آج سے شاہک شروع کر رہی ہوں۔ تم ساتھ چلو گے یا میں اپنی پٹند سے لے لوں سب

مجھ۔۔۔؟ میرا مطلب ہے، کہیں بعد میں تمہیں اعتراض نہ ہو کہ میں کیسے کھڑا غلطائی ہوں۔۔۔؟"

"ارے نہیں بھائی۔۔۔! مجھے تو آپ معاف ہی رکھیں۔۔۔! ہاں۔۔۔! اگر ممکن ہو تو جائیہ کو ساتھ لے

ہاں۔۔۔"

اس نے کہا تو سرفراز بولی۔

”میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ شاید والدین نے اجازت دی تو اسے بھی ساتھ لے جاؤں گی۔“

”مجھے بتا دیجئے گا کہاں جاؤں گی۔؟“

اس نے کہا تو سرفراز کا مطلب سمجھ کر بولی۔

”خبردار جہاں سے چھپے آئے تو۔۔۔۔۔!“

اس کے سادہ جھپٹ پر سرفراز سے گھر کر رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”میں خود تمہاری ساس سے بات کروں گی۔ اسی لئے آئی ہوں میں۔“

”ضمیمہ اماں!“

راجہ ایک دم بول پڑی۔

”آپ نے اور لہانے جو کیا، اچھا کیا۔ لیکن یہاں کسی کو خبر نہیں ہونی چاہیے۔ میری ساس کو تو ہلک

نہیں پڑنی چاہئے۔“

”تو۔۔۔۔۔! یہ کوئی جھینے والی بات ہے۔۔۔۔۔؟ ہم شاید کی شادی کر رہے ہیں، کوئی منہ تو نہیں کر رہے۔؟“

راجہ کیام شادی کا بلا نہیں دیں گے تمہاری ساس کو۔۔۔۔۔؟“

اماں کو راجہ کی بات سمجھ نہیں آئی تھی۔

”ضمیمہ۔۔۔۔۔! میری ساس تو کیا، میں بھی نہیں آؤں گی۔“

راجہ جانے کیا سوچ کر بولی تھی۔ اماں ناراض ہو گئیں۔

”یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔؟ بہن کی شادی میں۔۔۔۔۔!“

”اماں!“

راجہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

”اماں! مجھے اپنا گھر بھی تو دیکھنا ہے۔ میں یہاں یہی کہوں گی کہ آپ نے مجھے بھی شادی

میں نہیں لایا اور آپ سے ناراض ہو کر بیٹھ جاؤں گی۔ پھر آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”لیکن بیٹا۔۔۔۔۔!“

بیٹی کی مجبوری سمجھنے ہوئے اماں کا دل ڈکھ سے بھر گیا۔

”میں ٹھیک کہہ رہی ہوں اماں۔۔۔۔۔! آپ اس بات کو دل پر نہ لیں کہ میں شاید کی شادی میں شریک نہیں

ہو سکوں گی۔ اللہ رحمہ فرمائے دے گا، پھر ہم ہمیں مل کر خوشیاں منائیں گے۔“

راجہ اماں کو بھلائے لگی تھی، لیکن وہ دل پر حذر ہو کر آئی تھی، اور ابھی وہ اپنی اپنی کر بیٹھی تھیں

کہ شاید آج ہی۔۔۔۔۔! جسکی بھی انتہائی ڈر اور اسی انداز میں سلام کیا، لیکن اپنی پریشانی میں اماں کو اس کی بے زاری

محسوس ہی نہیں ہوئی۔

”وہیکم السلام۔۔۔۔۔! موچی خرید لاری۔۔۔۔۔؟“

”جی۔۔۔۔۔! ہوگی! آئندہ تو میں نہیں جاؤں گی ان کے ساتھ۔“

شاید نے کہا تب اماں چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”کیوں۔۔۔۔۔؟ کیا ہوا۔۔۔۔۔؟“

”کچھ نہیں۔۔۔۔۔! آپ بتائیں نہ راجہ کے گھر گئی تھیں۔۔۔۔۔؟“

اماں، شاید کو سرفراز کے ساتھ بھیج کر خود راجہ کے پاس آ گئیں۔ کیونکہ انہیں رات سے یہی فکر تھا کہ جاری تھی کہ شاید کی شادی ملے ہو جائے گا کہ راجہ کی ساس اس کے ساتھ کیا سلوک کرے۔؟ اس لئے اپنے طور پر وہ ان کے سامنے صفائیاں پیش کرنے اور غصہ کرنے آئی تھیں۔ لیکن آگے اتفاق سے جوں بیکم گھر پر موجود نہیں۔ راجہ ان سے مل کر بتانے لگی۔

”میری ساس! اپنے بھائی کے پاس گئی ہیں اور شام میں ہمارا آپ کے پاس آنے کا پروگرام تھا۔“

”اچھا۔۔۔۔۔! تم فون کر دیتی تو میں نہ آتی۔“

اماں نے کہا تو راجہ فورا بولی۔

”ارے نہیں اماں۔۔۔۔۔! اچھا کیا آپ آ گئیں۔ شاید کسی ہے۔۔۔۔۔؟“

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔! اب تو چند دن کی مہمان ہے۔“

اماں کہتے ہوئے نظر میں چرا گئیں۔

”چند دن کی مہمان۔۔۔۔۔؟“

راجہ بھی نہیں۔

”ہاں بیٹا۔۔۔۔۔! میں جہاں پہنچتا ہوں۔ رات تمہارے ابا نے دایاں کے گھر والوں کو بلا کر شاید

کی شادی ملے کر دی ہے۔“

اماں نے بتایا تو راجہ پریشان ہو گئی۔

”شادی ملے کر دی۔۔۔۔۔؟ اور اماں۔۔۔۔۔! اسد۔۔۔۔۔“

”اسد کے کتوت دیکھ کر ہی تو انہوں نے یہ قدم اٹھایا ہے۔ کل انہوں نے سچ سچ پر اسد کو فائدہ گردی

کرتے دیکھ لیا تھا۔ اس کے بعد تم ہی بتاؤ۔۔۔۔۔! کیسے جانتے ہو مجھے ہوئے ہم شاید کی قسمت پوچھو زمین۔۔۔۔۔؟“

اماں نے بتایا تو راجہ سائلے میں آ کر انہیں دیکھنے لگی۔

ٹانی نے دل کر پھڑپھڑا۔

”ہاں۔۔۔ اتھارہ جانے کے بعد ہی جلی کی تھی۔ میں بھی ابھی آ رہی ہوں۔“  
اماں نے بتایا تو وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

”اچھا۔۔۔ کیسی ہے راجہ۔۔۔؟ آپ اسے اپنے ساتھ لی آئیں ناں۔۔۔؟“  
”ہاں۔۔۔۔۔ گئی تو میں بھی اسی ارادے سے تھی کہ راجہ کو ساتھ لے آؤں گی، لیکن۔۔۔۔۔“  
”لیکن کیا۔۔۔۔۔؟ اس کی ساس نے نہیں آنے دیا ہوگا۔۔۔۔۔؟“

ٹانی نے بے صبری سے اماں کی بات کاٹ کر پھڑپھڑا۔  
”نہیں۔۔۔۔۔ اس کی ساس سے تو ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ کیسے گئی ہوئی تھیں۔“  
اماں اس کے سوالوں سے تنگ پڑے۔

”پھر آپ نے راجہ سے کب آئے کو کہا ہے۔۔۔۔۔؟“  
”آج آئے گی، جب اس کا میاں اور ساس اجازت دیں گی تو آج آجائے گی۔“  
اماں نے ہنسی بھرا کھانا کھا کر دودھ پھر کر کے لئے خاموش ہو گئی، پھر کچھ کر کے پھینک دی۔  
”اماں۔۔۔۔۔ راجہ اب اسے ٹیبلے سے خوش تھی۔۔۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔۔۔ اوہ تو خوش تھی، لیکن اس کے سر مال دا لے جب سنیں گے تو شاید وہ خوش نہیں ہوں گے۔“  
”ان کے خوش نہ ہونے سے ہمیں کیا۔۔۔۔۔؟“

وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی، اور اماں بچ منہ حار میں اس کی کڑی ہوئی تھیں۔

☆—☆—☆

وہ سیماروہا کے ساتھ جا کر بہت بچھڑتی تھی۔ کیونکہ آگے میرا نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی اور ہر چیز دنیا کی پسند سے خریدتے ہوئے اس پر جتنی دیکھتی تھی کہ وہ دنیا والوں کی پسند ایک ہے۔ جانے اس کا کیا مقصد تھا۔۔۔۔۔؟ وہ بہر حال برت ہوئی تھی، اور اس رات وہ دنیا والوں کی آقا تو اس کا دل چاہا اس سے دتا کے بارے میں پوچھے، لیکن پھر یہ سوچ کر کس اب کبھی دلوں کی بات ہے اس نے دل کو کھالیا اور اس سے بولی تھی۔

”اب آپ کو فون نہیں کرنا چاہئے۔“

”کیوں۔۔۔۔۔؟ اب ایسی کی بات ہو گئی ہے۔۔۔۔۔؟“

وہ دنیا لے شوئی سے پوچھا تو وہ دوس ہو گئی۔

”مجھے نہیں پتا۔۔۔۔۔!“

”کیا کروں۔۔۔۔۔؟ مجھے یہ چند روز گزارنا بہت مشکل لگ رہا ہے۔ دل چاہتا ہے، ابھی بند کر دوں،

پھر کھولوں تو تم سامنے ہو۔“

وہ دنیا لے اپنی کیفیت بتائی تو وہ ڈرامائی فنی کے ساتھ پوچھنے لگی۔  
”اچھا۔۔۔۔۔! اور کیا دل چاہتا ہے۔۔۔۔۔؟“

”بتا دوں۔۔۔۔۔؟ فون بند تو نہیں کر دوں گی۔“

اس نے کہا تو وہ گھبرا کر بولی۔

”میں ابھی بند کر رہی ہوں۔“

یہ بے ایمانی ہے، جب اماں دل سننا نہیں تھا تو پوچھا کیوں تھا۔۔۔۔۔؟“  
”غلطی ہو گئی۔“

”غلطی کی سزا تو ملے گی۔“

وہ دنیا لے اس کی گھبراہٹ محسوس کرتے ہوئے مکتوب ہو رہا تھا۔

”کیا سزا دیں گے۔۔۔۔۔؟“

”میں نہیں بند کروں۔۔۔۔۔!“

اس نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں۔

”اب تم آج بھی کھانا کھاؤ گی تو مجھے اپنے سامنے نہ کیوگی، بالکل پاس۔۔۔۔۔!“

اس کے لہجے کی گھبراہٹ سے گھبرا کر اس نے فوراً آنکھیں کھولیں اور ہر ایک دم فون رکھ دیا تھا۔ اس کا دل بڑی زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

اور پھر یہ چند دن بڑا لگا کر ڈانٹ گئے۔ خواجہ صاحب نے راجہ کی مجبوری سمجھتے ہوئے اس کی بات سے اتفاق کر لیا اور بیٹی واما کو بھی دل دیا، اور دنیا کو زحمت نہ دیا۔ لیکن وہ جڑ بٹکتے ہیں کہ چاند چڑھتا ہے، تو دنیا کی کھیتی ہنہ تو یہاں آوارہ گرد ساند نے اپنے چاند کو زحمت دے دیا کہ گھر جا کر اماں اور بھائی کو ایسا بھڑکا کر کہیں اس ات جب خواجہ صاحب کا ذہن کو زحمت کر کے سکون کا سانس لے رہے تھے، راجہ شوٹی کو سینے سے لگائے سامنے آن لڑی ہوئی تھی۔ اس کا آواز اور پوچھ کر کہ اس کی دل تو دل تمام کر رہ گئی، لیکن خواجہ صاحب جیسے خود کو ہر بات کے لئے تیار کر چکے تھے، جب ہی بہت مضبوط پوچھنے لگے۔

”ابنوں نے دانی کا رات چھوڑا ہے کہ نہیں۔۔۔۔۔؟“

”نہیں۔۔۔۔۔!“

راجہ یوں پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ اسے چپ کرانے کراتے اماں بھی رونے لگی تھیں۔ خواجہ صاحب سر ہکا کر بیٹھ گئے تھے۔ کتنی دیر بعد ان کے کانوں میں اماں کی آواز آئی تھی جو راجہ کے آنسو پوچھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"مست خود کو بھان کر دینا.....! یہ رو تا تو اب عمر بھر کا ہے۔"  
"نہیں.....!"

خوبص صاحب ایک دم سراو نچا کر کے ٹھیسے سے بولے تھے۔

"یہ عمر بھر کا رو تا نہیں ہے یکدم.....! بلکہ عمر بھر رو نے سے نہات لگ گئی ہے اسے۔"  
"ابا.....؟"

راہبہ ان کے سینے سے لگ گئی۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں بیٹا.....! یوں سمجھو تمہاری سزا ختم ہو گئی۔ اب یہ رو نے کا نہیں، شکر کا مقام ہے۔  
رو نہیں گے وہ جنہوں نے تمہاری قدر نہیں کی۔"

"اورے.....! انہیں تو اللہ انہی سزا دے گا کہ انجا عبرت بکڑے گی۔"

اماں کا بس میں چل رہا تھا کیا کرنا لیں ؟

"بس بیٹا.....! تم صبر کرو۔ تمہارے لئے زندگی ختم نہیں ہو گئی۔ صبر سے کام لو۔ تمہارے بچے کو  
تمہاری ضرورت ہے۔"

خوبص صاحب راہبہ کا سر چھتے ہوئے بولے تھے۔

"ابا.....! میں نے بہت کوشش کی، شوہر اور ماں کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔"

راہبہ کی لنگی بندھ گئی تھی۔

"میں جانتا ہوں بیٹا.....! اور تمہیں میں الزام تو نہیں دے رہا۔ الزام تو تم قسمت کو بھی نہیں دے سکتا۔

کیونکہ اللہ کے ہر کام میں بہتری ہوتی ہے۔ اس میں بھی کوئی بہتری ہوگی۔"

خوبص صاحب کی آواز بھرائے لگی تھی جب اماں سے بولے۔

"جاؤ.....! اجنی کو کھانا دیا کھلاؤ.....!"

"ہاں.....! انھور ابھر.....! منہ ہاتھ دھو لو۔ میں کھانا لاتی ہوں۔"

اماں بڑبڑتی راہبہ کو اٹھا کر لے گئیں۔ خوبص صاحب کی نظریں ٹوٹی پر جانے لگی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"صبر! ان ہوتو بہت صبر! ان، پھر چاٹک انہی ہی بن جاتی ہو، جیسے اماں کرتی ہیں۔"  
وہ غصہ پڑی۔

"گناہ ہے، جس کے ساتھ زیادہ رہوں گی، اسی کا زیادہ وارث قبول کروں گی ناں.....!"

"تو اس کا وہ اماں کا صبر! انی والا اثر ضرور قبول کرو۔ لیکن....."

"صبر! خیال ہے، کبھی کبھی انہی ہی بن جانا چاہئے۔"

"کیوں.....؟"

انہوں نے انہی سے اسے دیکھا اور وہ جانے کہاں کھو گئی، پھر اسی طرح کھوئے ہوئے لہجے میں بولی۔  
"اچھا لگتا ہے، ایک ہی انداز سے گزرتی زندگی میں اچلی سی جگہ جاتی ہے، کچھ دابہ، کچھ ٹھنڈے  
اچانک دل کی طرف ایک کدھر تو کون "اب کیا ہوگا.....؟" کا رنگ لانا ہے پر مجبور کرنے لگتے ہیں۔"

"ہاں.....!"

وہ اس کی سوچی ہوئی آنکھوں میں دیکھ کر بولے۔

"کیون میں ملتا بھر کے لئے بھی کسی دابہ میں نہیں مگرنا چاہتا۔"

"اچھا.....!"

اس نے یوں ہی پلکیں جھپکیں کہ تصور ٹوٹ گیا۔ گھبرا کر اپنے اطراف میں دیکھا اور پریشان ہو گئی کہ چتا  
فیں انہاں کے میں کیا کہہ گئی ہے.....؟

"کیا بات ہے.....؟"

وہ کیونکہ اسی پر نظریں جمائے بیٹھے تھے اس لئے اس کی بدلتی ہوئی کیفیت نظر انداز نہیں کر سکے۔

"سک..... کچھ نہیں.....!"

"تم پریشان کیوں ہو گئیں.....؟"

"ٹھانڈا ہاں نے آواز دی ہے۔"

وہ بات بدلے ہوئے بولی اور پھر سنے کی کوشش کرنے لگی۔

"اماں نے تو آواز نہیں دی، والدہ نے لٹی فون کی ٹھنڈی بج رہی ہے۔ جاؤ دیکھو کون ہے.....؟ اور اگر میرا فون

ہو تو منع کر دیتا۔"

وہ جلدی سے اٹھ کر گئی اور یہ سو رہا کہ اسے لگاتے ہی جو آواز ماحول سے نکلتی، اس سے دو چکر کر  
رہی۔ جس شخص تمام خود کو سنبالا اور آواز دے گا کہ بولی۔

"جہیں یہاں کا نمبر کیسے معلوم ہو.....؟"

"اورے.....! جانیے.....؟"



”اوجو بھی۔۔۔ میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ گھر جا کر کہہ دو کہ تم شادی کرو گی تو صرف دانیال حسن

“.....”

وانہال نے خول ہی باد ہلا پاتو اس کے ہونٹ خود بخود مسکراہٹ کے انداز میں مسکرمے۔

"مجھے اچھا لگا تم نے میرے لئے اسٹینڈ لیا۔"

وانیال نے خوشی کا اظہار کیا تو وہ کچھ کہتے کہتے رگ گلی مار کر وہ ایسا سمجھ رہا تھا تو اسے یہی سمجھتا چاہئے۔  
 درحقیقت تو یہ قسمی کارو خوش نہیں جانتی قسمی کارے اپنا چاک اس حق میں کیسے فیصلہ بنا دیتا تھا...

"خیر۔۔۔! اب تم میری ہو۔ میری زندگی کی ساتھی.....!"

وداعاً تک مجید و مرگیا۔

اور بھائی ہیں۔ میں ان کی بے حد عزت کرتا ہوں اور تم سے بھی میںنا چاہوں گا۔"

"میری طرف سے آپ کو کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

اس نے کہا تو وہ اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا کر بولا تھا۔

“.....”

پھر صبح اس سے پہلے کہ میرا اس کے کمرے میں آتی، وہ وہاں مال کے کپڑے پہن کر ہی اس کے ساتھ ڈانٹنگ دوم میں آگئی۔ سیرا تاشو کا رویہ بھی۔ ان دونوں نے سلام کیا تو پہلے حیرت سے دیکھا، پھر ایک دم سنبھل کر مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"خوش رہو.....! آباد رہو.....! میں ابھی تم دلوں کو بلانے کے لئے آ رہی تھی۔"

"بس... اب آپ کی پریشستم ہوئی بھابی.....؟"

جاننا لے رہے تھے ہوائی جہاز کے لئے جیٹز کی بجائی، تب ہی کمال حسن آگئے اور ان دونوں کو دیکھ کر

22

"!....."

"السلام عليكم..."

تاریخ نے انہیں سلام کیا۔

"وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ.....! جِيخو چتا.....!"

دوسکتے ہوئے خود بھی بیٹھ گئے۔

"ارے بھابی.....! یہ سب آپ نے بنایا ہے؟"

دانیال ناشتے کے لوازمات دیکھ کر حیرت سے پوچھنے لگا۔

۱۰ پہلے حیران ہوا، پھر فوراً کہنے لگا۔

"نمبر معلوم کرنا کون سا مشکل کام ہے.....؟"

"لیکن تمہیں یہاں فون نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"میں سمجھتا ہوں جائیہ.....! لیکن میں کیا کروں۔۔۔؟ دل کی بے قراری جیسا نہیں لینے دیتی۔ تم

ہلیز.....! ایک بار مجھ سے مل لو۔"

”جیس.....! یہ ممکن نہیں ہے، اور سنو..... آئندہ کبھی مجھے فون مت کرنا۔“

"اگنی سنگ ول مت بنو۔ میں تمہارے بخیر....."

اس نے کربل پر ہاتھ رکھ کر سلسلہ متعلق کر دیا، پھر پہلے اجرا و اخرہ کیہ کر اطمینان کیا، اس کے بعد رئیس پورہ رکھ کر یمن میں چلا گئی۔

☆☆☆☆☆

قلندر عروسی میں سر جھکا کر اس کی گردن میں درود دے گا۔ مولیٰ آؤ گھنٹہ پہلے یہاں سے  
یہاں آگیا کر یہ کہتے ہو گئی تھی کہ ۱۰۰۰ نیال کو اکٹھی ہے۔ اور ۱۰۰۰ نیال ایک گھنٹہ میں آگیا تھا۔ یہی وہ گھنٹہ ہے جو وہ گھنٹہ بار  
سارے کمرے کا جائزہ لے چکی تھی اور اب کمرے سے ہر شے پاؤں چلی گئی۔ درود اکٹھیں بند کر کے بتا چکی تھی کہ چار کہاں  
رہ گئی ہے.....؟

"زندگی کا پہلا سبق.....!"

وہ سوچتے ہوئے بے ساختہ ہنسی تھی، جب ہیرو دروازے پر آہٹ محسوس کرتے ہوئے اس نے غور اپنی پیشانی گھٹنوں پر رکھ لی۔ پھر آہٹوں کے ساتھ ساتھ اس کا دل وحزن کئے لگا تھا۔

”اب تم آنکھیں کھولو گی تو مجھے اپنے سامنے کھڑی ہالکل پاس.....!“

انیال نے اس کے کان کے قریب سرگوشی میں اپنی بات دہرائی تو وہ حریف ہنس گئی۔

"...میں نے اسے دیکھا تھا۔"

انیال اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا۔

مے میری بات مان لی۔۔۔۔۔"

[illegible][illegible]

خدا! زود سے اس شخص کو اس گھر سے بھیج دے۔

یہ سب سے بڑا سوال ہے۔ کیا وہ اس کی جگہ پر رہے گا؟

”کیا بات کرتے ہو مانی؟“ اپنی پوری زندگی میں کبھی نہیں ناشتے میں پراٹھا ملا ہے۔“  
کمال حسن نے کہا تو سہا اندری اندر دھڑکا کر بولی۔

”نہیں مانیال!۔۔۔ ایسے تمہارے سہ سال سے آیا ہے۔ خواہر صاحبہ سے گئے ہیں۔“

”اورے۔۔۔! تو آپ نے خواہر صاحبہ کو روکا نہیں کیا۔؟“

وہ ایک نظر غائبہ پر ڈال کر بولا تھا۔

”بہت دیر کا تھا بھئی۔۔۔! یہ بھی کہا کہ ہمارے ساتھ ناشتہ کر لیں، لیکن انہیں جانے کس بات کی جلدی

تھی۔۔۔؟ غیور۔۔۔! تم لوگ ناشتے کے بعد جا کر مل آؤ ان سے۔۔۔ لوں ناشتہ۔۔۔! اچانک تو ہوتی رہیں گی، تم ناشتہ

شروع کرو۔“

سیانے نے کہتے ہوئے ڈش ڈالنا کھانا کے سامنے رکھی پھر جیسے ایک یاد آنے پر پوچھنے لگی۔

”ہاں غائبہ۔۔۔! رات شادی میں تمہاری بہن نظر نہیں آئی۔؟“

وہ ہنرگز بھی اس بات کے لئے تیار نہیں تھی، جب ہی پریشان ہو گئی۔

”اورے بھالی۔۔۔! آپ نے نہیں دیکھا راہبہ کو۔؟“

دانیال نے اس کی پریشانی محسوس کرتے ہوئے یوں کہا جیسے وہ موجود تو تھی۔

”اچھا۔۔۔! آئی تھی کیا۔؟“

سیانہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

”لیجئے۔۔۔! اس کے بغیر شادی ہو سکتی تھی بھلا۔۔۔؟“

دانیال نے اسے مشکل سے کمال لیا تھا۔ وہ مہنویت کے احساس میں گھر کر بجلی نظروں سے اسے دیکھتی

رہی تھی۔

پھر ناشتے کے بعد ہی دانیال اسے اس کے سینکے لے آیا تو کمرہ ماں باپان دونوں کو دیکھ کر خوش ہو گئے

تھے، پھر بھی ان کے چہروں پر فکر مند کی وہ محسوس کر رہی تھی۔ دانیال، ماہکے ساتھ باتیں کرنے لگا اور وہ اشارے سے

ماں سے پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا ہوا ہے۔۔۔؟ سب ہی المار سے خوشی کے رونے کی آواز سن کر وہ چونک کر بولی۔

”اماں۔۔۔! راہبہ۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔! راہبہ المار سے، جاؤ مل کر۔۔۔!“

ماں نے ان کی اکبیلوں سے دانیال کو دیکھ کر کہا تو وہ فوراً اٹھ کر اندر آ گئی۔

”راہبہ۔۔۔؟“

اس کے انداز میں بے قرار رہی تھی۔

”اورے غائبہ۔۔۔!“

راہبہ نے اسے گلے لگا لیا، پھر اس کا چہرہ دیکھ کر بولی۔

”اماں! اللہ۔۔۔! بہت پیاری لگ رہی ہو۔“

”تم۔۔۔؟ اس وقت۔۔۔؟“

اس نے راہبہ کی بات جیسے سنی تھی نہیں۔

”میرا مطلب ہے، شادی میں تو تم نہیں آئیں۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔! میں تیرے بغیر نہیں۔۔۔! مانیال بھی آیا ہے۔۔۔؟“

راہبہ اسے ڈکھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

”ہاں۔۔۔! اودا! آپ کے ساتھ بیٹھے ہیں۔“

”جلو۔۔۔! پھر تم بھی اور ہی جاؤ۔۔۔! دانیال کی نظریں تھیں تلاش کر رہی ہوں گی۔“

راہبہ نے لیجے میں شوٹیں سوتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم اس کا ہاتھ تمام کر پوچھنے لگی۔

”راہبہ۔۔۔! سب غیب کی تو ہے ناں۔۔۔؟“

”ہاں ہاں۔۔۔! سب غیب کی ہے۔ تم کیوں پریشان ہو رہی ہو۔۔۔؟“

راہبہ کی ڈھی مسکراہٹ نے اسے مزید پریشان کر دیا۔

”کیونکہ مجھے کچھ غیب نہیں لگ رہا۔۔۔! یاد راہبہ۔۔۔! جنہیں میری قسم۔۔۔! اٹاؤ۔۔۔! کیا ہوا ہے۔۔۔؟“

راہبہ کی آنکھیں یک لخت آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ کچھ بول نہیں پائی تو کارزنخیل کی دروازے سے ایک

بچہ نکلاں کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس نے ہانگی کے عالم میں بچہ کو، پھر راہبہ کو دیکھا۔ راہبہ آنسو پونچھتے ہوئے

زرغ سوز گئی تو اس نے جلدی سے بچہ کھول کر دیکھا تو جیسے آسمان سر پر آن کر اٹھا۔

”طلاق۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔! شاید ہمارے ماں باپ کی قسمت میں ہی نہیں تھا کہ وہ دونوں بیٹیوں کو ایک ساتھ آباد

رکھیں۔۔۔“

راہبہ بیٹی کی آنکھوں کا گھاگھوٹ رہی تھی، اور دوستانہ سے مل کر کھڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

دانیال محسوس کر رہا تھا کہ سینکے سے آکر وہ چپ چاپ ہے۔ صبح اٹوئی خوشی نے اس کے چہرے کو جو

جانا کی بخشی تھی، اس کا نشان تک باقی نہیں تھا۔ آنکھوں سے ٹھکرا میرا ماسی چمک رہی تھی۔ کتنی بے دردا! نگاہ کر رہا کہ

کوئی بات ہوگی تو وہ خود ہی بتاے گی، لیکن وہ اس کی باتوں کا جواب بھی ”ہاں“ میں دے رہی تھی۔ آخر اسے

خوری پوچھنا پڑا۔ سببت سے اس کے کندھے تمام کر لیا تھا۔

"کیا مجھے بھی نہیں بتاؤ گی.....؟ خوشی کے ان لحاظ میں تمہاری آنکھوں کی قد ملیں مائے کیوں پڑ گئی ہیں.....؟ کوئی سانسو ہوا ہے یا ایک ہی رات میں دشمن تم سے بہت زور ہو گیا ہوں.....؟"

"نہیں دانیاں.....!"

وہ ایک دم آنکھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

"ٹانیہ.....! ٹانیہ.....! پلیز.....!"

وہ پریشان ہو گیا۔

"ٹانیہ.....! میں بہت پریشان ہو رہا ہوں..... پلیز.....! اس طرح صحت رو....."

"مم..... مجھے صاف کرویں دانیاں.....! میں نے آپ کو پریشان کیا....."

وہ تھکیوں سے آنکھیں صاف کرنے لگی۔

"کیا میں تم سے روکنے کا سبب پوچھ سکتا ہوں.....؟"

اس نے کہا تو وہ ایک دم اسے دیکھنے لگی۔ پھر زکے ہوئے بولی تھی۔

"راہبہ کو اس کے شہر ہرنے طلاق دے دی ہے۔"

"واٹ.....؟"

دانیال واقعی شاکہ ہوا تھا۔

"میں نے کہا تھا ناں.....! وہ لوگ بہت ظالم ہیں۔"

اس کے آنسو پھر چھٹک گئے۔

"پھر بھی تم رورہی ہو.....؟ یعنی راہبہ ساری زندگی ان کے ظلم سہی رہتی، تب ٹھیک تھا.....؟ نہیں

ٹانیہ.....! ایسا چھا ہوا ہے کہ جلدی اس کی جان چھوٹ گئی۔"

وہ خود پر کا ہوا کرا سے کھانے لگا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں..... تم خود سوچو.....! راہبہ کی طرف سے تمہارے ماں باپ ہر وقت گھر مند

رہتے تھے یا نہیں.....؟"

"نہیں دانیاں.....! لوگ جہاں تہیں بنا نہیں گئے اس سے ماں باپ کو تکلیف نہیں ہوگی کیا.....؟"

"یہ اس تکلیف سے کم ہوگی جو راہبہ کو سسرال کے مظالم پہنچے دیکھ کر انہیں ہو رہی تھی۔ پھر یہ چند دن کی

تکلیف ہے۔ بہت جلد لوگوں کو اور موضوع مل جائے گا، ابھی.....؟"

اس نے ٹانیہ کی ٹھوڑی پکڑ کر ہلائی، پھر اس کے زخماں پر ٹھہرا تو آنسو اپنی اپنی کی پور پر رکھ کر اسے

دکھاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"اس کی قیمت جانتی ہو.....؟"

وہ ایک نظر اس کی آنکھ پر چلتے نظر سے پڑاں کر بھرا سے دیکھنے لگی۔

"سیری جان سے بڑھ کر ہے۔"

اس نے سسکا کر اس کا آنسو اپنے ہونٹوں سے چھوا، پھر اسے بارودوں کے حلقے میں لے کر بولا۔

"بہت بری ہوتی.....! سارا دن ایسے ہی پریشان ہوتی رہیں.....؟"

"آئی اہم سوری.....!"

وہ دھیرے سے بولی تھی۔

"پلو.....! اب سو جاؤ.....! تاکہ تمہارے جھکے ہوئے دماغ کو آرام ملے۔"

اس نے یہ کہتے ہوئے ٹکیے سیوھا کیا تو وہ بے بسی سے بولی۔

"مجھے نہیں آئے گی دانیاں.....! میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔"

"وہ تو ہو گا ہی، میں جانے کے ساتھ ٹیبلٹ لانا ہوں۔"

وہ زبردستی اسے لگا کر کمرے سے نکل آیا۔ آگے سیما جگن سے ٹکل کر آ رہی تھی، اسے دیکھ کر قہقہہ سے

پوچھنے لگی۔

"تم ابھی تک سوئے نہیں.....؟ بارود بج رہے ہیں۔"

"جی..... وہ بس....."

وہ ہنسی کہہ سکا۔

"کیا نہیں.....؟ کوئی مسئلہ ہے کیا.....؟ جی بتاؤ.....! تمہارے چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی ہے۔"

سیما ایک کٹیاں تھپی، بارود اسے اپنا سب سے بڑا زوردار اور خیر خواہ سمجھتا تھا۔

"اس میں جھالی.....! ٹانیہ سیکھنی بہت ڈسٹرب ہو گئی ہے۔ اس کے سر میں درد ہو رہا ہے۔ میں اس کے

لے جانے بتائے آیا تھا۔"

"اورے.....! تو مجھ سے کہو.....! میں بتا دیتی ہوں جانے.....! لیکن ٹانیہ.....! میرا مطلب ہے وہ کیوں

ڈسٹرب ہے.....؟ ایسا کیا بات ہو گئی.....؟"

سیما نے گلاٹ کا اظہار کر کے پوچھا۔

"وہی بتائے آیا ہوں آپ کو.....!"

اس نے کہا تو سیما تو راہ بولی۔

"ہاں ہاں.....! بولو.....!"

"وہ.....! جھالی.....! آپ نے بتایا تھا ناں کہ ٹانیہ کے لئے راہبہ کی سسرال سے پر پوزل آیا تھا.....؟"

"ہاں ہاں.....! پھر.....؟"

سینا کی ہے مہربانی وہ محسوس ہی نہیں کر سکا۔

”پھر بس.....! وہ لوگ وہاں بیٹھ کر رہے تھے کہ اگر ان کے بیٹے کا پرچول نہ رکھیٹ ہو تو وہ راجہ کو خلاق دے دیں گے، اور انہوں نے طلاق دے دی ہے۔“

وہ بے حد انصاف سے بتا رہا تھا۔

”اور.....! تم کیا کہہ رہے ہو.....؟ کیا جج.....؟“

سینا نے پریشانی ظاہر کی۔

”جی.....! اسی لئے ٹائید سب ہے۔ آپ پلیز.....! اس کا خیال رکھیں۔ میرا مطلب ہے، اس کی

خاموشی اور اداؤں کو اس پر جتائے گا نہیں، وہ بہت پریشان ہے۔“

”اور سنیں.....! اچھا! تو اس نے مجھے بتایا۔ میں خیال رکھوں گی۔ اب تم جاؤ اس کے پاس.....! کیا

مت چھوڑو اسے! میں ابھی چائے لے کر آتی ہوں۔“

سینا کہتے ہوئے تیزی سے کچن کی طرف بڑھ گئی تو وہ راہیں اپنے کمرے میں آگیا۔

☆☆☆

خوبصاحب کو ایک تو پہلی ہی گھر سے نکلنے میں دیر ہو گئی تھی، اور پھر سے ان کے روت کی دین آگے نہیں دے رہی تھی۔ وہ انتہائی کوفت کا شکار تھے۔ خرید اسد روزانوں کے ساتھ ان کے سامنے آن کھڑا اور دھنکی کے ساتھ فافٹا دا نماؤں میں بولا تھا۔

”السلام علیکم اگل.....!“

خوبصاحب نے آواز پر ہی اسے دیکھا اور پھر فوراً منہ دوسری طرف کر لیا تھا۔

”ناراض نکلتے ہیں بڑے صاحب.....؟“

ایک لڑکے نے کہا تو دوسرا بھی فوراً بول پڑا۔

”سلام کا جواب بھی نہیں دیا.....؟“

”شاید نہیں بتائیں ہے کہ سلام کا جواب دینا فرض ہے.....؟“

پہلے لڑکے نے پھر کہا تو اسدا سے دیکھ کر بولا۔

”اچھا نہیں.....! سب پتا ہے انہیں، کچے مسلمان ہیں، نیا بچا وقت مسجد جاتے ہیں۔“

”اچھا.....! پھر بے چارے کو تنگے بہرے ہوں گے.....؟“

”کو تنگے نہیں، تنگ.....! چانگ ممدے نے ہی تم کو دی ہے بڑے صاحب کی۔“

اسد نے متحراز آیا۔ خوبصاحب اس کے منہ نہیں گلتا چاہتے تھے۔ ضرر مہذب کرنے کی کوشش میں بھی

اور وہ کہتے بھی اُدھر۔

”جج جج.....! ایسا کون سا پانڈا جو بے چارے کو اپنے پائے کی پہچان ہی نہیں رہی.....؟“

لڑکے نے اسد سے پوچھا تو وہ حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

”اب.....! اچھے نہیں پتا.....؟“

پھر دوسرے لڑکے سے۔

”اب.....! اسے نہیں پتا چاہا تو اسے اپنی داستان سنانا۔“

اور اس سے پہلے کہ وہ داستان سنانا شروع کرتا، خوبصاحب نہ آنے والی دین پر لعنت بھیج کر تیز

قدموں سے واپس گھر کی طرف چل پڑے۔ پیچھے وہ تینوں بلند آواز میں ہنس رہے تھے۔ ان کی مکروہ ہنسی گھر تک

خوبصاحب کا تھاقب کرتی آتی تھی۔

”کم بخت.....! اچھا.....! اچھا.....!“

خوبصاحب گھر میں داخل ہوئے تو ان کے منہ سے ایسے ہی الفاظ نکل رہے تھے۔

”ہا نہیں.....؟ یہ کسے گالیاں دے رہے ہیں.....؟“

اہاں ان کا منہ سے سرخ چہرہ دیکھ کر مخالف ہو کر بولیں۔

”کسے دیاں گا.....؟ سارے شہر میں ایک ہی تو بد ذات ہے۔ کم بخت نے راستہ چلنا مشکل کر دیا ہے۔

اتے جاتے آواز سن رہا ہے۔“

خوبصاحب چھٹ پڑے تھے۔

”کون.....؟ اسد.....؟“

اہاں کا وہ بیان اس کی طرف گیا تھا۔

”میری بیٹی کو خلاق دلو اگر بھی جین نہیں ملا اسے.....؟ اور اب آپ کیوں اس کی بدتمیزیوں برداشت

کرتے ہیں.....؟ پہلے تو راجہ کی وجہ سے مجبور تھے، اب کیا مجبوری ہے.....؟“

”سب سے بڑی مجبوری اپنی رہی کسی عزت پتا ہے۔ کیا کروں.....؟ وہ بھی خاک میں ملا دوں

گا.....؟ وہ تو بچہ ہے، جو مذمت آتا ہے کبے چلا جاتا ہے۔ چائیں راجہ نے کیسے تین سال اس گھر میں گزارے

ہیں.....؟ اسے تو بہت پہلے خود ہی چھوڑ آ جانا چاہئے تھا۔“

”ہنس.....! اب آگئی ہے ناں.....! اچپ ہو جائیں۔“

اہاں نے راجہ کو تنگے دیکھ کر کہا۔

”ہاں بس.....! اب یہی سزا ہے ہماری۔ چپ چاپ، گونگے بہرے ہن جائیں، اچھی سزا ہے۔“

”ارہا.....!“

راجہ بھاگ کر ان سے پلٹ گئی۔  
 "ابا! میں نے جتنا چاہا کہ میری ذات سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، انتہائی میں آپ کے لئے دکھ تکلیف کا باعث بنی ہوں۔"

"اوسے نہیں پتا!..."  
 خلیفہ صاحب ایک دم نرم پڑے گئے۔

"مہم اپنی قسمت کے دکھ تحمل رہے ہیں، تمہارا کوئی قصور نہیں۔"  
 "میرا قصور نہیں، میرے بچے کا قصور نہیں، مگر میں اتنی بڑی سزا کیوں لی؟..."  
 "دور رہے گی۔"

"سزا مت کہو پتا!...! آؤ پائلش ہوتی ہے، اللہ اپنے پیارے بندوں کو یہ آزمائش میں ڈالتا ہے۔"  
 خلیفہ صاحب کی آواز بھرا گئی تھی۔

"پیارے بندوں کو!...! اگر میں تو بہت بری ہوں ابا!..."  
 "کون کہتا ہے تم بری ہو؟... تمہارے جیسی بیٹی نصیب والوں کو ہی ملتی ہے۔ میں جاکر کہہ رہا ہوں پتا!...! مجھے غر ہے تم پر۔ تمہاری ذات سے مجھے اور تمہاری لیاں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی، البتہ تمہارا وہ نامیں تو پتا ہے۔"

خلیفہ صاحب نے اس کا حیرت کئے ہوئے کہا تو وہ جلدی سے اپنے آنسو پر غم کر بولی۔  
 "میں اب نہیں روؤں گی، کبھی نہیں روؤں گی۔"

"شکایت!...! تم میری بہادر بیٹی ہو جنہیں بہادری سے حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔ کرو گی ناں؟..."  
 خلیفہ صاحب اس کا چہرہ دیکھنے لگے تو وہ اہانت میں سر ملاتے ہوئے بڑبڑاتی سرکرائی، مگر پوچھنے لگی۔

"ابھی اسد نے آپ سے کیا کہا ہے؟..."  
 "کچھ نہیں!...! تم جاؤ، اسے بچہ کوہ کھو!..."

خلیفہ صاحب راجہ کو نکال کر تیکم سے مخاطب ہو گئے تھے۔  
 ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

عجیب مشکل میں رہ گئی تھی وہ کہ جبکہ وہ خود کو گھمانے میں کامیاب ہو چکی تھی تو یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔  
 یعنی ہر دوسرے دن اس کا نانا آجاتا۔ پہلے اپنی بے قراری کی داستان سناتے گی کو شش کرتا اور پھر ملنے پر صبر رہا، جبکہ وہ ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی تھی۔ وہ پہلے ہی اپنی غلطی پر نا دم کی اور اب دوسری غلطی کا تو وہ قصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔  
 اسے صاف انگشتوں میں مسخ تو کر رہی لیکن بھراس کا اپنا طمناں بھی رخصت ہو جاتا تھا۔

ایک تو اس کے لہجے میں آدروگی، دوسرے یہ خوف کہ اگر اس گھر میں کسی کو نانا سا بھی شب ہو گیا تو اس کی کیا عزت رہ جائے گی۔؟ حقیقت کیا نیت کی بدولت اس کا ذہن بری طرح متاثر تھا۔ کسی کام میں بھی دل نہیں لگتا تھا۔ جیسا کہ کچھ چاہتی اور کچھ جاتی تھی۔

اس وقت بھی جہانزیب کو کہیں جانا تھا اور وہ بڑی جگت میں اسے اپنے کپڑے اتاری کرنے کا کہہ کر نہانے چلے گئے اور جب وہ نکلا تو وہ بڑے افسانہ کا سے ان کے جوتے پائلش کر رہی تھی۔ وہ یہی سمجھ کر وہ کپڑے پر پس کرنے کے بعد یہ کام کر رہی ہے۔ جیسا ادھر ادھر نظر ڈالتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"میرے کپڑے کہاں رکھے ہیں؟..."  
 "کپڑے؟..."

"جو تے دکھ کر کڑی ہو گئی، بھلا لہاری کھولی کران سے پوچھنے لگی۔  
 "کون سے کپڑے نکالوں؟..."

"کیا مطلب؟...! ابھی تک تم نے کپڑے نہیں لگائے؟..."  
 وہ پہلے حیران رہے، مگر سمجھا کر آ کر بڑے اسے اور کپڑے نکال کر خود ہی پر پس کرنے لگے۔

"لائیے!...! میں کر دیتی ہوں۔"  
 "نہیں!...! رہنے دو!"

انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تو وہ ڈرا سا جیسے بہت گئی اور ابھی ان کے رہے پر غور کر رہی تھی کہ وہ کپڑے لے کر کاتھہ دم میں چلے گئے۔ کچھ بہت بعد لنگے تو بڑی جگت میں جوتے پہنے بالوں میں تلاش کیا اور اسے نظر انداز کر کے ہونے کمر سے نکل گئے۔

"جہانزیب!..."  
 وہ چونک کر ان کے پیچھے لگی، لیکن وہ دبا ہوا نکل چکے تھے۔ اس کے دل کی تھیس سی گئی اور بہت سوچنے پر بھی

کچھ میں نہیں آیا کہ وہ کس بات پر غما ہو کر نکلتے ہیں؟  
 ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

راجہ کو اب اپنے آج کے کاغذ نہیں تھا۔ اسے اپنے بوزے ماں باپ کی فکر تھی، اور ان کی خاطر ہی اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ رونا، گونہنا، جھوڑ کر ایک ایک نئے عزم سے اپنا اور اپنے بچے کا سوچنے لگی تھی۔ اس وقت وہ اخبار اپنے سامنے پھیلائے "مضرمت ہے" کا کالم دیکھ رہی تھی کہ ماں اسے پکار کر بولیں۔  
 "راجہ جی!...! ابھی تمہارے کبابے لگے ہیں۔ شوبلی کے دھندھ غمیرہ کے لئے رکھ لو۔"  
 "کیا؟..."

اس نے اماں کے ہاتھ میں پھنسی دیکھے، پھر شرمندگی میں مگر کر پڑی۔

”نہیں اماں.....! آپ ہی دیکھیں، مجھے الگ سے شوہل کے لئے کچھ نہیں چاہئے۔ جو گھر میں ہوگا، شوہلی بھی وہی کھائی لے گا۔“

”ارے.....! اتنا سا بچہ کیا کھائی سکا ہے دودھ ابکت کے علاوہ.....؟ یہ تو رکھ لو.....!“

”اماں.....! انہیں دیکھ کر میں مجھے۔ پہلے ہی مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں آپ پر بوجھ بن گئی ہوں۔“

اس نے کہا تو اماں ناراضگی سے بولیں۔

”ایسا مست کبو.....! انہیں بوجھ نہیں ہوتی۔“

”یہاں بیٹیاں اچڑ کر بائیں بیٹھے آگئیں تو بوجھ ہی ہوتی ہیں اماں.....! اماں باپ اپنے منہ سے بے

شک نہ کہیں، لیکن کچھ بھی ہوتا ہے، اور میں آپ پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ اس لئے میں نے سوچا ہے کہ میں باب

کردوں گی۔ اپنا اور اپنے بچے کا پیسہ لے کر نکلتی ہوں میں۔“

اس کی بات سن کر اماں پریشان ہو گئیں۔

”میں جانتی ہوں، لیکن بیٹا.....! تم ابھی سے باب کرنے کا مست سوچو۔“

”کیوں.....؟“

اسے اماں کی پریشانی سمجھ نہیں آئی۔

”کیونکہ ہم لوگوں کی زبان میں نہیں بکھرتے۔ ابھی ابھی ہمارے ہیں لوگ، تمہارے باب کرنے پر

تو انہیں اور موقع مل جائے گا کہ چار دن ہم یہی کوٹھڑی میں کھائیں کھلا سکتے۔“

”ہاں.....! نہیں کھلا سکتے۔“

وہ بڑبڑا کر بولی تھی۔

”کہہ دیں آپ لوگوں سے کہ میرا اور میرے بچے کا بوجھ آپ نہیں اٹھا سکتے، پھر کیا کریں گے

لوگ.....؟ نہیں گے.....؟ نہیں لیں جتنا نہیں سکتے ہیں۔“

”ہمیں.....! آپ ہو جاؤ.....! ہمیں جو کرنا ہو، پہلے اپنے ابا سے پوچھو۔“

اماں نے اسے چپ کر دیا تو وہ قدرے ڈک کر پوچھنے لگی۔

”ابا منع کریں گے کیا.....؟“

”مجھے نہیں پتا.....!“

اماں اتنا کہہ کر چلی گئیں تو وہ بے دلی سے اخبار سنبھلی گئیں۔ لیکن اس نے ٹھان لیا تھا کہ وہ لوگوں کی باتوں

سے ڈر کر بیٹھ نہیں رہے گی۔ جب ہی رات میں وہ خوب صاحب کے پاس آئی تھی۔

”ابا.....! ایک بات کہنی تھی۔“

”ہاں.....! کو بیٹا.....! کچھ کچھ کیوں ہو.....؟ جو کہنا ہو، بلا جھجک کر دیا کرو۔“

خوبہ صاحب نے بڑے پیار سے اس کی بات بندھائی تو اس نے ایک نظر اماں کو دیکھا، پھر بھی رک کر

بولی تھی۔

”وا.....! ابا.....! اگر آپ اجازت دیں تو میں باب کر لوں.....؟“

”باب.....؟“

خوبہ صاحب چند لمحے کو خاموش ہوئے، پھر کہنے لگے۔

”بیٹا.....! مجھے اعتراض تو نہیں ہے، لیکن تم باب کیوں کرنا چاہتی ہو.....؟ میرا مطلب ہے، اگر تم یہ

مجھے ہو کر تم ہم پر بوجھ بن گئی ہو تو بے کار سوچ اپنے ذہن سے نکال دو۔ میری بڑی بیٹیوں میں ابھی اتحاد قائم

نہیں تھا، اور شوہلی کی ضرورتیں پوری کر سکتی۔“

”بات صرف ضرورتوں کی نہیں ہے ابا.....! احساس کی بھی ہے۔ میں اگر تھوڑے بوجھ دھرے یعنی

وہاں کی تو پھر شاید میرے اندر سے ہر ذمہ داری کا احساس مل جائے گا۔ مجھے اپنی ذمہ داری خود اٹھانے دیں۔“

اس بات پر خوبہ صاحب خاموش ہو کر جانے کیا سوچنے لگے۔

”ابا.....! اگر آپ نہیں چاہتے تو.....“

”نہیں نہیں بیٹا.....!“

خوبہ صاحب فوراً بولے تھے۔

”میں کیوں نہیں چاہوں گا.....؟ تم اگر ایسا سوچتی ہو، اپنے احساس کو زندہ رکھنا چاہتی ہو تو اچھی بات

ہے۔“

”ایسا ہی ہے ابا.....! اماں.....! آپ کو تو اعتراض میں ہے ناں.....؟“

اس نے ایک دم اماں سے بھی بچھڑا لیا۔

”اب میں کیا کہوں.....؟ تمہاری اگر یہی مرضی ہے تو میں کیا اعتراض کر سکتی ہوں.....؟ میں شوہلی کا

اندر ہی ہوں۔ سارا دن وہ لے لے کر تمہارے بغیر.....؟“

اماں نے اس طرف اس کی توجہ دلائی، لیکن وہ بڑے آرام سے بولی تھی۔

”کچھ دن جھک کر رہے گا آپ کو، پھر عادی ہو جائے گا۔“

خوبہ صاحب اس کی بات پر ہنسنے لگے تھے۔

اور پھر اگلے دن ہی وہ باب کے لئے نکل کھڑی ہوئی۔ اخبار سے دو تین ایڈریس اس نے نوٹ کر لئے

تھے اور ابھی وہ ایک جگہ سے ہی انٹرویو دے کر نکلتی تھی کہ اس کے سامنے اس نے کھڑا ہوا اور شہزادہ انداز میں بولا تھا۔

”کیا اماں اب نے بھی نکال.....!۔“

"تم؟"

اس کے اندر زبردوں خطر بھر گیا تھا۔

"خاکسار کو اسد کہتے ہیں۔"

اسد دھناتی سے سرخم کر کے کہنے لگا۔

"دیکھی آپ کا چہرہ دیکھ رہا ہوں اس کا شرف بھی حاصل ہو چکا ہے۔"

"دیکھو۔"

وہ انتہائی غصے سے انگلی اٹھا کر بولی۔

"اگر اپنی غیرت چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ وہ مشرکوں کی تمہارا کر۔"

"اور وہ.....! بڑا بڑا آگیا ہے۔"

وہ اس کی بات کاٹ گیا۔

"یہ دھمکیاں کسی اور کو دینا۔"

"نیکس! وہ کئی نہیں سے اسد.....! سوچ لو، میں اب تمہارا قطعاً لالہ نہیں کروں گی۔ کیونکہ اب تم میرے

چہیتے دیکھ نہیں رہے۔"

"یوٹرینکس! کیا تو کیا ہو.....؟ کچھ اور تو بن سکتا ہوں۔"

اسد کی مزید دھناتی پر وہ بھی بالکل آپے سے باہر ہو گئی تھی۔ راستے کا خیال کئے بغیر اس کے منہ پر

زوردار طمانچہ مار کر فریاد کی تھی۔

"اپنی اوقات میں رہنا غلط ہے، موالی.....! آئندہ میرے سامنے آئے تو منہ توڑ دوں گی تمہارا۔"

"کیا ہوا.....؟ کیا ہوا.....؟"

ادھر ادھر سے لوگ جمع ہونے لگے تو اسد دم و پا کر بھاگ گیا اور وہ اب کہیں لرر جانے کے قائل نہیں

رہی تھی۔ مگر جانے والی روٹ کی دین دیکھ کر اس میں پینہٹئی۔

☆.....☆.....☆

دانیال صبح آفس جاتے ہوئے اس سے کہہ کر گیا تھا کہ وہ جلدی آجائے گا، تو اسے ماں کے گھر لے

جائے گا۔ پھر اس کی اس کا فون آگیا کہ وہ بس آفس سے نکلے والا ہے۔ جب وہ فوراً اٹھ کھڑی اور جلدی اپنا سوٹ

پس کر رہی تھی کہ سیاست اس کے لئے چارے لے کر آگئی۔

"اورے بھائی.....! آپ نے کیوں زحمت کی؟"

وہ صبح شرمندہ ہو گئی۔

"بس.....! اب ان تنگدلیاں میں مست پڑ۔ میرا اتہاراز زندگی بھر کا ساتھ ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے

۱۴۱

سینا لے کیا تو وہ منونیت سے سکرانی۔

"آپ دانتی بہت اچھی ہیں۔"

"بس.....! اب مجھے چڑھاؤ مت، اچانے بیج.....!"

پھر اسے استری کا پک آف کرتے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"کیس جاری ہو گیا.....؟"

"جی.....! وہ دانیال آئے والے ہیں۔ اماں کے گھر جاؤں گی۔"

اس نے بتایا۔

"اچھا اچھا.....! ارے ہاں.....!"

سیما جیسے اچانک خیال آنے پر کہنے لگی۔

"مجھے دانیال نے بتایا تھا۔ تمہاری بہن راجد کے ساتھ جو کچھ وہ اس کا مجھے بہت افسوس ہے۔"

"جی.....! بس.....!"

وہ خود افسردہ ہو گئی۔

"توبہ.....! کیسے کیسے لوگ ہیں دنیا میں.....؟ ذرا ذرا سی بات کو آنا سا سکا جالیتے ہیں۔ بے چاری

راجد کا قصور جو اس کے اٹھ میں خلاصہ تھا۔ بچے کا خیال نہیں کیا خالوں نے.....! ابا ہمارے.....!"

سیما بظاہر افسوس کر رہی تھی۔

"تمہارے اماں اب تو بہت پریشان ہوں گے.....؟"

"جی ہاں.....!"

"یوٹرینکس! بے یوز ہے ماں اب کے ساتھ۔ اللہ کسی کو ایسے دکھ نہ دکھائے۔ بے چاروں کی کمرٹ ہو گئی۔"

"یوٹرینکس! بے یوز ہے ماں اب کے ساتھ۔ اللہ کسی کو ایسے دکھ نہ دکھائے۔ بے چاروں کی کمرٹ ہو گئی۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو اسے تیار ہونے کا کہتے ہوئے وہ چلی گئی۔ لیکن اسے مصلحت کرنی تھی۔

۱۴۲

دانیال آیا تو وہ تیار تو تھی، لیکن مست لگ رہی تھی۔ کہیں جانے کو دل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن وہ دانیال سے

لہا بھتی.....؟ نا چاراس کے ساتھ چل پڑی۔

آگے ماں اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں تو اس کے دل سے بوجھ سڑکے لگا۔

"نیٹو جانا.....! اکڑے کیوں ہو.....؟ تانیہ.....! دانیال کے لئے کسی ادھر لے آؤ.....!"

اماں دانیال سے کہتے ہوئے تانیہ سے مخاطب ہو گئیں۔

"بس آئی.....! میں ابھی ایک کام سے جا رہا ہوں۔ پھر آؤں گا تو نہیں گا۔"  
دانیال نے خوبصورت صاحب کو سوچو نہ پا کر بیٹھے کاردار دستوی کرد اور اس سے بھی ضروری کام کا بہانہ کر کے چلا گیا تب اس کا چہرہ دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"تم سناؤ..... اٹھیک تو ہو یاں.....؟ گھر میں سب کیسے ہیں۔؟"  
"اچھے ہیں اماں.....! سب اچھے ہیں۔"

"انڈر کے اچھے ہی رہیں۔ راہد کی طرف سے دھچکا لگا ہے تو اب دھڑکا ہی لگا رہتا ہے۔"  
اماں نے کہا تو دریاں کا ہاتھ تمام کر پوئی۔

"اوسے ماں.....! سب ایک جیسے نموزی ہوتے ہیں۔ میری طرف سے تو آپ اطمینان ہی رکھیں۔"  
جب ہی راہد کمرے سے نکل کر آئی اور اسے دیکھ کر خوشی اور تیرت سے بولی۔

"اوسے.....! ام کی آبی ہو.....؟ دانیال نہیں آ گیا.....؟"  
"دانیال ہی چھوڑ گئے ہیں۔"

"وہ کہتے ہوئے اٹھ کر راہد کے گنگے لگ گئی۔"  
"کیسی ہو.....؟"

"اچھی ہوں.....! آج ایک جگہ جاب کے لئے گئی تھی۔"  
راہد نے اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے تپا تو دہ بولی۔

"تو تم سب جاب کر دئی.....؟"  
"ہاں ہائے.....! ڈاکر کسی اچھی جگہ جاب مل جائے۔"

"مل جائے گی۔ اگر تم کو تو میں دانیال سے بات کروں.....؟ دو جہیں اچھی جاب دلا دیں گے۔"  
اس نے کہا تو راہد فوراً بولی تھی۔

"نہیں عافیہ.....! میں سفارش سے نہیں جانا جاتی۔ میں اب ہر شکل سامنا خود کروں گی، اگر ابتدا ہی میں کسی کا سامنا لیا تو پھر مجھ میں کافی شہس نہیں آئے گا۔ تم میری بات کا راست ماننا۔"

"اوسے نہیں.....! میں برائے کی کیا بات ہے..... بلکہ مجھے تو خوشی ہو رہی ہے کہ تم نے بہت باندھ لی۔"

"دو واقعی خوش ہو گئی تھی۔"  
"روئے کو سننے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ خیر چھوڑ دیکھو ہم اپنی سناؤ تم نے فو میڈیاں مار لیا۔ کیا مانگ رہا ہے.....؟"

راہد نے اچانک شوخ ہو کر اس کے پیلو میں چکی کاٹی تو دریاں کی طرف اشارہ کر کے راہد کو گھبرانے

گی۔

"اچھا.....! یہ دانیال کیوں چلا گیا۔؟"  
راہد نے پوچھا۔

"اصل میں آپا نہیں ہیں ماں.....! اور وہ ہم محروم میں بیٹھ کر کیا کرنے.....؟"  
اس نے کہا تو اماں خوب سے بولیں۔

"ہائیں.....؟ دانیال اس لئے چلا گیا کیا.....؟"  
دو در راہد بے ساختہ ہنسی مچیں۔

☆.....☆.....☆

عباد نے ماں بھائی کے اکسانے پر راہد کو حلاق تو دے دی تھی، لیکن پھر چند دنوں میں ہی اسے حقیقتا دن میں بارے نظر آ گئے تھے۔ نہ دقت پر کھانا ملتا نہ کپڑے۔ اس وقت وہ آفس سے آیا تھا۔ راستے کی جام ٹریفک نے ایسے ہی دماغ خراب کیا ہوا تھا۔ مزہ یہ کہ جن میں کھانے کو کچھ نہیں ملا، مسان کی چٹکی خالی پڑی تھی، ہات پاٹ میں وہ بی تھی۔ دھن سے میں ہات پاٹ مل کر وہاں سے چلتے ہوئے قول بیگم کے پاس آ کر پوچھنے لگا۔

"اے.....! ائی.....! آج کھانا نہیں کھا کیا.....؟"  
"نہا تھا سب کھا تھا۔"

"بول بیگم اس کے تیر دیکھ کر خود بھی اٹھ کر پوئی۔"  
"پھر.....؟ کہاں گیا.....؟ مسان کی چٹکی خالی پڑی ہے اور وہ بھی نہیں ہے۔"

"کہاں سے ہو گی روٹی.....؟ چار چار سٹنڈر آ گئے تھے کھانے کو تیر سے بھائی نے اٹھا کر کھلا دیا سب اٹیں۔"

بول بیگم نے تپا تو در دھڑ بھٹکا گیا۔  
"کیوں؟ حرام کما ہوں میں جو ابے لٹا رہا ہے.....؟ خود کمانے تو پتا چلے.....؟ اور آپ کو بھی

اسان نہیں ہے آفس سے کھانا بار آ رہا ہوں میں اب تپا نہیں.....؟ کیا کھاؤں گا میں.....؟"  
"آئے تو شو کریں چارے ہو.....؟ آرام سے کھو، بھوک لگی ہے۔ روٹی ڈال دیتی ہوں۔"

"خالی روٹی کا کیا کروں گا.....؟ مسان بھی چاہئے، اور کھانا وہ اپنے جیتے کو، میں نے اسے لوراں نے ڈارہ دہشتوں کو پالنے کا ٹھیک نہیں لے رکھا ہے کسی کا دھن سے لگے، نہیں تو نکل جائے اس گھر سے۔"

اس کی آخری بات پر بول بیگم کو چٹنگ لگ گئے۔  
"اے.....؟ کیوں نکل جائے.....؟ یہ گھر اکیلے بیگم ہمارے باڈا نہیں ہے، دو بھی برابر کا حصہ دار ہے۔"



پھر ابھی تو میں زندہ کھڑی ہوں۔ تم کون ہوئے ہو اسے نکالنے والے۔؟“

بتول نیگم کی اسد کی نا جانے طرف داری پر وہ حیرت اور ڈکھ کی تصویر بن گیا۔

”میں کون ہوتا ہوں۔؟ میں کون ہوتا ہوں۔؟“ ٹھیک ہے۔! میں کچھ نہیں ہوں، تو میں ہی چلا جاتا ہوں۔“

اس کے دل پر ایسی چوٹ پڑی تھی کہ پھر بتول نیگم رو دیتی رہ گئیں، لیکن وہ گھر سے نکل گیا تھا۔ پھر پہلے قریبی ریسٹورینٹ میں کھانا کھایا، اس کے بعد چائے پیچے ہوئے اسے شہرت سے احساس ہونے لگا کہ ماں بھائی کی نا جائز باتیں ماننے ہوئے وہ اپنا ایسا نقصان کر گیا ہے جس کی صفائی ممکن ہی نہیں ہے۔ اسے شہرت سے راجہ اور اپنا بچہ یاد آنے لگے اس کے ہار سٹوک کے ہاؤس جود واری اس کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی تھی۔

”راجہ۔!“

اس کا دل چیخ چیخ کر رونے کو چاہ رہا تھا۔ چائے کے ساتھ سرگرمی پر سرگرمی جلاتے ہوئے وہ رات گئے تک وہیں بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ ریسٹورینٹ بند ہونے لگا، تب نہ چاہے ہوئے بھی دو گھر آ گیا۔ لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ جلدی اپنا الگ انتظام کر لے گا۔

”مہار۔!“

بتول نیگم اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔ اس کے پیچھے کرے میں مٹی آئیں۔

”کہاں چلے گئے تھے۔؟ میں تمہارے انتظار میں بیٹھی ہوں۔ کھانا بھی نہیں کھایا۔؟“

”کھانا نہیں اپنے لا اے کے ساتھ۔! میرے انتظار میں کیوں بیٹھی ہیں۔؟“

دو فرد چلے گئے میں بولا تھا۔

”اگر۔۔۔ او وہ لا رہا ہے تو کون ہے۔؟ تو بھی میرے پیٹ کی اولاد ہے۔ حیرے لئے جی جی جان

ماری ہے میں نے اس سے کے لئے نہیں ماری۔ جی تو آوارہ پھرتا ہے وہ۔ جی بھی چھوڑ دو جی حیرے حال پر تو تو

بھی اسی جیسا ہو جاتا۔ آج کسی قابل ہے تو میرا احسان مان۔!“

بتول نیگم بولے چلی گئیں۔

”احسان مان کر ہی تو آپ کے اشاروں پر چلتا رہا ہوں۔ لیکن آپ کو میری ہانکں پر دوا نہیں ہے۔

مھوٹے کے سامنے دو کوڑی کا کر کے رکھ دو جی میں بیٹھے اور یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ اس لئے میں نے سوچ لیا

ہے کہ میں اب یہاں نہیں رہوں گا۔“

”ایسا تم کو بیٹا۔! اچھوٹے کی بدلتیزیاں میں بھی تو برداشت کر رہی ہوں۔ کیا کروں۔؟ کچھ کہتی

ہوں تو آؤ آؤ مجھ پر غراتا ہے۔ مجھے بھی کہاں کچھ کہتا ہے۔؟“

بتول نیگم رونے لگیں۔

”سوچا تھا شاہی کروں گی اس کی، تو جان چھوٹنے کی میری۔ لیکن میری قسمت ہی خراب ہے۔ کوئی

فہم نہیں لکھا نصیب میں۔ اب تو بھی چھوڑ کر جا رہا ہے مجھے۔“

”اڑو امی۔!“

”جھنجھلا گیا۔“

”کہیں نہیں جا رہا ہوں میں، آپ جائیں کھانا کھا کر سوئیں۔“

”اور تو۔۔؟ تو نہیں کھانے کا گیا۔؟“

بتول نیگم اس کے نہ جانے کا سن کر مطمئن ہو گئیں۔

”میں کھانا پی ہوں، آپ جائیں، میں اب سوؤں گا۔“

وہ زبردستی انہیں سمجھ کر چپک پڑے گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ان کی واپسی رات بہت دیر سے ہوئی تھی۔ سب اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لئے جا چکے تھے۔

کوڑی کا پارہاں سن کر گیت اسی نے کھولا اور ان کے پیچھے چلتی ہوئی اندر آئی تو پارہاں ہی پر چھنے لگی۔

”کہاں چلے گئے تھے آپ۔؟“

”کیوں۔۔؟“

وہ؟ گواہی سے بولے تو وہ لپٹا لپٹی۔ پھر قدموں سے تاخیر سے بولی۔

”کھانا لاؤں۔؟“

”نہیں۔! کھانا میں کھا چکا ہوں۔! البتہ چائے۔۔۔“

انہوں نے اسی قدر کہا تھا کہ وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

”سنو۔!“

انہوں نے پکارا اور اس کے چلنے کو روک دیا۔

”دراہمیان رکھنا، میں نے چائے کے لئے کہا ہے وہ دھست لے آتا۔“

”جی۔!“

وہ جلدی سے کمرے سے نکل آئی۔ ان کی وجہ سے اس نے کھانا نہیں کھایا تھا اور بھوک بھی لگ رہی تھی۔

اس لئے چائے کا پانی کرکھ کر نہ پیا، ہمارا کرہا اور وہیں کھڑی ہو کر جلدی جلدی کھانا کھانے لگی۔ ساتھ ساتھ ان کی حلق

بب بھی سو جاتی جا رہی تھی۔

”تم نے کھانا نہیں کھایا تھا۔؟“

"تم محسوس مت کرنا۔ اصل میں آج زوہیب نے عجیب سی بات کہی ہے۔ کہنے لگا، جو جہاں اپنے شوہروں کا حصہ زیادہ خیال رکھتی ہیں، وہ درحقیقت اپنا خیال رکھ رہی ہوتی ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ اچانک سنانوں میں گھر گئی۔"

"یعنی اس کا مطلب تھا، اپنی اطو شوں پر پردہ ڈالنے کے لئے ایسا کرتی ہیں۔"

"میرے خدا۔۔۔"

"وہ اپنے آپ کو انتہائی کمزور اور بے حسوس کرنے لگی اور کوشش کے باوجود ایک لٹکا بھی نہیں بول سکی۔"

"تمہیں شاید میری بات بری لگی۔"

"وہ اس کو ہونٹ کانٹے دیکھ کر بولے تو اس نے پہلے نفی میں سر ہلایا، پھر کہنے لگی۔"

"آپ کی نہیں، زوہیب کی بات بری لگی ہے، اور جیسا کہ آپ نے اس کے بارے میں بتایا تھا تو اس

جیسا بندہ وہی ہی باتیں کر سکتا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ ایسے تم ٹھیک کہتی ہو۔"

انہوں نے تائید کی تو اس کا دل چاہا کہ آئندہ زوہیب سے مت لے گا۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر

خاموش ہو رہی اور فیصلہ کر لیا کہ اس کے گروٹ بدل گئی۔

پھر ایک تو وہ پہلے ہی پریشان تھی، دوسرے اب زوہیب کی بات نے اسے مزید پریشان کر دیا تھا۔ غالباً

یہ خدشہ تھا کہ جہاں زوہیب اس کی باتوں کو بغیر کسی سے سوچے ہوئے کہیں اس کے ہانسی کو نہ کر دے نہ لکھیں۔ وہ بالکل نہیں

کچھ باتیں کرتی تھی کہ وہ اپنے ان مسائل کو کسی کے ساتھ شیئر کرے۔؟؟؟

خوفی سوچتی اور الجھتی تھی۔ جیسی دل کا بوجھ بڑھتا چلا گیا۔ بھران ہی دنوں اس کی طبیعت خراب رہنے

لگی۔ پہلے وہ وہی کچھ کچھ مسلسل سوچتے رہنے کی وجہ سے سر پھرانے لگتا ہے اور دل مٹا یا مٹا یا سار جاتا ہے، لیکن اس

روز جب وہ واشٹین کی ٹیبل سے اٹھ کر بھاگی تو اس کا کسی وقت شبہ ہو گیا اور اسی روز وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئیں

جہاں اس کے شہ کی تصدیق ہو گئی۔ اس کے بعد وہ اس پر یوں بھران ہو گئیں کہ اسے کسی کام کو کچھ نہیں لگانے دیجی

تھیں جبکہ وہ اس صورت حال سے پریشان ہو گئی، کیونکہ ایک مصروفیت ہی تو تھی جو اسے پریشان سوچوں سے دور

رکھتی تھی اور اب بالکل غائب ہو کر تو دوپہر کا لگتی تھی۔

"جہاں زوہیب۔۔۔"

میں کچھ دنوں کے لئے اکی کے پاس جانا چاہتی ہوں۔"

اسے ارادہ کیا مگر اسے نظر آ یا۔

"کچھ دنوں کے لئے۔۔۔؟"

زوجہ سوچ انداز میں بولے۔

"ہاں۔۔۔ اگر آپ اجازت دیں تو۔۔۔؟"

"میں متعین نہیں کر پاؤں۔"

دو دنوں کے بعد وہی وقت تک نکال کر اس میں اپنے کپڑے کھینچ گئی۔

☆ ☆ ☆

سیما زبردستی دانیال پر یہ جاتی تھی کہ ٹائپ آؤس ہے، موزم ہے۔ اس نے راجہ کی طلاق کا گہرا اثر لیا ہے، دوسرے دوسرے۔ ابھی بھی اس نے ایسی ہی باتیں کر کے ٹائپ کو آؤٹنگ پر لے جانے کو کہا تھا کہ وہ کھل جائے اور پھر اپنے بچوں کو بھی ان دنوں کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ اس کے بعد اطمینان سے بیٹھ کر دنوں کو گننے لگی تھی کہ کمال حسن آگئے۔

"آج آپ نے بہت دیر کر دی۔؟"

سیمائے گھڑی دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بس۔۔۔ آؤٹ چل رہا ہے، بس لئے دیر ہو گئی۔"

کمال حسن سمجھے سمجھے انداز میں بیٹھ گئے تو وہ آٹھ گھنٹہ کی ہوئی۔

"میں کھانا لاتی ہوں۔"

"ابھی تو جو کچھ نہیں ہے۔ شام میں چائے کے ساتھ سینڈوچ لے گئے۔"

انہوں نے کہا تو وہ دوبارہ جیسے ہوئے بولی۔

"چلیں پھر چپ آجائیں تو ساتھ ہی کھائیں گے۔"

"بچے۔۔۔ بچے کہاں گئے ہیں۔؟"

"وہ۔۔۔ دانیال اور ٹائپ جارہے تھے تو ان کے ساتھ۔۔۔"

اس کی بات پوری ہوئے سے پہلے کمال حسن نے ٹوک دیا۔

"کیوں جانے دیا تم نے بچوں کو۔۔۔؟ میرا مطلب ہے، وہ لہا لہن کے گھوٹے بھرنے کے دن ہیں،

بچہ کھک کریں گے انہیں۔"

"سچی۔۔۔! میں نے تو بہت روکے کی کوشش کی، لیکن رونا چل گئی۔ پھر دانیال کا آپ کو پتا ہے، بچوں کا

رونا برداشت نہیں کر سکتا۔ میرے متعین کرنے کے باوجود لے کیا دنوں کو۔"

"اچھا۔۔۔! میں کچھ دیر آرام کروں گا۔ اگر سو جاؤں تو کھانے پر مت اٹھانا۔"

کمال حسن یہ کہتے ہوئے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ تب اس نے ریسور اٹھا کر جنا کا نمبر ڈائل

"باقی تھیں، مگر کینسل ہو گئی ہیں۔ چلیں اب آپ بچوں کو اسکول کے لئے تیار کریں، میں ناشتہ بنا رہی ہوں۔"

اس نے سیرا کے ہاتھ سے بریکر پکٹ لے لیا۔

"نہیں بھئی.....! تم ابھی سے چڑھا ہوا پانی کے چکر میں مت پڑو۔ ابھی تمہارے گھر سے پھرنے کے، آرام کرنے کے دن ہیں۔"

سیرا نے اوپر سے دل سے کہا اور تودہ خوش ہو گئی تھی۔

"نہیں.....! بہت آرام کر لیا بھائی.....! آج پوچھیں تو میں بور ہو گئی ہوں۔"

اس نے کہا تو سیرا نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"ہیں؟ ابھی سے.....!"

"میرا مطلب ہے، لٹا رہے بیٹے کر۔"

"اچھا.....! میں کبھی ادائیال سے۔"

سیرا خود بھی ہنسی۔

"جلو پھر تم اڑنے فرائی کر کے چائے دم کرو، میں بچوں کو بھیجتی ہوں۔"

"جی.....!"

دو سیرا کے جاتے ہی اڑنے فرائی کرنے لگی۔ ساتھ ہی چائے کا پانی بھی رکھ دیا۔ پھر اسے یاد آیا کہ پہلے دن وائیال ناشتے میں پرائیوٹ دیکھ کر خوش ہو گیا تھا تو وہ جلدی جلدی اس کے لئے پڑھا بنانے لگی۔ تب ہی وائیال تیار ہو کر کچن کے دروازے تک آکر ڈک گیا اور وہ کچن سے اسے دیکھنے لگا۔ چند لمحوں بعد ٹائی کو اس کی موجودگی کا احساس ہوا تو اسے دیکھ کر بولی۔

"نہیں.....! ناشتہ تیار ہے۔ آپ جائیں، میں لے کر آتی ہوں۔"

"میں کہاں جاؤں.....؟ زحمت کی تو یہاں ہے۔"

وہ قریب آ گیا تو وہ ایک دم گھبرا گئی۔

"کیا کر رہے ہیں؟ ابھی بھائی آجائیں گی۔"

"آئے دو.....! میں کوئی چوری تو نہیں کر رہا ہوں۔"

وائیال نے عقب سے اس کے کندھے پر اپنی ٹھوڑی لٹائی تھی کہ سیرا کی آواز سن کر خود ہی گھبرا کر بھاگ گئی۔ وہ ہیشکل ہنسی کر دک کر چائے دم کرنے لگی۔

"آج دو دو جاگ کے لئے بے حد خور ہوئی تھی۔ دو تین جگہ انٹرویو دے کر گھر لوٹی تو سٹھکن سے زیادہ مایوسی ہے اسے حال کر دیا تھا۔ دل چاہ رہا تھا، یہی سچی کرے میں جا کر کہی جان کر سو جائے۔ لیکن اماں سامنے برآمدے میں ہی بیٹھی تھیں۔

"کیا کر رہی ہیں اماں.....؟ شوٹی کہاں ہے.....؟"

اس نے اماں کے پاس بیٹھے ہوئے پوچھا۔

"شوٹی ابھی سویا ہے۔"

اماں نے بتایا۔

"آپ کو کب تک تو نہیں کیا شوٹی نے.....؟"

وہ بیچوں سے سینڈل اُتارتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"ارے نہیں بیٹا.....! اب تو مجھ سے بہت مانوس ہو گیا ہے۔ کیلتا رہتا ہے۔ مجھے بھی بہلاتے رکھتا

ہے۔"

اماں کے لہجے میں شوٹی کے لئے محبت انداز تھی۔

"اچھا.....!"

"چلو.....! اتر منہ ہاتھ دھو، میں تمہارے لئے کھانا گرم کرتی ہوں۔"

اماں کہتے ہوئے اٹھنے لگیں کہ وہ رک کر بولی۔

"آپ تھیں رہیں اماں.....! میں نے لائو کی کھانا۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو اماں اچانک یاد آئے پر بولیں۔

"ارے ہاں.....! اراہہ.....! تمہارے نام خط آیا ہے۔"

"کیسا خط.....؟"

وہ چھٹی تھی۔ اماں نے چادر کے نیچے ہاتھ ڈال کر لگانا نکالا اور اس کی طرف بڑھایا تو اس نے جھپٹ کر لگانا گھولاد اور اس میں سے ہیر نکال کر دیکھنے ہی خوش ہو گئی۔

"اماں.....! مجھے جا بول گئی۔ یہ میرا پائلٹ لیٹر ہے۔"

"شکر ہے.....!"

اماں نے کہا۔

وہ پھر بیٹھ گئی۔

"ابھی جبکہ سے پائلٹ آیا ہے، اور نہ آج تو میں مایوس ہی ہو گئی تھی۔"

"بیٹا.....! تمہیں ہی شوق ہے، ورنہ ایسی کوئی مجبوری تو نہیں تھی۔ تمہاری دو وقت کی روٹی ہم پر بھاری تو

آیا تو.....؟

”اتنی بہت نہیں کر سکتا ماں.....! او۔“

دو تھلا کر بولی تھی۔

”رو دانے پر تو بیچ چلا سکتا ہے، سارا حملہ سنے گا اس کی بکواس۔“

اماں نے کہا تھا کہ اس وقت ڈور تلی بننے لگی۔

”وہی ہمارا دوہکا کیا کروں.....؟ تمہارے باکوفن کروں.....؟“

اماں یوں لگ رہی تھی جیسے ابھی ڈھے جائیں گی جب دو ٹپ سے بولی۔

”نہیں.....! باکوفن کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ جائیں، اسے اندر بٹھائیں۔ میں آتی ہوں۔“

”جی.....؟“

اماں اسے یوں دیکھنے لگیں جیسے دو کیا کہہ رہی ہے.....؟

”جائیں ماں.....! کچھ نہیں ہوگا۔ میں سن لیں گی اس سے۔“

دو زبردستی اماں کو کھینچ کر بیٹھنے لگی۔ کچھ دیر بعد جب اماں واپس آئیں تو دو اداں سے کچھ کہے بغیر تیزی سے

ڈراما روم میں آئی تھی۔

”آداب عرض.....!“

اسد نے اسے دیکھتے ہی فرضی سلام کہا تو دو بہت مضطرب ہوئی۔

”کیوں آئے ہو یہاں.....؟“

”بیچے کی صحت سمجھ لانی ہے۔“

دو ڈھائی سے سرگراہ تھا۔

”اچھا.....؟“

اس کے سلیب میں یاد کر طر تھا۔

”جب سمجھا تمہارے گھر میں تھا، جب تو کبھی تمہیں اس پر بیان نہیں آیا تھا.....؟ اب کیسے صحت جاگ

گئی.....؟“

”خون کبھی بھی جوش مار سکتا ہے۔ لے کر تو آؤ، کہاں ہے میرا بیٹا.....؟“

پھر سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

”دل تڑپ رہا ہے، اسے سینے سے لگاؤں گا تو جین آئے گا۔“

”بندر کا بیٹا یہ کیوں.....؟“

اس نے مضطرب کامن چھوڑ دیا۔

”میں تمہاری چال بازیوں بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ باپ کا دل تو تڑپا نہیں بیٹے کے لئے تمہارا دل

؟ یہ رہا ہے.....؟ تم باپ سے بڑھ کر ہو کیا.....؟“

”نہیں.....! میں باپ سے بڑھ کر کیسے ہو سکتا ہوں.....؟ نہیں.....! اپنا پنا دل ہے، اور میرا دل تو جب

میں بیچے کی صحت میں تڑپے گا، میں اس سے ملنے آؤں گا، تم مجھے نہیں روک سکتی۔“

”روکوں گی تو جب جب تمہیں دو بار آئے کے قابل چھوڑوں گی۔“

وہ انتہائی شے میں بلکہ خونخوار ہو کر اس پر بھٹ پڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

اسے اسی کے گمراہے ہوئے چہرہ تھا تھا، جب اس کا فون آیا اور اس بار تو اس نے حد کر دی تھی، یعنی

جی نے فون پر رسید کر لیا اور اس نے اسی سے کہہ دیا کہ جانیے سے بات کرنی ہے اور جب ونگل نے اسے بتایا کہ تمہارا

فون ہے تو اس نے اُنہیے ہو کے یوں ہی پوچھ لیا۔

”کون ہے.....؟“

”چائیں.....! آشیہ تمہارا پورا.....؟“

جنگی لا پر اسی سے کہتی ہوئی جلی گئی۔

”جہانگیر کا فون ہے.....؟“

اسے لہجہ ہوا۔ جلدی سے آ کر نہر رسید کارن سے لگاتے ہی بولی۔

”کون.....؟ جہانگیر.....؟“

”نہیں.....! ایسے میں ہوں۔“

دوسری طرف دو اہمیتان سے بولا تو اس کی اتنی جرأت پر دو دنگہ دنگی۔

”تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں.....؟“

دو اسی طرح حیرت میں گر کر بولی۔

”تمہارے گھر فون کیا تھا، وہاں سے معلوم ہوا۔“

”کیا.....؟“

دو بے اختیار دھچکی۔

”کم آن جانیے۔! اب میں اتنا بے وقوف بھی نہیں ہوں۔ بس یوں سمجھو، مجھے خود ہی آگاہی ہو جاتی

اس کے ناموس رہنے پر کہنے لگا۔

”جہ۔“

"کچھ اچھا ہی نہیں لگتا۔"

"بس.....! میرے ساتھ اب گھر چلو۔ میں اس حالت میں نہیں یہاں چھوڑ سکتا۔"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"خاک ٹھیک ہو.....؟ آئیہ دیکھو دیکھو اس کی سرخیض نظر آ رہی ہو، اور اماں دیکھیں گی تو مجھ پر خفا ہوں گی۔"

"ایک دو دن بعد چلوں گی۔"

"نہیں.....! آج ہی۔"

وہ جتنی انداز میں بولے تو وہ خاموش ہو رہی۔

پھر شام تک اس نے کافی حد تک خود کو سنسنالہ کیا، کیونکہ جانتی تھی کہ جہانزیب اسے ساتھ لے کر ہی جائیں گے اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اماں اسے بیمار حالت میں دیکھیں۔ جس وقت وہ اپنا ٹھیک کر رہی تھی، بنگی چائے لے کر آ گئی۔

"جہانزیب کہاں ہیں.....؟"

وہ اس سے پوچھنے لگی۔

"وہ آج رات سے چھوٹے بھیا کے ساتھ بیٹھے ہیں۔"

"چلو.....! میں بھی وچیں آ رہی ہوں۔"

اس نے بیک بند کیا اور بنگی کے ساتھ برآمدے میں آ گئی۔ جہانزیب چھوٹے بھیا کو کھاتے ہوئے کھد رہے تھے۔

"اس طرح کہیں بھی جانے میں صرف خوراک ہے، آپ کچھ نہ کریں، میں سال یا دو سال کا کچھ بڑا کورس کر لیں۔ اس کے بعد میں آپ کو بہت اچھی جاب مل جائے گی۔"

وہ اور بنگی حیران ہو کر چھوٹے بھیا کو دیکھنے لگیں جو کسی چھوٹے بچے کی طرح بڑی سعادت مندی سے سر ہل رہے تھے۔

"سال دو سال گزرتے چائیں چلا۔ بجائے اس کے آپ مزید دو سال یہ سوچنے میں گزار دیں کہ جاپان کیسے جاکوں.....؟ اتنے عرصے میں آپ یہ کورس مکمل کر لیں گے، پھر آپ کو تو اس گھر سے دور جانے کا سوچنا بھی نہیں چاہیے، کیونکہ آپ کے بڑے بھائی بیٹا ہی الگ ہو چکے ہیں، جانیے اسے گھر کی ہے، پھر بنگی کی شادی کے بعد ایسا ہو کے ساتھ آپ ہی کور بنا رہے۔ اگر آپ بھی کہیں باہر نکل گئے تو ایسا ہو۔"

جہانزیب دانت خاموش ہو گئے، چھوٹے بھیا کہنے لگے۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس بچے پر تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔"

"بس.....! اب سوچنے کی بجائے کل ہی کسی اچھے انٹیلیٹ میں داخلہ لیں، بلکہ آپ ایسا کریں، کل میرے پاس آ جائیں، میں آپ کو لے چلوں گا۔"

"جی ضرور.....! میں آ جاؤں گا۔"

چھوٹے بھیا نے ہائی بھری تو اس نے مسکرا کر بنگی کو دیکھا، پھر جہانزیب سے کہنے لگی۔

"چلیں.....؟"

"ہاں چلو.....! پبلڈ ڈاکٹر کے پاس چلیں گے۔"

وہ ڈانٹتے ہوئے بولے۔

"لیکن اب تو میں ٹھیک ہوں۔"

"پھر بھی چیک آپ کرانے میں کیا حرج ہے.....؟"

اسی نے بھی منی کی تائید کی تو وہ خاموش ہو رہی۔ پھر اندر سے اپنا ایک اٹھالائی اور سب سے مل کر ان کے ساتھ باہر نکل آئی۔

"آپ نے تو واقعی کمال کر دیا۔"

وہ گاڑی میں بیٹھے ہی جہانزیب سے کہنے لگی۔

"کس بات کا.....؟"

وہ ہانکل نہیں سمجھتے۔

"یعنی چھوٹے بھیا کو کھانک کر لیا، روزانہ سب تو انہیں سمجھا سبھا کر کھک کر ہار چکے تھے۔"

"اچھا.....!"

وہ احتیاط سے موزا کٹے ہوئے بولے۔

"سمجھانے اور اصرار دینے میں بہت فرق ہے جانیے.....! اور اکثر لوگ اس فرق کو محسوس نہیں کرتے۔"

اب جبکہ تمہیں ہاں بننے والی ہو تو اس بات کو ابھی طرح سمجھو۔ میرا خیال ہے، اب تک تم لوگ چھوٹے بھیا سے یہ کہتے رہے ہو کہ وہ کچھ کرنا ہی نہیں چاہتے اور یہ بات ایک تو ہندے کے اندر خلیجہ کرتی ہے، دوسرے وہ سب کچھ ایک ساتھ حاصل کر لیتا چاہتا ہے، تاکہ تو کوں کو بتا سکے کہ وہ کیا کرنا چاہتا تھا.....؟ اور ظاہر ہے، سب کچھ ایک ساتھ تو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ پھر چھوٹے بھیا کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ بچپن سے زیادہ پڑھ نہیں سکے۔ اگر اسی وقت جب انہوں نے تعلیم چھوڑی تھی، انہیں کسی تکنیکل لائن میں ڈال دیا جاتا تو وہ اب تک یوں پکار نہ پھر رہے ہوتے۔

پھر حال، اب انڈیا، لاڈو، جلدی کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔"

انہوں نے کیونک کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو وہ ہلکے سے مسکرائی۔ پھر انہوں نے خود انکر کو اس کی تمام کیفیات کے بارے میں بتایا اور خاص طور سے پوچھا کہ وہ اتنی کمزور کیوں ہوئی جارہی

ہے۔۔۔۔۔

”کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ابتدائی دنوں میں ایسا ہوا جاتا ہے۔“  
 ڈاکٹر نے انہیں مطمئن دلایا، پھر کہنے لگیں۔

”میں ٹانگہ وغیرہ دکھ کر دے رہی ہوں۔ یہ باقاعدگی سے استعمال کروائیں اور فی الحال ان کے لئے ریسٹ بہت ضروری ہے۔“  
 ”جی۔۔۔۔۔“

انہوں نے ڈاکٹر کے ہاتھ سے نطریل اور شکر سے کدہ کدہ کر کے باہر نکلتے تو کہنے لگے۔

”آپ تم اپنی طرف سے لاپرواہی نہیں کر دو گی۔“

”میں لاپرواہ نہیں ہوں۔“

”پھر کیا ہوا تھا۔۔۔؟“

اسی وقت کسی نے پیچھے سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پکارا تو جہازں وہ پلٹے وہیں اس نے بھی دیکھا تو جیسے روح فنا ہو گئی۔ بالکل غیر ارادی طور پر جہازں ب کے بازو پر اس کی انگلیوں کی گرفت خست ہوتی چلی گئی۔ اتنی جلدی وہ اپنی بات کو ختم کرنے چلا آیا تھا۔

”کیا ہوا جانیہ۔۔۔؟“

اسنے بازو میں چھبیں محسوس کر کے جہازں نے اسے دیکھا۔ بلکہ اس میں دوزخ پرانے مٹی کی جھمکتویش سے پوچھنے لگے۔

”تم ٹھیک تو ہو۔۔۔؟“

اس نے کچھ کہنے کے لئے ابھی صرف ہونٹ کھولے تھے کہ وہ کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے، یہ دیکھ کر ڈاکٹر جی ہیں۔“

”کیوں۔۔۔؟“

جہازں نے اس کی طرف متوجہ ہونے تو وہ کدہ کدہ اچکا کر بولا۔

”میری شکل ہی اتنی خوفناک ہے۔“

”اچھا۔۔۔۔۔! میں نے بھی غور نہیں کیا۔“

جہازں نے اس کی بات کو مذاق میں ٹالا، پھر اس سے کہنے لگے۔

”جانیہ۔۔۔۔۔! یہ زہر پیس ہے، جس کے بارے میں، میں نے نہیں بتایا تھا۔“

”زہر پیس۔۔۔۔۔؟“

اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنش کی اور وہ بے حد تاحفہ بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”اور یہ حال تمہاری سسز میں۔۔۔۔۔! بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔“

وہ اس کی بڑے سادہ نظروں کے باوجود حلائی سے ہنس کر بولا تو اس کے اندر کالا ڈوبنے لگا۔ دل چاہا ابھی بڑھ کر اس کا منہ بوج لے۔ بمشکل تمام خود پر قابو پا کر جہازں سے کہنے لگی۔

”چلیں جہازں۔۔۔۔۔؟“

اور جہازں سے پہلے وہ بول پڑا۔

”میرے ساتھ چلو۔۔۔۔۔! میں تم دونوں کو کسی اچھی جگہ ڈرگز اؤں گا۔“

”نہیں جہازں۔۔۔۔۔! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ گھر چلیں۔“

دوسرے کئی میں بولی تو جہازں نے اس کا خیال کر کے زہر پیس سے کہنے لگے۔

”ابھی نہیں زہر پیس۔۔۔۔۔! ہم پھر کسی دن تمہارے گھر آ جائیں گے۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔۔۔“

پھر اسے دیکھ کر بولا۔

”بھولے گا نہیں۔۔۔۔۔!“

”گرفتار کرو۔ یہ بھول گئیں تو مجھے یاد رہے گا۔“

جہازں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا، پھر گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

”تم میرے ساتھ ساتھ اپنے دوست کو بھی دھوکہ دینے رہے ہو۔ تلف ہے تم پر۔۔۔۔۔!“

دوڑ بڑھ کر جہازں نے پیچھے چلی گئی۔

اس رات وہ ایک بل کے لئے نہیں سو سکی تھی۔ زہر پیس جس طرح بے نقاب ہوا تھا، اس سے اس کی پریشانی میں کئی اضافہ ہو گیا تھا۔ دوسرے صبح ہی کسی کا اگر انہماک میں وہ اس کے ساتھ یہ کیل ٹھیک ہوتا جب تو جہازں ب کا سامنا ہونے پر اسے شرمندہ ہونا چاہتے تھا، لیکن وہ انجان نہیں تھا، بلکہ شروع دن سے جانتا تھا کہ وہ جہازں کی گھٹیر ہے اور جب اس نے اپنے دوست کا خیال نہیں کیا تو اس کا کیا خیال کرے گا۔۔۔۔۔؟

اور وہ دوست نہیں تھا، اسے دوست کہنا دوسری کی تو چون تھی۔ اب بے نقص کے سامنے موت جاہت کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا، نہ ہی اس سے کوئی اچھی توقع رکھی جا سکتی تھی۔

”چائیں اس کا مقدمہ کیا تھا۔۔۔۔۔؟“

بہت سوچنے پر بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا اور اس کا مستعد خواہ کچھ بھی ہو، وہ بری طرح پھنس چکی تھی۔

یوں کہ اب اپنے دفاع کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

”میں کیا کروں۔۔۔۔۔؟“

اپنی بے بسی پر اس کی آنکھیں جھٹک پڑیں۔ کتنی دیر تک وہ بے آواز آلسیوڈس سے ودلی رہی۔ قریب

نہا جہان زیب بے خبر سو رہے تھے اور کسی قسم خطر لایا حتیٰ کردہ جو زندگی کا سماجی تھا، وہ اس سے اپنا احوال نہیں کہہ سکتی تھی، بلکہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے بھی ڈر رہی تھی کہ اگر انہیں خبر ہوگی تو قیامت پڑے گی۔  
منہاس کی آنکھیں رت پگھلے اور شدت گریبے کا باعث سرخ اور سوختی ہوئی تھیں، جنہیں دیکھ کر جہان زیب تشویش سے کہنے لگے۔

”کیا ہو گیا ہے تمہیں.....؟ تمہاری آنکھیں بھی اتنی لال ہو رہی ہیں.....؟“

”رات میں ٹھیک طرح سے سو نہیں سکی۔“

”وہ بھی کہہ سکی۔“

”تو مجھے اٹھا دیا ہوتا۔“

”آپ فوادؔ کو اہریشان ہوتے۔“

”اب تو جیسے میں پریشان نہیں ہو رہا ہوں.....؟“

”وہ بگڑے گئے۔“

”آخر تم کیوں مجھے پریشان کرتی ہو.....؟“

”میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی۔“

”درد نے کئی تو وہ نرم پڑتے ہوئے بولے۔“

”مجھ بے خوف لڑکی ہوں.....! تاہم یاد آؤ، کیا محسوس کرتی ہو.....؟“

”چاہئیں.....!“

”وہ تھیلیوں سے آنکھیں مگڑنے لگی۔“

”چلو اٹھو.....! ناشتہ کرلو، پھر سو جانا۔“

”وہ اسے اٹھا کر ڈانٹ کر دم میں لے آئے۔ وہ بہت خاموشی سے سر جھکا کر ناشتہ کرنے لگی۔“

”مجھے چاہیے ٹھیک نہیں لگ رہی۔“

”اماں اسے بخور دیکھ کر بولیں تو جہان زیب کہنے لگے۔“

”ہاں.....! طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس کی۔ کل ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا، اس نے دوا دی ہے اور

آرام کرنے کے لئے کہا ہے۔“

”میں خود اسے آرام کرنے کا کہتی ہوں۔“

”نہیں.....! اب آپ ہی اس کا خیال رکھئے، یہ خوف.....“

”وہ یوں اتنی بات اچھوری چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے تو، وہ بھی جلدی جلدی ناشتہ ختم کر کے ان کے پیچھے

”میں آفس جا رہا ہوں۔ اگر کوئی پرالیم ہو تو مجھے فون کر لیا۔“

”جی.....!“

”چلو.....! اب آرام سے سو جاؤ۔“

”جی.....!“

”کیا یہ.....؟ چلو فوراً لیٹو۔“

انہوں نے رعب سے کہا تو وہ جلدی سے بیڈ پر آ گئی اور کچھ بھی کہی نظروں سے دیکھنے لگی تو وہ بے

مذاقت پس پڑے۔

”اگر ایسی نظروں سے دیکھو گی تو میں آفس نہیں جاؤں گا۔“

”اس نے نظروں کا زاویہ بدل لیا۔“

”اوکے.....! میں چلوں۔“

انہوں نے کہا تو وہ ان کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

”اللہ حافظ.....!“

پھر انہیں جاتے ہوئے محسوس کیا، اس کے بعد پگھلیں سوئیں۔ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی، اس لئے بیل

میں بے خبر ہو گئی۔

”اماں کو تاہم جہان زیب منع کر گئے تھے، اس لئے انہوں نے اسے اٹھا لیا نہیں۔ البتہ وہ پیر کے کھانے کے

لے اٹھانے کے لئے آئیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں اسے زیادہ دیر تک بھوکا نہیں رہنا چاہئے تھا۔ وہ منہ ہاتھ دھو

کر کمرے سے نکلی تو فون کی بیل سن کر لاپ کی طرف آ گئی۔ دوسری طرف ردوبند تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی دو کہنے

لا۔

”سنو.....! اعلیٰ امانت لینے کب آ رہی ہو.....؟“

”اس کا اشارہ غالباً تصویر کی طرف تھا اور وہ بلا ارادہ کہہ گئی۔“

”بھی نہیں.....!“

”ٹھیک ہے.....! تو میں جہان زیب کو بے دیا ہوں۔“

”وہ اطمینان سے بولا۔“

”نہیں.....! تم ایسا نہیں کرو گے۔“

”نہیں.....! کوئی رک سکا ہے مجھے.....؟“

”میں جانتی ہوں، جنہیں کوئی نہیں روک سکا۔ لیکن.....“

وہ تصدنا خاموش ہو گئی، پھر اماں کے پکارنے پر جلدی سے ریلوے روکر کمرے آئے۔ میں آگئی جہاں تخت

پر دست خوان بچھا کر انہوں نے کھانا رکھ دیا تھا۔

”جہانگیر کہاں ہے؟“

”وہ چھپتے ہوئے پوچھنے لگی۔“

”جہانگیر کو خیر سے نوکری مل گئی ہے۔“

”اچھا!“

اس نے خوشی کا اظہار کیا۔

”جہانزیب نے مجھے نہیں بتایا۔“

”بھول گیا ہوگا۔“

”ہاں۔۔۔!“

اس کے سینے سے یوں ہی گہری سانس خارج ہوئی۔ پھر وہ کھانے میں مصروف ہو گئی۔

”یہ چٹنی تو..... تمہارے لئے بنائی ہے۔“

اماں نے پلٹ اس کے آگے سرگرمی کو وہ نامی ہو کر بولی۔

”اماں! آپ مجھے اٹھا دیتیں، کیلیے ہی سب کیا کرتی ہیں۔“

”تمہارے آنے سے پہلے بھی تو کیا کرتی تھی اور میں ان عورتوں میں سے نہیں ہوں جو بہوؤں کے

آتے ہی پلنگ سنہال لیتی ہیں۔ مجھ سے تو فارغ بیٹھنا ہی نہیں جاتا اور پھر گھر کا کام ہی کتنا ہوتا ہے؟“

”پھر بھی.....“

”ہاں! انہیں ابھی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خیر سے فارغ ہو جاؤ، پھر سب جیسیں ہی کرتا

ہے۔“

پھر مجھے دنوں کو یاد کرتے ہوئے بولیں۔

”اللہ بھری سہری ساس کو، بہت نیک خاتون تھیں۔ جہاں بیوہ نہیں، امید ہے ہوئیں، وہ نازخ سے اٹھائیں

کہ کیا بتاؤں.....؟“

”اماں! آپ بھی تو میرا اتنا خیال رکھتی ہیں۔“

وہ غصے سے بولی۔

”میری ساس کے مزاج میں نرمی تھی، غصہ تو انہیں آتا ہی نہیں تھا۔“

”اماں! آپ بھی تو.....“

”نہیں! نہیں! ابھی غصہ بہت آتا ہے۔“

اماں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑیں۔

”کتنی باتم پر جگہ چکی ہوں۔ یوں کہو کہ تم ابھی ہو جو میرے بچوانے کا برا نہیں مانتیں۔“

اگر کوئی اس وقت ساس، بہو کی باتیں کر لیتا تو اپنی بے ساختہ فحش کو بھی نہیں روک سکتا تھا۔ دنوں بڑی

ایرا انداز اور صاف گوئی سے اپنی لٹلیوں اور دوسرے کی اچھا تمناؤں کا اعتراف کر رہی تھیں۔

دیے بھی ساس بہو کے درمیان رجسٹر کا باعث کوئی تیسرا فرد ہوتا ہے اور خوش قسمتی سے یہاں ایسا کوئی

تیسرا فرد ہی نہیں۔ کھانے کے بعد اماں اسے پھر آرام کرنے کی تاکید کرتے ہوئے خود ملاز کی تنہائی کرنے لگیں اور وہ

ان کے کینے پر اپنے کمرے میں آ تو گئی، لیکن سوئے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ دیے بھی سو کر اٹھی تھی۔

کچھ دیر تک یوں ہی کمرے میں اُھر سے اُھر چلتی رہی، پھر ٹیبل سے سیکرین اٹھا کر بیڈ پر آ بیٹھی۔

اصل میں تھا ہوتے ہی ذہن اٹھنے لگا تھا۔ زندگی کی باتوں کو وہ مکمل دھکی دھکی کر سکتی تھی۔ جس طرح وہ کیسٹکی

پرائز آتا تھا، اس سے کچھ عید نہیں تھا کہ وہ تصور میں جہانزیب کو دکھا کر کوئی ایسی داستان سنائے جس سے جہانزیب اس

سے متفر ہو جائیں۔

”میں کیا کروں؟“

وہ اس وقت ٹیبل پر اس مسئلے کا حل سوچتا جا رہی تھی کہ جہانزیب آگئے۔ یہاں کے آنے کا وقت

نہیں تھا، اس لئے وہ کچھ چونک کر ٹوٹتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

”کیسی طبیعت ہے تمہاری.....؟“

انہوں نے پوچھا تو وہ قدرے مطمئن ہو کر بولی۔

”نیک بول.....!“

”میرے جاتے ہی کام سے تو نہیں لگ جاتی تھیں.....؟“

”نہیں بھی.....! اس وقت کی موتی، ابھی اٹھی ہوں۔ آپ کتنا کھا نہیں گئے.....؟“

”نہیں.....!“

دعا پڑھنے لے کر ہاتھ دوم میں پٹے مجھے۔ اور جب کپڑے تبدیل کر کے وہاں آئے تو اس کے برابر

لیٹتے ہوئے پوچھنے لگے۔

”کیا پڑھ رہی تھیں.....؟“

”ابھی تو سہ کر رہی ہوں۔“

وہ گھٹنوں پر سر رکھ کر سیکرین کے صفحہ آفتاب ہوئے بولی۔

”اب تم تو سو گئی تھیں.....؟“

”نہیں.....“

”اچھا.....! تو میں سو رہا ہوں۔ مجھے پانچ بجے اٹھانا پڑا۔“





"اسی لئے تو آپ کو دوستوں کی پہچان نہیں۔"

"کیا مطلب.....؟ یعنی اب تم مجھے یہ بتانا چاہتی ہو کہ....."

"زہرہ بیب دوست نہیں، آستین کا ساپ ہے۔"

اس نے فوراً ان کی بات عمل کی اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہے، اپنے کپڑے لے کر ہاتھ روم میں گھس گئی۔ کپڑے تبدیل کر کے واپس آئی تو وہ جیسے انتظار میں بیٹھے تھے، اسے دیکھنے ہی کہنے لگے۔

"بھرا خیال ہے، تم رونا دہنی بیوی بن رہی ہو۔"

"کیا مطلب.....؟"

"جہنیں اگر میرا زہرہ بیب سے میل جول پسند نہیں ہے تو صاف کہو، لیکن اس کے بارے میں ایسا باتیں مت کرو۔ وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔"

"چلیں.....؟"

وہ ان کی بات نظر انداز کر کے اپنے سر اپنے پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔

"کہاں چلو گی.....؟"

وہ یوں بولے جیسے جبر اس کے ساتھ جانے پر آمادہ ہوئے ہوں۔

"نکس بھی کسی ایسی جگہ جہاں زیادہ شور و ہنگام نہ ہو۔"

وہ بظاہر خوش گوار لہجے میں بولی اور ان سے پہلے ہی کمرے سے نکل آئی۔ وہ اس کی خواہش پر اسے ساحل پر لے آئے۔ کچھ دیر تک وہ ان کا سوزیوں ہی گزارا، اسرار پارکین جہر آپ ہی آپ ٹھیک ہو گئے۔ شاید اس لئے کہ وہ اچانک بھیجی بھیجی نظر آئے لگی تھی اور وہ یہی سمجھے کہ ان کے در تھے تو محسوس کر رہی ہے۔

"ٹھیک لگتی ہو.....؟"

وہ اسے رکتے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"ہاں..... آج ہے، وہاں بیٹھے ہیں۔"

اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"بھرا خیال ہے، کہنے چلتے ہیں، وہاں جانے بھی پتا نہیں گئے۔"

"چلیں.....؟"

وہ ان سے ساتھ چل پڑی۔ پھر جانے آئے تک وہ یوں ہی میز کی شفاف سطح پر انگلی سے آڑی ترچھی کٹیرس کھینچتی رہی۔ وہ انور سے دیکھ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں سوچ کی پرجھانپیں تھیں اور کچھ منظر اماری کیفیت میں بہت ہی گہمی نیم داہوتے اور کبھی وہ جتنی سے پہنچتی تھیں، اور اس وقت پہلی بار انہوں نے سرسری انداز کی بھانسنے لہنیں سے سوچا کہ وہ اول روز سے ان کے لئے مسجد بنی ہوئی ہے اور وہ اب تک اسے سمجھنے سے قاصر رہے

جس۔

"جانے لوٹاں.....؟"

انہوں نے متوجہ کیا تو وہ درازی چوک کر سیدھی ہو بیٹھی، پھر جانے کا پ اپنی طرف کھینچنے ہوئے بولی۔

"آپ پوچھیں گے نہیں کہ میں نے زہرہ بیب کو آستین کا ساپ کیوں کہا.....؟"

"کیا واقعی تم اسے ایسا سمجھتی ہو.....؟"

انہوں نے متحجب ہو کر پوچھا۔

"صرف سمجھتی نہیں ہوں، بلکہ....."

"دیکھو جانے.....؟"

انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا۔

"زہرہ بیب جیسا بھی ہے، میرا دوست ہے۔ اس کی تمام خامیاں میری نظر میں ہیں اور میں نے جنہیں بھی

بہت پہلے بتا دیا تھا کہ میرے اور اس کے حواص میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں جانتا ہوں، وہ اپنی رنگین حواصی کے باعث کچھ اچھی شہرت نہیں رکھتی۔ لیکن اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر تمہیں یہ خدشہ ہے کہ اس کی صحبت میں کہیں میں نہ گزار جاؤ تو میری جان.....! جب میں جگڑنے والی عمر میں نہیں مگر اتوب....."

وہ قندبات اُدھوری چھوڑ کر سکر اسے تو وہ اچھہ کر بولی۔

"آپ پہلے میری بات سنیں.....!"

"زہرہ بیب کے حقائق کچھ نہیں سنوں گا۔"

وہ جتنی انداز میں بولے اور اس کے خاموشی اختیار کر لینے پر قدر سے توقف کے بعد کہنے لگے۔

"تمہاری زہرہ بیب سے اس سرسری ملاقات ہی تو ہوئی ہے، کبھی آرام سے اس سے بات کر کے دیکھنا۔

میں محسوس کر رہا ہوں، اس کے اندر ایک اچھا انسان موجود ہے۔"

"ہوگا....."

وہ آستین کر بولی اور دھڑکی جانے ایک ہی سانس میں پی کر اپنے اطراف یوں دیکھنے لگی جیسے اچانک دل

اچانک ہو گیا ہو۔

"چلیں.....؟"

انہوں نے اس کی بے زاری کو فوراً محسوس کر لیا۔

"ہاں.....!"

اس نے اٹھنے میں دیر نہیں کی۔

واپس کا قہار مرست خاموشی سے کتا۔ دونوں میں سے کوئی کچھ نہیں بولا۔ وہ وہ اندر ہی اندر جزیرہ ہونی رہی

کتاب جبکہ اس نے اپنے آپ کو سب کچھ جتانے پر جا کر لیا تھا تو وہ سننے پر آمادہ کیوں نہیں ہو رہے۔۔۔؟ اور ان کی خاموشی جتانے والی تھی تاکہ آئندہ وہ زویب کے خلاف کوئی بات نہ کرے اور اس روز کے بعد سے وہ خاص متحفظ ہو گئی۔ وہ خود سے زویب کا ذکر کرتے تو بس سن لیتی، جبکہ زویب کا وہی معمول تھا۔ ہر دوسرے دن فون کرتا نہ بھولتا۔ یوں بیٹھے بیٹھی اس کے سمولٹ میں شامل ہو۔ وہی پرانی باتیں دہراتا دہراتا پھر ملنے پر اسرار اور اس کے اظہار پر دمکی۔ ابھی تک اس نے اپنی دمکی پر عمل نہیں کیا تھا۔ جس سے اب وہ کھینے لگی تھی کہ وہ محض اسے دھکا دے، ورنہ اس میں اتنی جرأت نہیں ہے۔

اور اب ایک طرح سے وہ مطمئن سی ہوئے لگی تھی کہ اسی روز وہ جہازیب کے ساتھ گھر تک آ گیا۔ خاصے بے تکلفانہ انداز تھے اس کے، جس سے وہ کھینکی کہ وہ پچھلے بھی یہاں آ رہا ہے۔ وہ کھانے میں سب کے ساتھ شریک ہوا۔ اس کے بعد جہازیب اسے جانے کا کہہ کر اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے۔ اس نے التجائی بے ولی سے جانے نہائی اور جب نے کر ڈرائنگ روم میں آئی تو جاگوار کی کانچا ہارس کے چراغ انداز سے ہو رہا تھا۔

"چینی۔۔۔؟"

اس نے پیشانی پر مزید ٹنگنوں کا اضافہ کر کے زویب سے پوچھا تو وہ جہازیب کا خیال کے بغیر بولا۔

"نہ بھی ڈانٹیں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"اس کی باتوں کا براست ماننا چاہیے۔! یہ ایسا ہی ہے۔"

جہازیب فوراً اس کی طرف واری میں یوں پڑے۔

"ایسا ہی سے کیا سراو ہے آپ کی؟"

وہ جانے میں مصروف رہ کر بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

"شوخی اور بدلتی۔۔۔!"

"اچھا۔۔۔!"

وہ استہزاء سے ایسی پھر ڈرائی گروں موزکر برادر راست اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

"اور کیا کیا خوبیاں ہیں۔۔۔ میرا مطلب ہے آپ میں۔۔۔؟"

"لب میں شوخی کی کیا تعریف کروں خاتون محترم۔۔۔؟"

دوا کھساری کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا تو جہازیب ہنس پڑے۔

"ویسے میں تمہاری کافی تعریف کر چکا ہوں۔"

"جی ہاں۔! جہازیب نے مجھے آپ کے بارے میں کافی کچھ بتایا ہے۔"

وہ جانے کا کپ اس کی طرف براہ راست ہوئے بولی۔

"ہیں۔۔۔! وہ خاص شخص ہے جو میری تعریف کرتا ہے، ورنہ تو لوگ مجھے دیکھ کر ہی راستہ بدل جاتے ہیں۔"

گوکہ اس نے اپنے بارے میں سچ بولا تھا، لیکن انداز جہازیب کی دھڑکی سیٹھنے والا تھا، جس میں وہ کامیاب رہا۔ جہازیب اس کی چینی پر ہاتھ راتے ہوئے بولے۔

"پھوڑا دیا۔۔۔! کتنی بار کہا ہے لوگوں کی پروا موت کیا کرو۔"

"میں تمہارے رہا ہوں۔"

اس نے جمل کر سچا اور اناٹھ کر جانے لگی تو جہازیب نے پکار لیا۔

"تم کہاں جا رہی ہو۔۔۔؟"

وہ کھینکھنک بولی، اس کو سالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"بیٹھ جاؤ۔! زویب خاص طور سے تم سے ملنے آ رہا ہے۔"

"مجھے۔۔۔؟"

اس نے بے تحاشہ دھڑکتے دل پر بے اختیار ہاتھ رکھا۔

"جی۔۔۔! اس روز تو آپ سے سرسری ملاقات ہوئی تھی۔"

وہ اس کی بدلتی رنگت دیکھ کر متحفظ ہو کر بولا تو وہ محض خود کو سہارا دینے کی خاطر وہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔

جب وہ کھینکے لگا۔

"میں صرف آپ سے ملنے، بلکہ آپ کو موت دینے آیا ہوں۔ کئی رات کا کھانا آپ دو لوں۔۔۔"

"نہیں۔۔۔"

وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بے اختیار بول پڑی تو وہ اس پر سے نظریں ہٹا کر جہازیب کو

دیکھنے لگا۔

"اس میں جانے کی طبیعت کو ٹھیک نہیں ہے۔"

جہازیب کا معذرتی لہجہ اسے قطعی پسند نہیں آیا، پھر یہاں سے جانے کا ارادہ کر رہی تھی کہ جہازیب

اٹھنے ہوئے بولے۔

"میرا مال، مجھے تمہاری دعوت جی جان سے قبول ہے۔! البتہ تم جانے کو آمادہ کرو۔"

"تم کہاں جا رہے ہو۔۔۔؟"

"مگر بیٹ۔۔۔! غالباً کمرے میں رکھ دیا ہوں۔"

وہ یہ کہتے ہوئے چلے گئے تو وہ اسے دیکھ کر خاموشی بے تکلفی سے مسکرایا۔

"میں قدر تو لیں انسان ہوتی۔۔۔؟"



"کیونکہ میں اسکول ٹائم کے بعد فجر سے نوحی نہیں پڑھتا۔ اس لئے فجر مجھے کہہ رہی تھی۔"  
نوی کی بات سن کر وہ حیران رہ گئی کہ اتنا سادہ سچ بھی یہ باتیں سمجھتا ہے۔  
"یہ تو زیادتی ہے۔"

اس نے کہا تب ہی وانیال اٹھ گیا۔

"السلام علیکم.....!"

وانیال کی نظر میں اس پر حسیں۔

"چاچا آگئے.....! چاچا آگئے.....!"

نوی اور وانیال پر اچھلنے لگے۔

"ہاں.....! چاچا آگئے۔ بہت جگھے ہوئے آئے ہیں، ابھی آرام کریں گے۔ چلو جاؤ.....!"

وانیال نے دوڑوں بچوں کو اٹھا کر بیڈ سے اُتار دیا اور ان کے احتجاج کرنے کے باوجود انہیں کمرے سے

بھیج کر دو دروازہ بند کر کے پلٹ کر شراوت سے تائیہ کو دیکھا تو وہ حسیں پر لبوئی۔

"یہ کیا حرکت ہے.....؟"

"ارے بھئی.....!"

وہ آکر اس کے زانوؤں پر سر رکھ کر لپٹ گیا۔

"ہاہ.....! سچ سچ آرام مل گیا۔ تمہارا چہرہ دیکھ کر سارے دن کی تھکن اتر گئی۔"

"اچھا.....!"

وہ ڈراما سن کر لبوئی۔

"پھر تو میں سیدی جنت میں جاؤں گی۔"

"وہ کیسے.....؟"

وانیال نے قصداً انجمن بن کر پوچھا۔

"وہ ایسے کہ جس جو رت کا شہر اسے دیکھ کر خوش ہو جائے، تو وہ جو رت جنت میں جائے گی۔"

اس نے کہا تو وہ غلط ہو کر پوچھنے لگا۔

"اور جس مرد کو دیکھ کر اس کی بیوی خوش ہو جائے.....؟"

"تو بھی بوی جنت میں جائے گی۔"

وہ زار پوری تھی۔

"اور مرد.....؟"

وہ ایک دم اٹھ بیٹھا۔

"جنت! جنت! جنت میں مردوں کا کیا کام.....؟"

اس کی برہنگی پردہ بے ساختہ ہنسنے ہوئے اس پر چھٹنا چاہتا تھا کہ وہ اٹھ کر بھاگ گئی۔

☆.....☆.....☆

فون کی چھٹی سلسل ری جھی۔ مہارادی دقت آفس سے آیا تھا، جوئے انارور ہاتھ اور پانچیس بول نیگم

اور اسد کہاں تھے جو کوئی فون نہیں اٹھا رہے تھے.....؟ آخر اس کو آہ پڑا۔

"ہیلو.....!"

"راہبہ بات کر رہی ہوں۔"

ادھر سے راہبہ کی آواز سن کر مہارادی دم اُٹھ گیا۔

"ہاں راہبہ.....! کیا بات ہے.....؟ سب ٹھیک تو ہے ناں.....؟ میرا مطلب ہے، شوبی.....؟"

"شوبی بالکل ٹھیک ہے۔"

"وہ بے حد سہل تھی۔"

"پھر.....؟"

"پھر یہ کہ آپ اپنے بھائی کو کام ڈال کر رکھیں۔ جب سارے رشتے ختم ہو گئے تو پھر وہ کس تعلق سے

میرے گھر آتا چاہتا ہے.....؟"

راہبہ نے کہا تو وہ بلا ارادہ پوچھ گیا۔

"کون.....؟ اسد.....؟"

"اسد کے علاوہ بھی آپ کا کوئی بھائی ہے.....؟"

وہ اچانک جھنجھکی اٹھی۔

"میں اسدی کی بات کر رہی ہوں۔ پہلے میرا رستہ رکھا اور آج گھر چلا آیا.....؟ آخر کیوں.....؟"

"سوری راہبہ.....! مجھے نہیں معلوم کہ وہ گھر سے باہر کیا کرتا پھرتا ہے.....؟"

وہ رات ہی چکر گیا تھا۔

"اب تو معلوم ہو گیا ناں.....؟"

وہ پیچھے انداز میں بولی تھی۔

"ہاں.....! میں کوشش کروں گا اسے سمجھانے کی۔ کوئی بدتمیزی تو نہیں کی اس نے تمہارے

ساتھ.....؟"

"وہ اور کبھی کیا سکتا ہے.....؟ نہ صرف میرے ساتھ، بلکہ راستے میں اب کو بھی نہیں چھوڑا اس نے اور



تھیں، لیکن اس کا ذہن مسلسل کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

جب دانیال، ٹائیپ کے ساتھ آیا تو دو ایک دم متحرک ہو گئی۔ اٹھ کر ٹائیپ کو لے گا کہ مبارک باد کی کردہ مان بننے والی ہے، پھر ان دونوں کے ساتھ ان کے کمرے میں آگئی اور باقاعدہ ودیاعات جاری کرنے لگی۔

"بس ٹائیپ.....! اب تمہیں آرام کرنا ہے۔ سیز میاں اترنے چڑھنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، جو چیز تمہیں چاہئے ہوگی سیکرٹل جاسے گی۔ سن رہی ہو؟"

"جی.....!"

ٹائیپ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے دانیال کو دیکھا تو دوہرا لگا۔

"صرف سننے سے کچھ نہیں ہوگا۔ بھائی کی باتوں پر عمل بھی کرنا ہے۔"

"بس.....! تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹائیپ میری بات مانتی ہے۔"

سیانے دانیال کو کوا تو وہ سیکرٹل ہی شکل بنا کر بولا۔

"ہاں بس.....! آپ کی ہی مانتی ہے، مجھ سے چارے کی تو سختی بھی نہیں ہے۔"

"ہاں.....! بڑے بے چارے.....! خبردار جو اسے شک کیا تو۔؟"

"میں کہاں شک کرتا ہوں؟.....! یہ مجھے شک کرتی ہے۔"

"اچھا بس.....! زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹھیک ہے ٹائیپ.....! تم آرام کرو۔ میں تمہارے لئے دو دھلائی ہوں، چار ضرور.....!"

"تکمرت کریں بھائی.....! میں پلا دوں گا۔"

دانیال فوراً بولا وہ اسے گھورتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل آتی تھی۔

☆☆☆☆☆

دوسری صورت زدنی سب کے گھر نہیں جاتا جانتی تھی، لیکن جہاز سب کو کبھی غالباً مدہ ہو گئی تھی، جب ہی اس کا کوئی طرف نہیں سنا اور شام میں اس کے کوڑا خراب کر لینے کے بعد وہ جاسا اپنے ساتھ لے گئے، اور وہ جہاز سب کے ساتھ اسے دیکھ کر یوں قاتمانہ انداز میں مسکرایا کہ اسے کم مانگنی کا احساس ہونے لگا۔ وہ کچھ دھمی دھمی ہی جہاز سب کے پہلو میں بیٹھ گئی تو دوہرا لگا۔

"یقین کریں، مجھے آپ کے آنے سے بے حد خوشی ہو رہی ہے۔"

"کومت.....!"

وہ بلا ارادہ کہہ گئی۔

"اور.....! آپ تو ڈانٹنے لگیں۔ خیر.....! آپ کو یہ حق حاصل ہے۔ میں تقصیر برائیں مانوں گا،

ہاں تو تھپڑ مار لیں۔"

اس کی ڈھٹائی پر وہ اندر ہی اندر کھل کر دھکی، پھر کبھی کافی حد تک خود پر قابو پا کر پوچھنے لگی۔

"گھر کے باقی افراد کہاں ہیں؟"

"نقطہ ایک ملازم ہے جو بچن میں مصروف ہے۔"

"کیا مطلب؟"

وہ اس کی بجائے جہاز سب کی طرف دیکھنے لگی تو انہیں بتاتا ہوا۔

"اس کے والدین حیات نہیں ہیں۔ دو بڑے بھائی ہیں اور دونوں ہی ملک سے باہر ہیں۔"

"اور شادی میں نے ابھی تک کی نہیں۔"

جس طرح وہ فوراً بولا، اس طرح اس نے فوراً پوچھا۔

"کیوں؟"

"شاید اس لئے کہ میرے بارے میں سوچنے اور فکر کرنے والا کوئی ہے ہی نہیں۔ والدین کے بعد یہ کام

مہانوں کو کرنا چاہئے تھا، لیکن وہ دونوں اپنی اپنی دنیاؤں میں سست و گمن ہیں۔ ہاں.....! البتہ کوئی بہن ہوتی تو وہ ضرور سوچتی۔"

بات کے اختتام پر وہ جیکے سے مسکرایا تو بس ایک لمبا کوا اس کی مسکراہٹ کے پیچھے ایک ڈکھی

بھلا نظر آتی تھی جو غالباً جہاز سب نے بھی محسوس کی، بھی کہنے لگے۔

"یار.....! میں ہوں ماں.....! اکبوتر ابھی بیٹھ بھرا دیتا ہوں۔"

"اچھا.....!"

وہ ہنسا۔

"صرف بیٹھ بھرا نے سے بات نہیں بنتی، اس کے لئے ایک لڑکی کا ہونا بھی ضروری ہے۔"

"لڑکیوں کی کیا کمی ہے؟.....! البتہ اگر تم نے کوئی آئیڈیل بنا رکھا ہے تب مشکل ہے۔"

"آئیڈیل تو نہیں بنایا، بس سوچتا ہوں کہ لڑکی، اچھی سلی ہوگی ہو۔"

وہ بات کرتا ہوا اٹھ کر دیوار کے ساتھ رکھے شوئیں کے پاس چلا گیا۔ اس کی دراز میں سے غالباً

گھٹ کا پیکٹ نکالا اور جب پلٹا تو پوچھنے لگا۔

"کیا تباری کوئی سالن وغیرہ نہیں ہے.....؟"

"نہیں۔"

وہ پوری قوت سے چیخ کر تنبیہ کرنا چاہتی تھی، لیکن آواز کہیں غلطی میں ہی اٹک گئی۔

"ہاں ہے۔"

جہانزیب بڑے مطمئنانہ اس کی بات کا جواب دے کر کہنے لگے۔  
 ”مجھے خیال ہی نہیں آیا۔ بچی واقعی بہت اچھی اور سلیبی ہوئی لڑکی ہے اور تمہارے لئے موزوں بھی

ہے۔“

”جہانزیب.....!“

اس کی قوت برداشت جواب دے گئی اور ساری مصیبتیں بالائے طاق رکھ کر اٹھتے ہوئے بولی۔

”میں یہاں ایک لمبے کے لئے نہیں رک سکتی۔ پلیز مگر چلیں۔“

”کیا، دو گیا ہے تمہیں.....؟“

جہانزیب نے اس کی کلائی تھامنے کے لئے آٹھ آگے بڑھایا، لیکن وہ قدم پیچھے ہٹ گئی۔

”بس.....! آپ چلیں۔“

”آخر کیوں.....؟“

”مجھ سے پوچھ رہے ہیں، کیا آپ کو ذرا احساس نہیں کہ آپ کیا کر رہے ہیں.....! ایک آدمی اور دارالورف

فicus کے ساتھ میری بہن کا نام لیے ہوئے آپ.....“

”جانیہ.....!“

انہوں نے ٹوک دیا۔

”کہنے دیا.....! ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں۔“

وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا تو وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے جہانزیب سے کہنے لگی۔

”آپ یہاں بیٹھنا چاہیں تو شوق سے بیٹھیں، لیکن میں جاری ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے نکل آئی۔ گیٹ سے نکل کر جی جی کے جہانزیب نیز قدموں سے چلتے

ہوئے اس کے پیچھے آ گئے۔

”تم اپنی بات خیر عورت ہو۔“

یہ کہتے ہوئے انہوں نے گاڑی کلاک کھولا، پھر کافی ڈور آنے کے بعد کہنے لگے۔

”میں نے کوئی ایسی معیوب بات تو نہیں کی تھی جو تم یوں آپ سے باہر ہو گئیں۔ وہ بھی ذرا ہیبت کے

سامنے، کیا سوچنا ہو گا وہ.....؟“

وہ اس وقت میڈ کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ جانتی تھی کہ بولے گی تو انسولی چھلک پڑی اس کے اوپر

کوئی بات ڈھک سے نہیں کی جاسکے گی، اس نے ہونٹ ہچکچ کر دوسری طرف شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ جس کا دل

انہوں نے یوں اتارا کہ گھر کے سامنے اسے اتار کر بند کر دیا تھا۔ وہاں سے جانے کس طرف نکل گئے.....؟ اس نے

ان کی گاڑی کو دھڑکتے ہوئے دیکھا، پھر پوچھنا کہ تمہیں کتنے آدمی آئے۔

”ہائیں.....؟ ابھی تو تم گئی تھیں۔“

اس کی اتنی جلدی ابھی پراناں سے حیرت کا مظاہرہ کیا۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے.....!“

”اور جہانزیب کہاں ہے.....؟“

”وہ کسی کام سے گئے ہیں۔“

دوسرے سالوں سے بچنے کی خاطر جلدی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسے زہرا کی اتنی جرأت پر

حیرت کے ساتھ مدیدہ بھی تھا، جبکہ جہانزیب کی باتوں اور دے نے بے حد تکلیف پہنچائی تھی، جس سے وہ

رہی تھی اور رونے کے علاوہ اور کبھی کیا سکتی تھی.....؟

فوری طور پر ذہن کچھ بھی سوچنے پر آمادہ نہیں تھا۔ بس زہرا کو ایک ہی خیال کہ زہرا ہیبت اس کے بعد اب

اس کی بہن کو غریب دینا چاہتا ہے اور یہ خیال ایسا نہیں تھا جسے وہ آسانی سے جھٹک سکتی۔

”میرے ساتھ جو ہوا سوہا، لیکن میں وہی کے ساتھ آیا نہیں ہونے دوں گی۔“

اس نے سوچا۔

رات کو ان کا کھانے کے لئے بلائے آئیں اور جہانزیب کا پوچھا تو ان کے بارے میں لاطینی کا اظہار کر

کے اس نے سہولت سے کھانے کو بھی منع کر دیا۔

”کچھ اچھا لگے نہ لگے، کھا ضرور لیا کرو۔ ایسی حالت میں بیٹہ خالی رہے تو دل بڑا زیادہ ہلاتا ہے۔“

اماں نے جاتے جاتے کہا۔

”جب بھوک لگے گی تو کھا لوں گی۔“

دوبے زار سے لہجے میں بولی۔

”اچھا.....! اور ہاں تمہارے جانے کے بعد تمہاری امی کا خون آیا تھا۔“

اماں نے اچانک یاد آنے پر بتایا۔

”کیا کہہ رہی تھیں.....؟“

”تمہاری خیریت معلوم کر رہی تھیں اور یہ کہ بہت دنوں سے تم ان کے پاس نہیں۔“

”جاؤں گی کسی دن۔“

اماں کو اس کا سرسری انداز عجیب سا لگا۔ یعنی جیسے کے نام پر بھی کوئی اشتیاق ظاہر نہیں ہوا تھا۔ جب تیس

کر ہوتے ہوئے کہیں۔

”تم بہت جلد گھر جاتی ہو، لیکن.....! ابنا وہ بیان بنانے کی کوشش کر، جی تو طبیعت سننے لگی۔ اور یہ

جہانزیب آ جائے تو میں اس سے کہتی ہوں کہ کچھ دنوں کی چھٹی لے کر تمہیں کہیں گھمانے لے جائے۔“



اس نے بہت خاموشی سے ان کی بات سنی تھی۔ پھر افس کہتا ہے۔  
خندہ سے اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ دل چاہ رہا تھا چپ بچوں میں سر جھپکا کر سوجاے،  
لیکن واسوچ بچی تھی، خلو کچھ بھی ہوا اسی وقت جہاز بپ کو زور دیا کہ افس رپ دکھائے کی۔ اسی لئے جہاز بپ  
کے انتظار میں بیٹھی رہی اور دو نصف شب کے بعد آئے۔

☆.....☆.....☆

راجہ کو افس جہاز کے ہونے ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور اس مصرعہ نے اس پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ اسے  
پرانگہ و ہونے سے نجات مل گئی تھی اور اب اسے خود پر حیرت بھی ہوئی تھی کہ اس نے کیسے بول بیکم کے مظالم  
برداشت کر لئے۔ اسے تو بہت پیسے خودی اسپینڈلے لینا چاہئے تھا۔ بہر حال اب وہ مطمئن تھی۔ اس وقت افس  
سے نکل کر بس اسٹاپ کی طرف چل رہی تھی کہ اس نے ایک اس کے سامنے لاکر دی۔

"کہاں تک پھول چلی؟ آؤ میں چھوڑ دوں۔"

وہ اس کے منہ نہیں لگا چاہتی تھی۔ وہ ناگواری سے سر جھٹک کر سامنے سے نکل کر پھر چل پڑی، لیکن وہ  
ایک ڈھیلے پھر ایک قریب لے آیا۔

"بڑا فخر ہے۔ ایک ڈھیلے میں تو سر پر کھار ہاوں۔"

"مجھ پر سر کھانے کی بجائے اپنے آپ پر سر کھاؤ۔ تمہاری بدمناسیاں جنہیں کہاں لے جائیں گی،  
کبھی سوچا ہے۔؟"

وہ چپا چپا بولی تھی۔

"سوچنے کے لئے دماغ چاہئے اور میرے پاس تو دماغ ہے ہی نہیں۔"

اس نے انتہائی لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تو اذیت پیٹتے ہوئے اس نے تھموں کی رفتار تیز کر  
دی۔

"ارے! سوتو.....!"

وہ ایک پر تھا۔

"تم نے کیا سوچ کر بھائی سے میری شکایت کی؟ بھائی تو خود مجھ سے ڈرتا ہے۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے۔؟ بھائی تو رہا ہے تو میں بھی زور جاؤں گی۔؟ اپنا راستہ لو رن۔"

"ورنہ زور چاؤ دی۔؟"

وہ اس کا تھمراؤ اڑاتے ہوئے زور زور سے ہنسنے لگا تو وہ دافنی پریشان ہو گئی۔ جب ہی ایک گاڑی اس کے  
بالکل قریب آن لڑی۔ وہ اچھل کر بیچہ پئی، پھر گاڑی میں دانیال کو دیکھ کر فوراً دروازہ کھول کر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"کون ہے۔؟"

دانیال نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"وہ۔۔۔۔"

وہ رکتے ہوئے بولی۔

"میرا سابقہ پیر۔!"

"اور۔۔۔۔!"

دانیال کچھ کر پوچھنے لگا۔

"پریشان کرتا ہے آپ کو۔۔۔؟"

"بس!۔۔۔! بسای ہے۔ آپ پلیز۔! گھر میں ذکر مت کیجئے گا۔ اماں پریشان ہو جاتی ہیں۔"

اس نے کہا تو دانیال خاموش ہو رہا۔ پھر بقدرت خاموشی میں کنا۔ گھر پر اترتے ہوئے اس نے دانیال  
کو اندر آنے کو کہا، لیکن وہ دروازے کا کدھر کدھر چلا گیا۔ وہ اندر آئی۔ اماں شوٹی کو لہکاری تھیں۔ خدیجہ صاحبہ وہیں  
"اور تھے۔ وہ سلام کرتے ہوئے ان کے پاس بیٹھی تو وہ پوچھنے لگے۔۔۔۔"

"چنا۔۔۔! جنہیں آنے جانے میں یا افس میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔؟"

"نہیں بابا۔! کوئی مسئلہ نہیں ہے، اور اگر ہوگا بھی تو اب میں گھر آکر بھانوں گی نہیں۔ میں نے سوچ لیا  
ج۔"

اس نے بی داری کا مظاہرہ کیا تو خدیجہ صاحبہ خوش ہو گئے۔

"شائش بیٹا! میں تمہارے منہ سے یہی سنا چاہتا تھا۔ میری بی بی اب بہادر ہو گئی ہے۔"

"کمزور تو میں پہلے ہی نہیں تھی بابا۔! بس۔۔۔! مجھے رشتوں کا پاس تھا۔"

اس کے دل میں شیں ہی اٹھی تھی۔

"میں جاتا ہوں بیٹا۔! رشتوں کا پاس رکھنے والے کمزور نہیں ہوتے، بلکہ اصل بہادری ہی یہی ہے،  
کہ اہل انسان کو خود اپنے ساتھ جگ کرنی پڑتی ہے۔ بی بی! میں! کو مارا آسان نہیں ہے، جو بی بی! میں! کو گھٹت  
ہے۔ وہی بہادر کہلاتے ہیں۔ کیوں دیکھ۔؟"

خدیجہ صاحبہ نے کہتے ہوئے ایک بیک بیکم کو قلمب کیا تھا۔

"جاننا نہیں ماماں!۔۔۔! آپ کی باتیں آپ کی بی بی ہی سمجھتی ہے۔ سہی سے پوچھیں، ٹھیک کہہ رہے ہیں یا  
ن۔"

اس نے بچپن سے شوٹی کا منہ صاف کرتے ہوئے بولیں۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں اماں!۔۔۔!"

دو کچھ کرنا کھڑی ہوئی۔ پھر شہر کی گلیاں گھانا گھانا ہواؤں سے چھٹ گیا۔

”ارے... ایسا تو اب میرے پاس آتا ہی نہیں، دیکھ رہے ہیں اب!“

”ہاں!“

خوبصاحب ہنسنے لگے۔

”چلو جاؤ... احم منہ ہاتھ دھو، دھو چکی ہوئی آئی ہو۔“

اس نے کہا تو دو دو تہائی کو پار کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”پتا نہیں آپ باپ بیٹی کیسے مطمئن ہیں؟ مجھے تو ہر وقت دھڑکا سی لگا رہتا ہے۔“

اس نے کہا تو خوبصاحب چونک کر پوچھنے لگے۔

”کیسا دھڑکا...؟“

”اے اسد کا، اس دن گھر تک آ گیا تھا۔ اب کہیں آتے جاتے راجہ کے پیچھے لگ گیا تو...؟“

”تو اس کے ڈور سے راجہ گھر میں بند ہو کر بیٹھ جائے؟“

خوبصاحب فوراً بولے تھے۔

”نہیں بیگم...! راجہ کے سامنے ابھی پوری زندگی پڑی ہے۔ اگر پہلے ہی قدم پر ڈر کر بیٹھ گئی تو آگے

کیسے بڑھے گی۔“

”اور جو لوگ“

”کیا لوگ لوگ؟ لوگوں کے ساتھ مسائل نہیں ہوتے کیا جو باتیں بتاتے ہیں؟ دو پہلے اپنے

گربانوں میں جھانگیں، مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے... امت کریں کسی کی پروا...! لیکن یہ ضرور سوچیں کہ راجہ کی ابھی کوئی اتنی مہربانی

ہے۔ اپنے بچے میں ہی راجہ کے ساتھ کی کتنی ناز کیا اس ابھی کوئی تنہا نہیں ہیں۔“

اس نے انہیں احساس دلانے کی کوشش کی۔

”اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے...؟“

خوبصاحب چونکے تھے۔

”مطلب پوری زندگی بٹھائے نہیں رکھنا راجہ کو، کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر زحمت بھی کرتا ہے۔“

اس نے خوبصاحب کوئی سوچ دے کر قدرے گھبراندہ کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ثانیہ کو یہ سنا اس کے کمرے تک دھڑک رہا تھا اور دانیال بھی سہا کی باتوں میں آ گیا تھا کہ اسے ابھی

آرام کی ضرورت ہے اور سڑکیاں اترا چڑھا تو اس کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ پہلا بچہ ہے، احتیاط کرنی

چاہئے۔ احتیاط کے تمام طریقہ تجاویں اسے ہی طرح پر عمل کر رہی تھی۔

اس وقت دو دانیال سے شکایت تو نہیں، مگر بچے سے بات کر رہی تھی۔

”مجھے اچھا نہیں لگتا دانیال...! بھائی کو بار بار ادھر پر آنا پڑتا ہے۔ آپ ان سے کہیں ناں...! اس آرام

سے سڑکیاں اتریں گی۔“

”بہ کار ہے، بھائی انہیں ہی نہیں...! انا مجھے ڈانٹنے کھڑی ہو جائیں گی۔“

دانیال نے کہا تو دمت سے بولی۔

”بلیز دانیال...! آپ میرا نام لے لیجے گا۔ کہنے گا، میں ایک کمرے میں ہو رہی ہوں۔ چلتا بھرتا

چاہتی ہوں۔“

”جی ہاں...! بھائی کہیں گی، ضرور چلو...! میرا پر جائیو۔“

”آف...!“

دو صبح بولا گئی۔

”آپ خود ہی ہر بات کا جواب دے جا رہے ہیں۔“

”مجھے پتا ہے ناں جان...! بھائی یہی کہیں گی، پھر تم خود سوچ۔“

دو، اڑو کھلنے سے دانیال کی بات ادھر ہی رہ گئی۔ دنا کھانے کی نرے لئے اندر آ رہی تھی۔

”ارے...! آپ نے کیوں زحمت کی...؟“

دانیال اٹھ کھڑا ہوا۔

”آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے دانیال صاحب...! کیونکہ میں نے یہ زحمت آپ کے

لئے نہیں دینی آپ کے لئے کی ہے۔ بے چاری ادھر پہنچے جا کر کھٹک گئی ہیں۔“

دنا نے کہا تو دوڑا بولا۔

”ہاں...! اچھا ابھی یہی کہہ رہی تھی کہ بھائی کو بار بار ادھر پر آنا پڑتا ہے۔“

”اس لئے انہوں نے مجھے بلایا ہے۔ خیر...! ابے تا میں، یہ فرے کہاں رکھوں...؟“

دنا دھڑا دھڑا کیسے گئی۔

”لا ہے...! مجھے دیکھئے...!“

دانیال نے نرے پکڑی تب دنا، دانیال کو دیکھ کر بولی۔

”کیسی ہو...؟“

ثانیہ نے مسکراتے پر اٹھایا تھا۔

"چلیں۔۔۔ آپ لوگ کھانا کھائیں، اور ہاں۔۔۔! کچھا اور چائے ہوتا ہوں۔"

"نہیں بس۔۔۔! بھکرے۔۔۔!"

وانیال نے رُسے ٹانہ کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تو کاندھے اچکا کر چل گئی۔

"دیکھ لو۔۔۔! بھائی کو کتنا خیال ہے تمہارا، خود تھک گئیں تو کہیں کو بلا دیا۔"

وانیال نے بھر پھینٹے ہوئے کہا تو درخشاں اور پوری، اور پھر درخشاں عی بن گئی تھی۔ ناشتہ کھانا، سناہ کی چائے کے علاوہ بھی کھانا، وانیال کے چھوٹے مونسے کا پچھلے کمرے میں پلٹ آئی تھی، اور اس شام کو حدی ہو گئی۔ وانیال بچوں کی خدمت پر انیس آٹس کریم دلانے کے بار بار تھا تو کتنا بھی اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ اس نے اپنے کمرے کی کڑکی سے اسے وانیال کے ساتھ کڑی میں پھینٹے دیکھا تو اس کی جھٹی جس آلام بہانے لگی تھی۔ وہ ڈر کر سے نکل کر پیچھے آئی تو اسے دیکھتے ہی سیما بول پڑی۔

"اورے۔۔۔! تم یہاں کیوں آ گئیں۔۔۔؟ کچھ چاہئے کیا۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔! اور۔۔۔ میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ کتنا وانیال کے ساتھ کمرے میں۔۔۔؟"

اس نے مشکل سے ایسی ہی لیکن اصل کہہ دی۔

"ہاں۔۔۔! اور دو گنا گھر جانا تھا۔ وانیال نے کہا، میں چھوڑ دوں گا۔۔۔! دو سو منٹ کر رہی تھی لیکن۔۔۔"

سیما کھسیا ہٹ میں بات پوری نہیں کر سکی تو اسے سمجھانے لگی۔

"جہیں بیڑھیاں نہیں اترتی پائیں۔۔۔! خدا غور سے کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو؟"

"کچھ نہیں ہوتا بھائی۔۔۔! میں فارغ بیٹھے بیٹھے بور ہو گئی ہوں۔۔۔! پلیز۔۔۔! مجھے اتنا پابند نہ کریں۔۔۔"

دو گھنٹہ پڑ کر بولی گئی۔

"میں کہاں پابند کر رہی ہوں چندرا۔۔۔؟ یہ وقت تو ہر عورت پر آتا ہے۔۔۔! ہاں بنا آسان نہیں ہوتا۔ بہت

کچھ سہنا پڑتا ہے۔"

سیما نے اس کا کال چھو کر پیار سے کہا۔

"لیکن بھائی۔۔۔! اس طرح تو میں سست اور پیار پڑ جاؤں گی۔ پھر ڈاکٹر نے بھی مجھے کام کرنے سے

تو منع نہیں کیا۔"

"بیڑھیاں اترنے چڑھنے سے تو منع کیا ہے ناں۔۔۔؟"

سیما فوراً بولی گئی۔۔۔! اور اسے سنا کر رو گئی۔

"نہیں۔۔۔! شروعات کے تین چار مہینے ہیں، اس کے بعد ڈاکٹر خود ہمیں ڈاک کرنے کو کہے گی۔۔۔! چلو۔۔۔!"

اب تم اپنے کمرے میں جاؤ۔۔۔! اور یاد رکھو۔۔۔! یہاں بھی ٹھیک نہیں ہے۔۔۔! جاؤ شاہش۔۔۔! آرام کرو۔۔۔!"

سیما کے انکار پر جتنا اسے پردے ہو گئی اور اپنے کمرے میں آکر، اصل بات بھول بی گئی، یعنی اس

کا دھیان حتیٰ کی طرف سے بہت گیا تھا، جب ای اگلے دن جس وقت وانیال آفس جا رہا تھا تو وہ اس کے ساتھ ماں کے کمر آگئی۔ اس کا ارادہ کچھ دن نہیں رہے گا تھا۔ وانیال ماں تو نہیں رہا تھا، لیکن پھر اس کی طبیعت دیکھتے ہوئے خاموش ہو گیا۔

سپر مال دو کھلی آواز فضا میں ساٹس لیتا جانتی تھی۔ لیکن آگے ماں، رابعہ کے لئے فکر مند ٹھہری ہوئی تھیں۔ جب انہوں نے اس کے سامنے اپنے خدشے کا اظہار کیا کہ کہیں اسد رابعہ کو آفس آتے جاتے تھک نہ کرے تو وہ بھی خوب صواب کی طرح کہنے لگی۔

"اماں۔۔۔! آپ کیا جانتی ہیں۔ اسد کے ڈر سے رابعہ گھر میں بند ہو کر بیٹھ جائے۔۔۔؟ نہیں۔۔۔!"

اس نے باب جوڑ کر کہتے بہت اچھا کیا ہے۔ مجھے خوشی ہوئی ہے۔"

"اچھا نہیں۔۔۔! ابھی اپنے سرال میں نہ ڈھونڈ رہا بیٹھا۔"

انیال نے اسے نوک دیا۔

"اورے اماں۔۔۔! میرے سرال والے تو قیاسی نہیں ہیں۔ مانا، اللہ سب پڑھے لکھے ہیں۔"

اس نے کہا تو ان آواز پر کر بولیں۔

"پڑھا کھاتا عہدہ بھی تھا، لیکن دیکھو۔۔۔! کیسی جہالت کا ثبوت دیا۔ سوچا نہ سمجھا، اطلاق چھما کر نکال دیا

یہی کو۔"

"ان کی بات تو آپ رہنے ہی دیں۔ میں تو کہتی ہوں، اچھا ہی ہوا جو رابعہ کی جان چھوٹ گئی ان لوگوں

سے۔"

"تمہارے اماں بھی یہی کہتے ہیں۔"

اماں سر جھک کر بولی تھیں۔

"جب سہی کہتے ہیں تو آپ کیوں نہیں مان لیتیں۔۔۔؟ آپ کو کس بات کا کام ہے۔۔۔؟"

اس کی بات پر اماں چڑھ گئیں۔

"اورے۔۔۔! اچانک بنی اجڑ کر آگئی، تم نہیں ہوگا تو کیا خوشی ہوگی۔۔۔؟"

"خود اماں۔۔۔! میرا یہ طلب نہیں تھا۔"

دراکھ کر ان کے پاس آ بیٹھی اور ان کے گلے میں انہیں ڈال کر بولی۔

"ہوئے والی بات تھی، ہوگئی، خیر چھوڑیں۔۔۔! یہ بتائیں۔۔۔! اب کب آتے ہیں۔۔۔؟"

"آ جاتے ہیں چار پانچ بجے تک۔۔۔! تم تو ڈر لو گی ناں۔۔۔؟"

"ہاں اماں۔۔۔! تم چار دن رہیں گی۔"

"بھئی۔۔۔! پھر تم ذرا روشنی کو سنبھالو، میں رابعہ کے کچھ سوٹ درزن کو دے آؤں۔ آفس آنے جانے

کے لئے ڈھنگ کے کپڑے نہیں ہیں اس کے پاس۔“  
 اماں نے کہتے ہوئے اُنھ کے لماری کھول دی۔  
 ”ہاں اماں! میں پچھنے والی تھی۔ راجہ کا سامان داپس نہیں بھجوا یا ان لوگوں نے؟“  
 اس نے کہا تو اماں چلے گئے انداز میں بولیں۔  
 ”نہیں! سب دبا کر بیٹھ گئے۔“  
 ”اوکھ! اوکھ! اچھا! اور اوزد بند کرو، میں بس یہ کپڑے دے کر آ جاؤں گی، اور ہاں! اسٹریٹ کوئی رو سے دیتا۔“  
 ”جی! چھا۔۔۔!“  
 دو اماں کے ساتھ باہر تک آئی۔ پھر دروازہ بند کر کے ٹوپی کے ساتھ صرف ہوئی تھی۔  
 ☆ ☆ ☆

راجہ آج آفس سے کچھ جلدی نکل آئی تھی۔ اسے ٹوپی کے لئے کپڑے اور کچھ کھلونے خریدنے تھے۔  
 اس نے اپنی کوئی نوٹیں کو بھی ساتھ قریبی مارکیٹ چلے کو کہا، لیکن اسے کہیں اور جانا تھا اور اس نے راجہ سے کہا کہ  
 کرکلی پٹلیں گے، لیکن راجہ اب خود کو کسی کے بھی سپارے کی محتاج نہیں کرنا چاہتی تھی، اس لئے دو ایک ہی مارکیٹ  
 چل پڑی، اور اسے زیادہ شاپنگ تو کرنی نہیں تھی، ٹوپی کے دو تین سوٹ اور ایک دو کھلونے لے کر دو جلدی فارغ  
 ہو کر ٹیوشن کے انتظار میں کھڑی تھی کہ اپنے نام کی تیار ہو چوٹ کر ڈیکھنے ہی بل اور ادو پیچھے پڑنے لگی۔  
 ”راجہ! امیری بات سنو!“

مہاراجا کی طرف براحتہ دو ایک دم پلٹ کر چلے گئی۔  
 ”وک جاؤ راجہ! امیری بات سنو۔!“  
 مہاراجہ قدر مونس اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔  
 ”میرا راستہ چھوڑ دیں پلیز! اچھے آپ کی کوئی بات نہیں سنئی۔“  
 دو خود پر مضبوط کرتے ہوئے بولی تھی۔  
 ”سنو گی نہیں تو کھو گی کیسے؟“  
 مہاراجہ نے کہا تو درج کر بولی۔  
 ”کیا سمجھانا چاہتے ہیں آپ مجھے؟ اور اب آپ ہوتے کون ہے مجھے سمجھانے والے؟“  
 ”ٹھیک ہے۔۔۔! میں تمہارا کوئی نہیں، لیکن تمہارے بچے کا باپ تو ہوں ناں۔“ اور یہ حلق تو ہمارا  
 ٹوٹنے والا نہیں ہے۔“  
 مہاراجہ کی پروا دیر سلگ گئی۔

”آپ مجھے بلیک سیل کر رہے ہیں۔“  
 ”بھڑا! انہیں!۔۔۔!“  
 دو فوراً بولے۔  
 ”میں نیک بنتی ہے تم سے کچھ کہتا چاہتا ہوں، پلیز۔۔۔!“  
 ”کہئے۔۔۔! کیا کہنا چاہتے ہیں؟“  
 وہ جم کر کھڑی ہو گئی تو مہاراجہ نے اچھا دیکھا، پھر اسے دیکھ کر بولا۔  
 ”میرا خیال ہے، ہم کہیں بیٹھ کر بات کریں۔۔۔؟“  
 ”آپ۔۔۔!“  
 اس نے کچھ کہتا چاہا کہ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔  
 ”دیکھو۔۔۔! مجھ پر نہ کسی تمہیں اپنے آپ پر تو بھروسہ ہے ناں۔۔۔؟“  
 دو ایک دم ہونٹ سمیٹ گئی۔ پھر اس کے ساتھ شاپنگ مال کے کینے میرا میں آگئی اور بیٹھنے ہی بولی تھی۔  
 ”جو کہتا ہے، جلدی کہیں! میں زیادہ دیر نہیں ڈک سکتی۔“  
 ”کو۔۔۔ میری تمہیں نہیں آ رہا ہے، تم جس سے کیسے کہوں؟“  
 عبادا تھی بے بس لگ رہا تھا۔  
 ”تم شاید یقین نہ کرو، لیکن یہ سچ ہے کہ میں اپنے کسے پر صرف شرمندہ ہوں نہیں، بلکہ بچپتا بھی رہا  
 ہوں۔۔۔“  
 ”اچھا۔۔۔؟“  
 اس کی ذرا سی ہنسی میں ڈک کے ساتھ استہزا ابھی تھا۔  
 ”آپ کا بچپتا میرے اچھے پر کا طلاق کا داغ نہیں مٹا سکتا مہاراجا!۔۔۔! اور نہ میرے بچے کو دور  
 کا غیظ دے سکتا ہے جو ناں باپ کے سایے میں پروان چڑھنے والے بچے کو حاصل ہوتا ہے۔“  
 ”تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں تمہارا اور بچے دونوں کا نگہبان ہوں۔ تم مجھے جو چاہے سزا دو۔“  
 دو بے حد ادا تھا۔ راجہ نے صاف سے اسے دیکھا، پھر کہنے لگی۔  
 ”بچپتا دے کی آگ میں جل رہے ہیں آپ، کیا یہ سزا کافی نہیں ہے۔۔۔؟ اور آپ کیا کہتے ہیں۔۔۔؟  
 میرے سامنے اعتراف کر کے آپ طعیناں دے ہو جائیں گے۔ انہیں مہاراجا! آپ کی قسمت میں طعیناں ہے  
 ہی نہیں۔ جو شخص یونی کو نام بتا کر کسی طعین نہیں تھا، اسے کوئی بات طعیناں نہیں دے سکتی۔“  
 ”تم مجھے صاف کر دو تو شاید۔۔۔“  
 اس کے کمرور لہجے پر دو سچ کر فوراً بولی تھی۔

"معاف کیا۔۔۔ اسب معاف کیا آپ کو، اور آپ کی اماں کی بھی سب زیادتیاں معاف کرتی ہوں۔ اس کے بعد مجھ سے کوئی امید نہ رکھیں۔"

دو اپنی بات ختم کرتے ہی اٹھ کر تیز قدموں سے وہاں سے نکل آئی تھی۔ پھر اس نے دین کا انتھار نہیں کیا، ہر کشتہ سے گھر آگئی اور ٹانے کو دیکھ کر اس کا منہ آپ ہی آپ ٹھیک ہو گیا۔

"تم کب آئی۔۔۔؟"

"میں تو صبح ہی آگئی تھی، اور کچھ دن برسوں کی بھی گی۔"

ٹانے نے بتایا تو خوش ہو گئی۔

"اچ۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔ لیکن تم تو سارا دن ہوتی نہیں ہو۔"

"تو کیا ہوا۔۔۔؟ راتیں تو اپنی ہیں۔"

وہ کھل کر سرسائی تھی۔ پھر رات کے کھانے کے بعد دو جلدی جلدی اگلے دن کے لئے کپڑے اسٹری کرنے لگی، تاکہ فراغت سے ٹانے کے ساتھ بیٹھ سکے۔ ٹانے شوق کو چھپتے ہوئے بھی آواز میں کوئی لوری ٹھنڈا رہی تھی، تب ہی اماں آکر پوچھنے لگیں۔

"شوق ہو گیا کیا۔۔۔؟"

"جی۔۔۔! آئیں۔۔۔ میں اماں۔۔۔ لپکا کیا کر رہے ہیں۔۔۔؟"

ٹانے نے نگلیے بنا کر اماں کو پیٹنے کا کہتے ہوئے لپکا بھی پوچھا۔

"جہارے بالابھی لینے ہیں۔"

اماں بیٹھ گئیں۔ راجہ نے پرس کیا ہوا سوٹ بھگر گیا، پھر اماں سے بولی تھی۔

"اماں۔۔۔ ایک بات بتانی ہے آپ کو۔"

اماں کے ساتھ ٹانے بھی اسے دیکھنے کی تھی۔

"آپ پریشان مت ہوئے گا اماں۔۔۔! اور اماں سے بھی مت کہنے کا۔"

راجہ نے کہا تو اماں ٹھک کر بولیں۔

"بات کیا ہے۔۔۔؟"

"وہ۔۔۔ آج جب میں آفس سے آ رہی تھی تو راتے میں مہا بل گئے تھے۔"

راجہ نے بتایا تو اماں پریشان ہو گئیں۔

"پھر۔۔۔؟"

ٹانے نے ناگواری سے پوچھا۔

"پھر کچھ کہا تو نہیں، بس اپنی زیادتیوں کی معافی مانگ رہے تھے۔"

راجہ نے قہقہہ آہر سرری انداز اختیار کیا تھا۔ اماں تو ٹھگ جیلتی تھیں، لیکن ٹانے خاموش نہیں رہ سکی۔

"تم نے کیا کیا۔۔۔؟"

"میں کیا کہتی۔۔۔؟ معاف کر کے چلی آئی۔"

راجہ، ٹانے کو جواب دے کر اماں سے مخاطب ہو گئی۔

"اماں۔۔۔! یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ ہم ایک ہی شہر میں رہتے ہیں، کبھی بھی سامنا ہو سکتا ہے،

اور آپ کو میں اس لئے بتا رہی ہوں کہ کسی اور سے من کرکھ سے درگمان نہ ہو جائیں۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔! لیکن آئندہ کوئی ضرورت نہیں ہے اس سے بات کرنے کی۔"

اماں نے اچانک سحر لہے میں کہا تو وہ جڑبڑہو کر بولی۔

"میں کیا بات کروں گی اماں۔۔۔؟ عہاد خود ہی سامنے آگئے تھے، اور وہ تو شوقی سے ملنے بھی آسکتے ہیں

ہاں۔۔۔؟ باپ جیسے شوقی کے، ہم منع تو نہیں کر سکتے تھے۔۔۔؟"

اماں خاموش ہو گئیں تو وہ ایک نظر ٹانے کو دیکھ کر بولی۔

"خیر۔۔۔! آپ ٹھکر نہ کریں، عہاد یہاں نہیں آئیں گے۔"

☆ ☆ ☆

وہ اسے یوں بیٹھے دیکھ کر ڈراما پردے کے پھر فوراً ہی نظر انداز کرتے ہوئے واش روم میں چلے گئے۔ کچھ دن بعد کپڑے تبدیل کر کے نلکا تو سید سے اپنی جگہ پر جا بیٹھے اور آٹھ گھنٹیں بازو سے ڈھانپ لیں۔ عام حالات میں وہ فوراً غافل بھی ہو جاتے تھے، لیکن اس وقت جانے کیوں اسے یقین تھا کہ دو خوراکیں نہیں کھیں گے۔

دو کچھ دیر تک بہت خاموش نظروں سے ان کا جائزہ لینے کے ساتھ یہ جانے کی کوشش کرتی رہی کہ آیا ان کی ناراضگی محض زرد وہیب کے گھر سے چلے آئے ہوئے ہے، یا وہ دوبارہ اس کے پاس جا کر مزید کچھ جان آئے ہیں۔۔۔؟ لیکن اپنے طور پر وہ کچھ نہیں مانا سکی۔ جب ساری ہفتیں کچھ کھا کر کے انہیں پکا دیا۔

"جہانزیب۔۔۔؟"

انہوں نے ڈراما بازو نیچے کیا اور گردن موڑے بغیر آٹھ گھنٹیں زخمی کر کے اسے دیکھ کر بولے۔

"بھڑھے، اس وقت چپ چاپ سو جاؤ۔"

"مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

دو عاجزی سے بولی۔

"کیوں۔۔۔؟"

انہوں نے بازو دھرے نیچے کھسکا دیا اور جواب نہ پا کر پوچھا۔

"کیا تم اپنے روتے پر تادم ہو.....؟"

"نہیں.....!"

"نہیں.....؟"

اس نے کچھ بھلا کر ڈھیر لایا اور دھڑ سے بولے۔

"مگھو کیا میری طرف سے ندامت کا اظہار چاہتی ہو.....؟"

"نہیں.....!"

"پھر کیا چاہتی ہو.....؟"

"نہیں..... آپ میری بات نہیں لیں۔"

"کون سی بات.....؟"

"وہی جو میں نے آپ سے جب کہیں کہا، آپ نے ٹوک کر مجھے خاموش کر دیا۔"

وہ خاموش ہو گئے۔ غالباً سوچنے کے لئے تھے کہ انہوں نے کب کب اسے ٹوکا اور کس بات پر.....؟ پھر قدر سے تاخیر سے بغیر کسی تبصیر کے بولے۔

"کیوں.....!"

اور وہ جو بیڑی ایک سے ایک لگے سے سیدھی بخینگی تھی، گردن موڑ کر انہیں دیکھنے لگی اور انہیں متوجہ پا کر دوبارہ پہلے والی پوزیشن میں آ کر گویا ہوئی۔

"میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گی۔ بس جو میری غلطی ہے، اس کا اعتراف کروں گی۔ اس کے بعد میں خود کو مدوار نہیں سمجھتی اور آپ سے میں یہی کہوں گی کہ بغیر جا بجا داری سے میری بات سنیں۔"

قدر سے وقفہ کے بعد کہنے لگی۔

"میری غلطی صرف اتنی ہے کہ میں شادی سے پہلے اس وقت جب آپ کی پوری میری نسبت طے ہو چکی تھی، آپ کے چنگل کی تھی اور آپ کو دیکھنے کی خواہش رکھنے کے باوجود اس روز میں خاص طور سے اس موقع کے لئے نہیں گئی تھی، میری ایک ساتھی نیچر کے پاس کام تھا اور وہاں جا کر میں نے سوچا کہ جب یہاں تک آئی ہوں تو

آپ کو دیکھ لینے میں کیا حرج ہے.....؟ اگر آپ سمجھ سکیں تو یہ ایک فطری خواہش تھی جسے میں دبا نہیں سکی تھی اور بار بار اور وہ سب اختیار آپ کی شبیل کی طرف بڑھ کر آپ کا نام پوچھا تھا اور اس وقت وہاں جو شخص بیٹھا تھا، اس نے بڑے اعتماد

یقین کے ساتھ خود کو "جہانزیب" کہا تھا اور میں اسے ہی جہانزیب سمجھ کر فوراً وہاں سے پلٹ آئی تھی۔"

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"جانتے ہیں وہ شخص جس نے خود کو جہانزیب کہا، دو کون تھا.....؟ آپ کو جگر کی دوست زوہیب....."

اس کے لہجے میں بے تحاشہ کجی آسانی۔

"اگر بات وہیں ختم ہو جاتی تو میں سمجھتی اس نے یوں ہی مذاق کیا ہے، لیکن اس کے بعد وہ دھکا فوٹا مجھے

ڈپ کے حوالے سے ملتا رہا، جبکہ وہ جانتا تھا کہ میں آپ کی بغیر ہوں۔ آپ شاید اس کی طرف داری میں یہ کہیں کہ ہو سکتا ہے، اسے یہ بات معلوم نہ ہو اور اس نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر دوسری لڑکیوں کی طرح میرے ساتھ بھی

رادر کم ہڑھائی ہو تو ایسا نہیں ہے۔

اگر ایسی بات ہوتی تو مجھے آپ کی بیوی کے روپ میں دیکھ کر نہ صرف شرمندہ ہونا بلکہ معافی بھی مانگنا۔

جبکہ اس کے برعکس وہ اب تک مجھے دھمکیاں دیتا ہے کہ مجھ سے اسی طرح ملو روز میں جہانزیب کو سارا احوال کہہ

ناؤں گا اور پھر شروع میں آپ نے خود محسوس کیا کہ میں کتنی خوفزدہ تھی لیکن پھر ایک روز میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے آپ کو ساری حقیقت بتا دینی چاہئے اور بار بار میں نے آپ کو بتانے کی کوشش بھی کی لیکن ہمیشہ آپ نے یہی سمجھا کہ

میں روایتی بیوی بن کر آپ کو زہب سے خوفزدہ کرنا چاہ رہی ہوں، اس لئے پہلے ہی مقام پر آپ نے مجھے سختی سے ٹوک دیا کہ میرا ایک ہی دوست ہے، میں اس کے بارے میں کچھ نہیں سوں گا۔ اب آپ ہی بتائیے، میں کیا کرتی.....؟"

اس نے خاموش ہو کر انہیں دیکھا تو دل دھک سے رو گیا۔ پہلا خیال یہی آیا کہ وہ غلطی کا اعتراف کر کے ایک اور غلطی کر گئی ہے۔ وہ بتا نہیں سکتا کہ وہ اسے کیا تھا کہ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا.....؟ اور آٹھوں میں بے تحاشہ فصد بتا نہیں سکتے کہ لے تھا.....؟

اور اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر انہوں نے پہلے رخ موڑا، پھر اٹھ کر بیٹھ گئے اور ہاتھ بڑھا کر مگر ہٹ کا پکٹ اٹھا یا اور کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گئے۔ جس سے دوسرے پریشان ہو گئی۔ اگر وہ کچھ کہہ کر دل کی ہلچل

خفاں لینے تو دوڑتا تو جان ہی لیتی کہ انہوں نے کس حد تک اسے قصور وار سمجھا ہے.....؟ اور آٹھ امانی کی گھانٹا جسے یا نہیں.....؟ لیکن دو دنوں ہی اس کے سر پر کھڑا لگتی چھوڑ گئے تھے، جس کے سوا اسے اپنا دم گھٹا محسوس ہو رہا تھا، اور یہ خوف انگ کہ پتا نہیں اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے.....؟

☆.....☆.....☆

دنانے والیال کی گاڑی دیکھ کر ہی اسے لڑکے کا اشارہ کیا تھا۔ پھر تیز قدموں سے قریب جا کر گاڑی کے نشیے پر دونوں ہاتھ بٹا کر بیٹھی۔

"سوری.....؟ میری دین بس ہو گئی ہے۔ پلیز..... آپ مجھے چھوڑ دیں۔"

"چھوڑ دوں.....؟"

دانیال جانے کس موڑ میں تھا۔

"میں نے آپ کو بکرا ہی کب ہے.....؟"

"تو اب چلوئیں ہاں۔"

حاشائی سے کہتے ہوئے دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

"اوسے دے۔ آپ تو زبردستی۔"

"مجھے پتا ہے، آپ منہ نہیں کریں گے۔ عیسیٰ۔"

دوسرے نے سے بولی تو دانیال نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اب آپ یونہی کو خیر باد کہہ دیں۔"

"کیوں؟"

دو اٹھلا کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیونکہ چار سال بہت ہوتے ہیں، اب تک آگئی ہوگی یونہی کو آپ سے۔"

"جناب۔۔۔ آپ کو پتا ہی نہیں ہے، ہم چھوٹے یونہی کی شان ہے۔"

اس کے گردن اکڑانے پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

"اچھا۔"

"اوسے۔۔۔ آپ ہنستے بھی ہیں۔۔۔؟"

حتمی حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"کیوں۔۔۔؟ آپ نے مجھے پہلے ہنسنے سے نہیں دیکھا کیا۔؟"

"نہیں۔۔۔! میں نے تو جب بھی دیکھا آپ کی پیشانی پر اتنی مونی مونی کیریں لکھی ہوتی تھیں۔"

اس نے کہا تو دانیال ذرا سے کندھے اچکا کر پوچھنے لگا۔

"آپ کو کہاں چھوڑنا ہے۔؟"

"اپنے گھر۔۔۔! آئی میں، مجھے آپا نے پایا ہے، ان ہی کے پاس جاؤں گی۔"

اس نے کہا تو وہ خاموش ہو رہا۔ پھر اسے گھر کے گیٹ پر ہی اتار کر چلا گیا۔ اسے کہیے کے پاس جانا

تھا۔ حتمی انداز سے ہی "آپا۔۔۔! آپا۔۔۔! پکارنا شروع کر دیا۔ وہ یوں خوش ہو رہی تھی جیسے کوئی میراث مار لیا

۔۔۔

"خیر بہت تو ہے ہاں۔۔۔؟ کیوں چلا رہی ہو۔۔۔؟"

یسائے چکن سے نکل کر پوچھا تو وہ بھاگ کر اس سے لپٹ گئی۔

"پتا نہیں رہی، خوش ہو رہی ہوں۔ آپ پوچھیں کیوں۔؟"

"کیوں۔؟"

یسائے نے دوبارہ پوچھا تو وہ کھٹکھٹا کر بولی۔

"میں دانیال کے ساتھ آئی ہوں۔"

"دانیال کے ساتھ۔۔۔؟ کہاں ہے دانیال۔۔۔؟"

یسائے کے عقب میں دیکھنے لگی۔

"اسے کہیں اور جانا تھا۔ مجھے چھوڑ کر چلا گیا، اور پتا ہے آپا۔۔۔! سارا راستہ دانیال میرے ساتھ ہی

لوا کر رہا رہا۔ بڑے سواڑ میں تھا۔"

"اچھا۔۔۔! لیکن تم اب ڈرامہ سنبھال کر چلا۔ یہ نہیں کر دانیال نے جس کربا ت کر لی اور تم اس کے آگے

بچے بھرنے لگی۔۔۔؟"

یسائے کو سیکے ہوئے واہیں لیکن میں مٹی مٹی تو وہ اس کے پیچھے آتے ہوئے بولی۔

"اوسے نہیں آپا۔۔۔! آگے پیچھے تو اب دوسرے بھرے گا۔"

"اللہ کرے، جو تم کو رہی ہو، وہی رہا ہو۔ بس۔۔۔! مجھے تمہاری جلد بازی سے خطرہ محسوس ہوتا ہے۔"

یسائے کی چٹکی میں کچھ چلاتے ہوئے بولی۔

"نہیں کروں گی جلد بازی، آپ بے فکر رہیں، اور یہ آپ کا کیا کام ہی ہیں۔۔۔؟"

حتمی چٹکی میں جھانک کر دیکھا۔

"نہاری۔۔۔!"

"اف۔۔۔! کون کھاتا ہے نہاری۔۔۔؟"

حتمی بے سامانہ بنایا۔

"دانیال۔۔۔! دانیال کو نہاری بہت پسند ہے۔ پکا سکھ لو، ہر دوسرے دن نہاری کی فرمائش کرے گا۔"

"اچھا۔۔۔! میں تو جیسے فوراً اس کی فرمائش پوری کر دوں گی۔۔۔؟"

"پھر کیا کر دگی۔۔۔؟"

"وہ تو جب میں یہاں آ جاؤں گی، جب آپ خود کچھ لیجئے گا۔"

دونوں نہیں یوں باتیں کر رہی تھیں جیسے دانیال کتا کا منگتیر ہو اور کچھ ہی دنوں میں ان کی شادی ہونے

والی ہو۔

☆.....☆.....☆

ہائی فون رکھ کر ماں کے پاس آ کر بولی۔

"اماں۔۔۔! ابھی دانیال کا فون آیا تھا، وہ مجھے لینے آ رہے ہیں۔"

"جیس۔۔۔؟ ابھی رات کی کچھ دن اور۔۔۔؟"

اماں نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

”منع کروں دانیال کو؟“

”ارے نہیں بیٹا.....! اسے منع کرنا مناسب نہیں ہے۔“

اماں، امجد کی وجہ سے بہت متاثر ہو گئی تھیں۔

”چلیں.....! کچھ دن بطور کمیشن بھر آ جاؤں گی۔“

اس نے کہا تو اماں تاکید کرتے ہوئے بولیں۔

”ہاں بیٹا.....! پہلے اپنا گھر دیکھو۔ دانیال خوشی سے اجازت دے تو آ جانا۔“

”جی.....!“

حب ہی گاڑی کے پارن کی آواز پر دو چوبیس کر بولی۔

”میرا خیال ہے دانیال آ گئے.....! ٹھیک ہے اماں.....! میں چلتی ہوں۔“

”ارے.....! اندر تو آنے دو اسے۔“

اماں نے ٹوکا تو فوراً بولی۔

”نہیں اماں.....! دانیال کہہ رہے تھے، انہیں کہیں اور بھی جانا ہے، ہجرت جائیں گے۔“

”اچھا.....!“

”اللہ حافظ اماں.....!“

وہ اماں سے مکمل کفر و ربا پر نکل آئی۔ دانیال نے اسے دیکھ کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

”میں نے آپ سے چاروں کا کہا تھا، آپ دوسرے ہی دن لینے آ گئے۔؟“

وہ گاڑی میں بیٹھنے ہی بولی تھی۔

”کیا کروں.....؟ دل ہی نہیں لگتا تمہارے بغیر۔ اپنا کمرہ کالنے کو دوڑتا ہے۔ بس.....! اب یہاں

رہنے کی بات مت کرنا۔“

وہ ذرا بیچک کے ساتھ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دے بولے رہا تھا۔

”یہ کیا بات ہوئی.....؟“

اس نے ہلکا سا احتجاج کیا۔

”جی بات ہے، میں آئے جا نے کو منع نہیں کر رہا۔ صبح آؤ، شام میں واپس.....! دن کو تک جاتا ہے

تمہارے پیارا رات نہیں نکلتی۔“

اس کی صحبت پر وہ خاموش ہو رہی تھی۔ پھر گھر آ کر وہ سیرما کو صرف سلام کر سکی، دانیال اسے سمجھتے ہوئے

کمرے میں لے آیا تھا۔

”یہ کیا حرکت ہے.....؟“

دور دیکھنے لگی۔

”کیا سوچتی ہوں گی بھابی.....؟“

”کچھ نہیں سوچیں گی۔“

دانیال نے اسے ہاتھوں میں لے لیا اور اس کی منہ جھڑتوں سے پتلی جاری تھی کہ اچانک دروازہ

کھلنے پر دو گھر کر اس کی ہاتھوں سے نکل گئی۔

”جائے حاضر ہے جناب.....!“

جتا جائے کی لڑے اٹھائے اندر چلی آئی۔

”اور نکلیں، میں نے آپ کی شکل آپ کے لئے سینڈ ویج بنائے ہیں۔“

”تھیک ہے.....! اس وقت واقعی جائے کے ساتھ کچھ ہلکا سا کھانے کو دل چاہ رہا تھا۔“

دانیال کو روکنا کہہ رہا۔ جبکہ اسے تھکا پھرا ہوا تھا۔

”مجھے آپ کے دل کی خبر ہو گئی تھی، جیسی میں نے صحت پر سینڈ ویج بنا ڈالے۔“

جتا کچھ زیادہ دور ہو گئی تھی۔ دانیال نے شینا کر اسے دیکھا تو وہ قصداً انجان بن گئی تھی۔ حنائی نے نیل پر

رکھ کر کپ سیٹ کرنے لگی، پھر تھکا دیکھ کر بولی۔

”دانیال کا تو خیر مجھے پتا ہے، تم تھی جیسی لوگی.....؟“

”جیسی دانیال لیتے ہیں۔“

دوسرے سے بولی تھی۔

”واؤ.....! یعنی دونوں کا ٹیٹ ایک ہے.....؟“

جتانے وہی ٹیٹیاں، ”واؤ“ میں چھپائی تھی۔

”ہر ایک ہیں تو ٹیٹ بھی ایک ہی ہوگا۔“

اب اس نے قصداً حنائی پر جتایا تھا۔

”اچھی بات ہے.....! چلیں، آپ جائے نہیں.....!“

حنائے نے غصہ نہیں کیا۔ کپ میں جائے والے بطور چلی گئی تو اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، دانیال سانس کھینچ

کر بولنا تھا۔

”جھیک گاؤ.....!“

وہ اگر کچھ کہہ بھی چاہتی تھی تو اس نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ کیونکہ اپنی ذات کا مجرم بھی تو رکھنا تھا۔



حنا کو پہلے انگوٹھی تھی تو اب مند ہوئی تھی۔ اس کے خیال میں نائیں اس کے متا ہے میں بے حد معمولی لڑکی تھی اور دنیاں زیادہ عرصہ اس معمولی لڑکی کی محبت میں گرفتار نہیں رہ سکتا تھا اور اسکی صورت میں جب وہ بار بار دنیاں کے سامنے جانے کی تو بالا خرد اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس لئے اس نے مستقل یہیں ڈیرہ جمالیا تھا۔ پھر سہما اس کا ساتھ دے رہی تھی اس لئے وہ دھڑلے سے گھر کے ہر گوشے میں دنگاتی بھرتی تھی۔ اس وقت جب وہ سب سونے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے، دو لادخ میں بیٹھی لیوی دیکھ رہی تھی۔ گمراہ کی سویاں رات ایک ڈھکے درمیان میں، جب سہما لٹا لٹا پانی پینے کے لئے کمرے سے نکلی تھی کمرے دیکھ کر لٹک گئی۔

”حنا! اتم ابھی بیٹھی ہو۔۔۔ سوؤ گی نہیں۔۔۔؟“

”سو جاؤں گی آپ!۔۔۔ اٹھنا آئے گی تو سو جاؤں گی۔“

حنائی لیوی سے نظریں جلائے بغیر بولی تھی۔

”بستر پر لیوی کو خیر بھی آجائے گی۔ ڈیرہ خراب ہے۔ صبح یونیورسٹی نہیں جاؤ گی کیا۔۔۔؟“

”سوچ رہی ہوں جب تک یہاں ہوں، یونیورسٹی گول کر جاؤں۔“

حنائے کہتے ہوئے لیوی آف کر دیا تو سہما اس کے پاس بیٹھ گئی۔

”پڑھائی کا خرچ نہیں ہوگا۔۔۔؟“

حنائے لا پرواہی سے کندھے اچکا پکڑے تھے۔

”اچھا سنو!“

سہما حنا کو بکر پوچھنے لگی۔

”جہیں کیا لگتا ہے، دنیاں کو اس حرافے کے چکل سے نکال لو گی۔۔۔؟“

”ہے تو مشکل آپ!۔۔۔ لیکن ہاں نہیں ہے۔“

اس نے کہا تو سہما نورانی بولی۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن نہیں ہے، البتہ وقت لگے گا۔“

”اب ٹھوڑا کتنا بھی وقت لگے گا!۔۔۔ سال!۔۔۔ دو سال!۔۔۔؟ دس سال!۔۔۔؟“

حنا آخر میں مسکرائی تھی۔

”دس سال!۔۔۔؟“

سہما نے آنکھیں پھیلا کر ”دس سال“ کو لہجہ پٹپٹا تھا۔

”ہاں آپ!۔۔۔ میری زندگی کا اب ایک ہی مقدمہ ہے۔ دنیاں کو حاصل کرنا۔ دس سال کیا۔۔۔؟ دس

دس سال بھی گزر جائیں، جب بھی میں اپنے مقدمے سے نہیں ہٹوں گی۔“

حنا کے اطمینان سے کہنے پر سہما پریشان ہو گئی۔

”چلو اب سو جاؤ!۔۔۔ اور صبح جلدی آٹھ بجیں کھلے گی۔“

”آپ پریشان ہو گئیں۔۔۔؟“

حنائے ہنستے ہوئے سہما کو دیکھا تو وہ اٹھ کر چلی گئی۔

”دس صدیاں!۔۔۔؟ پانی کا!۔۔۔؟“

حنائے اپنے آپ بڑبڑاتے ہوئے جھرجھری لی، ابھر دھبی سونے کے لئے اٹھ گئی۔

اور صبح میں اس وقت جب دنیاں اٹھ جائے کو نکھر رہا تھا وہ دھماکتی ہوئی آئی تھی اور بیڑیوں پر چائے کو

کمرے دیکھ لینے کے باوجود دنیاں سے بولی تھی۔

”آپ آفس جا رہے ہیں۔۔۔ پلیز!۔۔۔ اچھا، سناپ تک ڈراپ کر دیتے گا۔“

دنیاں نے ہونکا کر دیکھا تو وہ دھبی سے واپس پلٹ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”ٹیلیں!۔۔۔! میری دین میں ہوس ہو جائے گی۔“

حنائے کہا اور دنیاں کی ناگواری محسوس کرنے کے باوجود اس کے ساتھ چلی پڑی تھی۔

☆☆☆☆

کتنی دیر گزری، چہانزیب پتا نہیں کہاں تھے۔ وہ بمشکل اپنے آپ کو ان کے پیچھے جانے پر آمادہ کر

لی۔ کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئی اور پھر دے پاؤں ڈرائنگ روم کے دروازے تک آ کر رک گئی۔ اندر

سے ہلکا پھلکی کی ہلکی آواز باہر تک آ رہی تھی۔ اس نے کچھ دیر دہیں دیکھ کر خود کو سنبھالا پھر دروازے کو آہستہ سے

دھکی کر اندر داخل ہوئی تو وہ صوفے پر لیٹے نظر آئے۔

ایک ہاتھ سر کے نیچے اور دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں سرگرمی ملگ رہا تھا۔ سوچوں کے سمندر میں ڈوبی

آہستہ کسی سوچ پر، ہنسنے پر بھی نہیں۔ اسے سچ بچان پر دم آیا، کیونکہ وہ ان کی کیفیت اچھی طرح سمجھ سکتی تھی۔ اس

وقت انہیں چھوڑنا مناسب نہیں تھا، لیکن وہ ہاتھیں در دیکھی۔

”آپ یہاں کیوں آ گئے۔۔۔؟“

دوسرے آکر بولی تو انہوں نے ایک لمحہ کو اسے ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ اپنی جگہ کٹ کر رہ گئی۔

”چہانزیب۔۔۔؟“

اس نے پھر کچھ کہنے کی کوشش کی تو وہ بول پڑے۔

”جاؤ، جاؤ، جاؤ!۔۔۔!“

”سو چاؤں؟“

اس نے ذریعہ بڑھایا۔

”پلیز، چاؤ۔“

ان کے سبب میں عاجزی اور حکم ایک ساتھ تھا۔ وہ اپنی ہوا کر دیاں اپنے کمرے میں آگئی۔

☆ ☆ ☆

خوبصاحب کتنی دیر سے نوٹ کر رہے تھے کہ تیرم گم سنٹھی ہیں۔ ایک دہائیوں نے کھانسی کو مستحضر کرنا چاہا لیکن ان کی جوت نہیں ہوتی۔ جانے کیا سوچ رہی تھیں؟ آخر خوبصاحب کو کتنا بڑا۔

”ہاں مہی بیگم۔ کیا مسئلہ ہے۔؟“

”مسئلہ؟“

اماں بری طرح چونکی تھیں۔

”جو بھی مسئلہ ہے، اس کیلئے تم سے حل نہیں ہوگا۔“

خوبصاحب نے کہا تو اماں سانس کھینچ کر بولیں۔

”جانتی ہوں میاں! جانتی ہوں۔“

”پھر بتاؤ۔ کیا بات ہے۔؟“

خوبصاحب سیدھے ہونٹیں۔

”وہ۔۔۔ میں وزن کے پاس گئی تھی۔ رابہ کے کپڑے سنبھال دیتے تھے۔ ادنیٰ لینے لگی تھی تو اس نے رابہ کے لئے ایک رشتہ بتایا ہے۔ سوچ رہی ہوں میاں! اگر دیکھ لیا جائے تو کیا راج ہے۔؟“

اماں نے اپنی سوچ کا کبرا خوبصاحب کے ہاتھ تھوڑا کر پھر دو گلی دیر بعد بولے تھے۔

”خیر، کوئی نہیں ہے لیکن پہلے رابہ سے پوچھ لو۔“

”پوچھ لوں گی رابہ سے بھی، اور وہ بھی آخر تک منع کرے گی۔؟ سال۔؟ دو سال۔؟“

”ہاں۔۔۔ تو ابھی تو سال بھی نہیں ہوا۔“

خوبصاحب اُڑا بولے تھے۔

”آپ بھی حد کرتے ہیں میاں! یعنی جو کام ابھی ہو رہا ہے، اسے دو سال بعد چل دینا کہاں کی عقل مند ہے۔؟“

اماں قدر سے رنج ہوئی تھیں۔

”یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔؟“

خوبصاحب تانیدیں سر ہلانے لگی۔

”بس۔۔۔ تو پھر اللہ کا نام لے کر آپ پہلے لڑکے کے بارے میں جو چھان بین کرنی ہو کر لیں۔ پھر

بات اگے جا سکیں گے۔“

”ارے بھئی! مجھے کیا چاہا لڑکوں کے۔؟ کہاں رہتا ہے۔؟“

”بتاتی ہوں میاں!۔۔۔ اور ان نے فون نمبر ار پتہ لکھ کر دیا ہے، لاتی ہوں۔“

اماں اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر جاتے جاتے ڈک کر بولی تھیں۔

”اور ہاں!۔۔۔ جسے آپ لڑکا کہہ رہے ہیں، وہ وہ بچوں کا پاپ اور رنڈا ہے۔“

خوبصاحب انہیں دیکھنے نہ دئے۔ کچھ کہنے کا حوصلہ ہی نہیں ہوا کہ اپنی بیٹی بھی تو ایک بچہ کی ماں اور

بھتیجی۔ بھری بات کہ جراتِ مقدس میں لکھی ہوئی ہے، وہ ہو کر رہتی ہے۔ خوبصاحب نے اماں سے فون نمبر اور

اپنا نمبر لے کر اسی وقت پہلے فون کیا اور ملاقات طے کر کے گھر سے نکل آئے تھے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد خوبصاحب ایک عالی شان بیگنے کے سامنے شیش وچ میں کھڑے تھے۔

”یہ کون سا گھر میں جایا آرزو تھی، لیکن اس کے اجداد وہ اس حساب سے اس کی آؤ بھکت کر گئیں

گے۔؟“

یہ سوچ ان کے قدم روک رہی تھی تو وہاں پہنچنے کو ہی ول آواہ نہیں تھا۔ آخر ہست کے انہوں نے

ہالدار کے ذریعے اندر پتھام بھوڑا تو فوراً ہی ایک ملازم آکر انہیں اپنے ساتھ اندر لے گیا اور بیچ و خرید ڈرائنگ

روم میں چھوڑ کر جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ وہ دھندلے کھڑے تھے، جب لگ بھگ بیس سالہ شاندار

ہالدار کے ہاتھ شیراز احمد نے کمرے میں داخل ہو کر ”سلام“ کیا تھا۔

”السلام علیکم۔؟“

”علیکم السلام۔!“

خوبصاحب چونک کر اسے دیکھے گئے۔

”مجھے شیراز احمد کہتے ہیں۔“

شیراز احمد آگے آکر خوبصاحب سے مصافحہ کر کے بولے۔

”پلیز۔۔۔ آخر یہ دیکھیں۔“

”شکر ہے۔!“

خوبصاحب بیٹھے، لیکن وہ کچھ بھی بولنے سے قاصر تھے۔ شیراز احمد نے چند لمبے انتظار کیا، پھر خود

لا کہنے لگے۔

”دیکھیں خوبصاحب!۔۔۔ میں صاف بات کرنے کا عادی ہوں۔۔۔ نہیں کہ میں ابھی کچھ کہوں اور بعد

میں اپنی بات سے ٹکر جاؤں۔

”جی... جی ہاں... اب بھرتی ہے کہ ہم صاف بات کریں۔“

خوبہ صاحب نے ان کی تائید کی ورنہ وہ بالکل نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا صاف بات کرنا چاہ رہے ہیں۔

”جی... تو مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی بیٹی کے دو بچے۔“

شیراز نے اسی قدر کہا تھا کہ خوبہ صاحب بول کر رہے۔

”جی نہیں... میری بیٹی کا ایک بیٹا ہے، دو سال کا ہونے والا ہے۔“

”اور میرے دو بچے ہیں۔ بیٹا دو سال کا اور بیٹی ایک سال کی، اور میرے پاس آپ کے نو اسے کے لئے بھی بہت جگہ ہے، لیکن۔“

شیراز نے بات اچھوری چھوڑ دی۔ غالباً ان کے خیال میں خوبہ صاحب خود ہی سمجھ جائیں گے، لیکن وہ سوالیہ نشان بن کر رہ گئے تھے۔ ملازم چائے کے ساتھ دیگر لوازمات رکھ چلا گیا۔

جب شیراز کو یاد ہوا۔

”میں سمجھتا ہوں خوبہ صاحب...! کہ آپ کے نو اسے کے حق میں یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ وہ آپ کے پاس رہے۔“

”جی...؟“

خوبہ صاحب کا ”جی“ نہ سمجھنے والا تھا۔

”جی ہاں...! میں بہتر ہے۔ کیونکہ یہاں آکر وہ نہ صرف آپ کا دوسرا، بلکہ میرے بچے بھی ذیل مائٹڈ اور شاید پالیسی کا کار بھی ہو جائیں گے۔ کیونکہ نفرتی طور پر آپ کی بیٹی کا جھکاؤ اپنے بچے کی طرف ہوگا اور میرا اپنے بچوں کی طرف۔ یوں میرے بچے بچھے گئیں گے کہ آپ کی بیٹی ان کی ماں نہیں ہے، جبکہ میں یہ نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں، جو بھی لڑکی میری زندگی میں آئے، وہی میرے بچوں کی ماں کہلائے۔ میں اپنے بچوں کو سوچنے کا تصور ہی نہیں دینا چاہتا۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں ناں۔؟“

خوبہ صاحب ایک ٹک ڈنٹیں دیکھ کر ہمارے ساتھ اور سب کچھ سمجھ رہے تھے۔

”باقی آپ کے نو اسے کی تمام ذمہ داری...! آئی میں...! اطرا جات و غیرہ میں پورے کروں گا، اور آپ کی بیٹی کو اپنے سچے سے ملنے کی بھی پوری آزادی ہوگی۔“

شیراز نے اپنی بات ختم کر کے فیصل کی طرف اشارہ کیا۔

”چائے پیچھے پلیز۔“

خوبہ صاحب کی نظر میں شیراز سے ہٹ کر فیصل پر جائزہ لیں اور پھر کچھ سوچ کر ہی انہوں نے چائے کا

اپ اٹھا یا تھا۔

☆ ☆ ☆

اب خوبہ صاحب چپ چپے تھے اور اماں کے اندر کھلبلی مچی تھی۔ ہار بار ان کا چہرہ دکھ رہی تھیں۔ آخر صبر چر اب نہ گیا۔

”آپ بتائی ویں میاں...! کیا بات ہوئی...؟ لڑکا کیسا ہے۔؟“

”لڑکا تو اچھا ہے، ٹھیک۔! آج حال کھانگھا سمجھا ہوا، جیسے اپنا دایاں ہے۔ بلکہ اس سے کچھ زیادہ۔“

خوبہ صاحب ابھی بھی سوچے انداز میں بول رہے تھے، غالباً ان کا ذہن کچھ اور سوچ رہا تھا۔

”اچھا۔!۔“

اماں خوش ہو گئیں۔

”گھر میں اور کون کون ہے۔؟ ماں باپ، بہن بھائی کتنے ہیں۔؟“

”نہیں...! اور کوئی نہیں ہے۔“

خوبہ صاحب اب چونک کر پوری طرح تنہم کی طرف متوجہ ہو کر بتانے لگے۔

”ماں باپ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ ایک بڑی بہن ہے، وہی جودوزن کے پاس کپڑے سلوانے آتی

ہے، وہ بھی اپنے گھر بار والی ہے۔“

”تو اس کے بچے کون سنایا ہے۔؟“

اماں نے پوچھا تو خوبہ صاحب قدرے صبر بھلا گئے۔

”یہ سب میں نے نہیں پوچھا۔! بس! اتنی عورتوں میں ہوتی ہیں۔ مجھ سے تو شیراز نے صاف بات

لی۔“

”صاف بات۔؟“

اماں کے کونے پر خوبہ صاحب بیٹھا گئے۔ غالباً وہ صاف بات بتانا نہیں چاہتے تھے، بہ شکل بات بنا

”ہاں۔؟ میں کہہ دو اور ابہر کے بچے کی ساری ذمہ داریاں اٹھائے گا۔“

”یہ تو بہت اچھی بات ہے میاں۔؟“

اماں کے اطمینان پر خوبہ صاحب جڑ بڑھ کر بولے۔

”ہاں...! لیکن میں دیکھا نہیں چاہتا۔ میرا مطلب ہے، شوہلی اگر ہمارے پاس رہے تو زیادہ اچھا

ہے۔“

خوبصاحب اور اندیشی سیام لیتے ہوئے ساری بات خور پر کھڑکے کو سمجھانے لگے۔  
 "دیکھو! نکیم! وہاں شیراز کے بھی دو بچے ہیں۔ اگر راجہ شہنشاہ کو ساتھ لے گئی تو تباہ! ایک  
 ساتھ بیٹن بچوں کو کیسے سنبھالے گی؟ پھر بچوں میں ذرا سی جھگڑا ہوئی نہیں کہ میان بیوی ایک دوسرے کو اٹوا  
 دے گی۔ اس لئے میں نے شیراز سے کہہ دیا ہے کہ شوئی ہمارے پاس رہے گا۔"  
 "ہائیں؟؟؟ آپ نے خود ہی سب سوچ لیا۔؟؟ پچھلے راجہ سے تو بچہ نہیں، دو شوئی کو ہمارے پاس  
 چھوڑنے کی کوشش؟؟؟"

اماں قائل ہو رہی تھیں لیکن خوبصاحب کی آخری بات پر اچھل پڑیں۔

"راجہ سے پوچھنا نہیں، اسے سمجھانا ہے۔"

خوبصاحب زور دے کر کہنے لگے۔

"اور سمجھانا بھی کیا؟؟؟ اس سے کہہ دینا کہ ہم شوئی کے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

"اتھک رہے راجہ رضی ہو جائے۔ میں بات کرتی ہوں اس سے۔"

اماں کہتے ہوئے اٹھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

دو بے ساختہ بولی تھی۔

"تم کہاں جاؤ گی؟ میرا مطلب ہے، ہم ایسی حالت میں۔۔۔۔۔"

دانیال ٹپٹایا تھا۔

"کوئی بری حالت نہیں ہے میری! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ زبردستی مجھے تیار کرنے پر تلے

ہوئے ہیں۔"

اس نے کہا تو دھمکیاں بولا۔

"کیا بے وقوفوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔۔۔۔۔؟"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ اگر آپ کو میرا خیال ہے تو آپ بھی مت جائیں۔ کیوں مجھے ایسی حالت

میں چھوڑ کر رہے ہیں۔؟؟"

اس کے ناراضگی سے کہنے پر دو عاجزی پر اتر آیا۔

"کیسے! اور نہیں جا رہا ہوں۔! جس!۔۔۔۔۔! بچوں کو اس کریم دلا کر چاؤں گا، اور ہاں!۔۔۔۔۔! تم تباہ!۔۔۔۔۔!"

لون سی اس کریم کھاؤ گی۔۔۔۔۔؟"

"کوئی سی بھی نہیں!۔۔۔۔۔!"

دور دھمکی۔

"اور ہو!۔۔۔۔۔! تم تو بچوں کی طرح رو رہی ہو۔۔۔۔۔؟ اچھا!۔۔۔۔۔! میں تمہارا فیورٹ فلیور لے آؤں گا۔"

لو کے!۔۔۔۔۔!"

اسے منانے کے لئے نندا اتنا ہی کہہ کر دھتوری سے نکل گیا۔

"دانیال۔۔۔۔۔!"

دواس کے پیچھے دروازے تک آ کر ڈکھائی۔ لاؤنج میں رو اور لون کیساتھ حنا بھی تیار کڑی تھی۔ اس

نے حیرت اور رکھ سے دانیال کو ان کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا، پھر پلٹ کر دروازہ بند کر لیا۔ اب اسے ایک لمبا

بھن تھا۔ مسئلہ بل بل کر اس کی ناگھنیں ہو گئیں، لیکن اس نے سوچ لیا کہ دو آج دانیال سے حنا کی بابت

چھوچھو کر رہے گی کہ خود کیا چاہتی ہے۔۔۔۔۔؟

لیکن وقت گزرتا گیا، شام سے رات ہو گئی، اور آخر تک کر رہ سو گئی تھی۔ پتا نہیں دانیال کس وقت آیا

؟ صبح جب دو اٹھی تب بھی دانیال پہلے سے اٹھ چکا تھا اور آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے خاموشی

سے آئینے میں اسے دیکھا! اور منہ دھوئے کی غرض سے اٹھ کر واش روم کا رخ کیا۔ پھر جب کھلی تو اس وقت حنا

ہاتھ کی ٹرے سے آگئی، اور اس سے پہلے کہ وہ اسے آئینہ دیکھنے دے کہ کتنی حنا لے کر چلی گئی، لیکن

اس کے اندر غبار بھرا تھا اور دانیال کو سنا کر بولی تھی۔

حنا نے سمجھ نہیں پائی تھی کہ میرے میں کیا کچھڑی کب رہی ہے۔؟ حنا کیوں یہاں مستقل طور پر رہ جائے  
 ہوئی ہے۔۔۔۔۔؟ مزید ویڈیو لیری سے روزانہ میچ پر بخورنی جانے کے لئے دانیال کے ساتھ نکلتی تھی۔ اس کی سمجھ میں  
 نہیں آتا تھا کہ اگر دانیال اور حنا کے درمیان پہلے سے کوئی بات تھی تو پھر دانیال نے اس کے ساتھ شادی کیوں  
 کی۔۔۔۔۔؟ سمجھاؤ بڑے آرام سے اپنی بہن کو پورا پوری بات کر سکتی تھی۔ کیونکہ دانیال، سہارا کی بات نہیں کرتا تھا۔

جب پہلے نہیں تو پھر اب کیوں۔؟

اس وقت دو بیٹی سوچ رہی تھیں کہ دانیال بہت محنت میں کمرے میں داخل ہوا اور اسے اپنا سوت نکالنے کا  
 کہہ کر واش روم میں گھس گیا۔ دو بیٹی بھی انہیں کسی مشک میں جاتا ہوگا، جلدی سے اس کا سوت نکال دیا۔ پھر  
 جب وہ اسی محنت میں بالوں میں برش کر رہا تھا جب اس نے یوں یہ پوچھا۔

"کہاں جا رہے ہیں۔۔۔۔۔؟"

"ور۔۔۔۔۔"

دانیال نے پہلے برش رکھا، پھر اسے دیکھ کر بولا۔

"کوئی اور دلوٹے لینڈ جانے کی شدہ کر رہے ہیں۔"

"میں بھی چلوں گی۔"

”ذرا تھک رہی ہیں، دیکھا بھی نہیں تھا کسی کے کمرے میں جانے سے پہلے دسک دی جاتی ہے۔“

”ہیں۔۔۔؟“

دانیال اس کی طرف گھوم کر پوچھنے لگا۔

”یہ تم کس کے بارے میں کہہ رہی ہو؟“

”وہی جو ابھی مڑا غائے چلی آئی تھی۔“

اس کے سفر کے باوجود دانیال آرام سے یوں تھا۔

”کمال ہے۔۔۔ ایک تو وہ تمہارا خیال کر رہی ہے۔“

”بھرا نہیں۔۔۔ آپ کا۔“

دوسک کو فوراً پوچھی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟“

دانیال بجائے گھٹنے کے، گہر گیا تو وہ صبح مع فساد نہیں ڈالنا چاہتی تھی، جب ہی خود پر ضبط کرتے ہوئے بولی۔

”مجھے نہیں پتا۔۔۔! بس آپ بھائی سے کہہ دیں کہ وہ اپنی بہن کو اپنے تنک ہی صحر دور نہیں۔ میں اپنا کام خود کروں گی۔“

”تجربہ ابھی آرام کی ضرورت ہے، سمجھیں۔۔۔؟ اور تجہیں تو احسان مند ہونا چاہئے تھا کہ جو ہر ذمہ تکلیف میں بھائی آتی ہے۔ ہر گون کرتا ہے کسی کے لئے اتنا۔۔۔؟“

”میں تو میں کہہ رہی ہوں۔۔۔ مجھے کسی کا احسان نہیں چاہئے۔“

”داماغ خراب ہے تمہارا۔۔۔! شہری ہو تم۔۔۔! انا چور کو تال کو ڈانٹنے کے مصداق۔“

دانیال اسے سنا کر چاہ گیا۔ وہ کتنی دیر سنانے میں کھڑی رہ گئی تھی۔ مجرورہ اسی نصے میں سیرا سے بات کرنے جا رہی تھی کہ فون کی نل پہ بادل ٹخراست پلٹ کر فون اٹھایا تھا۔

”ہیلو۔۔۔“

”راہب بات کر رہی ہوں۔“

اوسر سے راہب نے کہا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔

”ہاں راہب۔۔۔! کسی ہو۔۔۔؟“

”تمہاری بے خبری پر ماتم کر رہی ہوں۔“

راہب نے کہا تو وہ سمجھی نہیں۔

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”مطلب یہ کہ ابھی میں نے دانیال کے ساتھ گاڑی میں سنا کوا جاتے ہوئے دیکھا ہے، اور یقیناً تمہیں لہر نہیں ہوگی۔۔۔؟“

راہب کی بات پر وہ چکر ماری، لیکن پھر فوراً سنبھل کر کھینے لگی۔

”اگر سے نہیں راہب۔۔۔! مجھے خبر کیوں نہیں ہوگی؟۔۔۔؟ میرے سامنے ہی تو لگے ہیں دونوں۔ اصل میں

نکل نہیں رہی تھی، اور ابھی اسے پورے دلی جانا تھا تو دانیال اسے چھوڑ دیں گے۔“

”دانیال کیوں؟۔۔۔؟ وہ کمال حسن کے ساتھ چلی جاتی۔۔۔؟“

راہب نے کہا پھر اسے سمجھانے لگی۔

”دیکھو۔۔۔! مرد پر اتنا بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ آئندہ ایسی فلسفی مت کرنا۔“

”اچھا!۔۔۔! نہیں کروں گی۔ یہ بتاؤ۔۔۔! تم ابھی کہاں ہو۔۔۔؟“

اس نے بات بدلی۔

”افس۔۔۔! میں نے آفس آئے ہوئے ہی ان دونوں کو دیکھا تھا۔ اور سنو۔۔۔! تم ابھی اماں کے پاس

جانک نہیں ہو۔۔۔؟“

راہب نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

”ابھی۔۔۔؟“

”وہ سو پڑے گی۔“

”ہاں ہار۔۔۔! چلی جاؤ۔۔۔! اور سمجھاؤ انہیں، دو دن سے میرا دماغ چاٹ رہی ہیں۔“

راہب نے کہا تو وہ بالکل بھی نہیں سمجھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟! انا کیوں تمہارا دماغ چاٹ رہی ہیں۔۔۔؟“

”جہیں نہیں بتایا انہوں نے۔۔۔؟! بتایا ہوگا۔۔۔؟“

راہب نے یقین سے کہا۔

”افس، سمجھتی۔۔۔! مجھے کچھ نہیں بتایا۔ ہو آ کیا ہے۔۔۔؟“

اس نے الجھ کر پوچھا۔

”کوئی فرق نہیں کیا ہے، افس، اور اب اٹھتے بیٹھتے مجھے دوسری شادی پر زور دیتی ہیں۔“

راہب نے جس قدر دسک کر کہا، وہ اسی قدر خوش ہو گئی۔

”ہائے۔۔۔! سچ تو بہت اچھی بات ہے راہب۔۔۔! تم منع کیوں کر رہی ہو۔۔۔؟“

”کیونکہ مجھے شادی نہیں کرنی۔“

راہب نے کہہ کر کٹاک سے فون بند کر دیا، اور وہ ہنسنے لگی۔ کچھ دیر پہلے کی ساری باتیں اس کے ذہن سے

”جی.....!“

”وہ اسی قدر کہہ سکی۔“

”تمہارا کیا خیال ہے؟ کہاں بات چلا گیا؟“

”میں کیا کہہ سکتی ہوں؟؟؟ جہاں آپ مناسب سمجھیں۔“

”نہیں! نہیں..... دیوں! دامن نہ بھاؤ۔ تم بھی اسی گھر میں رہتی ہو اور جہاں تمہارا ایک ہی دیوار ہے۔“

”یہی بھادج ہونے کے لئے کیا تمہارا فرض نہیں بننا کہ.....“

”وہ تو ٹھیک ہے! میں!.....! انہیں.....!“

”وہ ان کی بات کٹ کر پڑی۔“

”میں نے بھی کسی لڑکی کو اس نظر سے نہیں دیکھا، البتہ آپ کہہ رہی ہیں تو ضرور دیکھوں گی۔“

”پھر آپ کچھ خیال آیا تو کہنے لگی۔“

”اماں! لڑکیاں تو گھر میں موجود ہیں۔ آپ کی بہن کے ہاں اور بھائی کے گھر بھی۔ میں سمجھتی

ہوں کہ جب انہوں میں میں رہتے ہو جو در ہیں تو گھر فیروں میں جانے کی کیا ضرورت ہے.....؟“

”کتنی تو تم ٹھیک ہو! اور مجھے بھی خیال آیا تھا، لیکن.....“

”لیکن کیا.....؟“

”وہ زور پوچھنے لگی۔“

”سو جی ہوں، جب میری بیٹیوں کے لئے وہ نہیں آئے تو میں کیوں ان کی لڑکیوں کا خیال کروں.....؟“

”مالانکہ جب میری بیٹیاں بن جائیں، اس وقت میرا بھائی اور بہن دونوں ہی اپنے اپنے لڑکوں کے لئے لڑکیاں ڈھونڈ

رہے تھے تو کیا میری لڑکیاں محب وار میں جڑا ہوں؟ نظر انداز کریں.....؟“

”چھوڑیں! اماں!.....! اللہ جو کرتا ہے، بہتر کرتا ہے۔ آج آپ کی لڑکیاں ماشاء اللہ اپنے اپنے گھروں

میں خوش ہیں۔ ہو سکتا ہے خوار ماموں کے ہاں باقی ہو تم تو اب تو ابھی خوشیاں دہشتیں۔“

اس نے رمان سے سمجھانے کی کوشش کی۔

”آپ محض اس بات کو کہہ رہیں آئے تو ہم کیوں جائیں، انا کا مستحکم بنالیں۔ اگر ان لڑکیوں میں

ہے آپ کو کوئی پسند ہے تو اللہ کا نام لے کر رشتہ لے جائیں۔ ویسے جہاں میرا کیا کہتا ہے.....؟“

”وہ کیا کہے گا.....؟“

اماں کے لہجے میں مان کے ساتھ تھوڑا سا تلخ مسرت آیا جو بیٹیاں ان کا حق تھا۔ اولاد ٹھیک اور سعادت مند ہو

تو والدین فخر کیا کر رہے تھے۔

”اللہ کا شکر ہے! رہیں!.....! میری کسی اولاد نے بھی میری کسی بات سے اختلاف نہیں کیا۔ بیٹیاں بھی

نگل گئی تھیں اور اب وہ راجہ کے لئے آنے والے رشتے کی تفصیل جاننے کے لئے اماں کو چون کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

پھر اگلا دن اور اس کے بعد کتنے بہت سارے دن یوں گزرے کہ جہانزیب اس کے وجود، اس کی ذات سے یکسر بے خبر رہے گو کہ وہ اسی گھر میں موجود تھی، لیکن انہیں جیسے نظر نہیں آتی تھی۔ وہ بات کرتی تو بہرے میں جاتے، جواب طلب کرتی تو گم گئے۔

یہ صورت حال اس کے لئے خاصی تکلیف دہ تھی۔ ان کے کسی اندازے بھی ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اس کے لئے کس انداز سے سوچ رہے ہیں.....؟ اس کے ساتھ کمرے میں تھا ہوتے تو جب تک خود کوئی کام کر رہے ہوتے، اپنی ساری توجہ اسی کام کی طرف مبذول رکھتے اور کام ختم ہوتے ہی بے دیکھے بغیر کہہ دیا کر رہی ہے.....؟ لاش آف کر کے لیٹ جاتے اور وہ جہاں کھڑی ہوتی، جہاں بیٹھی ہوتی کتنی دیر تک وہیں کی وہیں رہ جاتی۔

کئی بار اس کا دل چاہتا، وہ انہیں بھونڈ کر آٹھا دے اور کہہ کر اسے آس و پاس کی اس کیفیت سے آزاد کر دیتا۔ لیکن ان کا گوشتے بہرے والا رویہ اسے اسے کہہ کہنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا اور اب تو اس کی قوت برداشت بالکل جواب دے رہی تھی۔ کیونکہ گھر کے کسی کو بھی نہ رکھا لٹو سامان بھی سمجھی کہا نظر میں آ جاتا ہے اور اس کی اہمیت اتنی بھی نہیں رہی تھی۔

اس روز جب وہ آفس کے لئے نکل رہے تھے وہ بہت جلد سے ان کے سامنے آ گئی۔

”میں اسی کے گھر جانا چاہتی ہوں۔“

”کوئی ضرورت نہیں!.....!“

”وہ سناٹ لہجے میں کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔“

”آخر کیوں.....؟“

ان کے پیچھے تقریباً بھاگتے ہوئے اس نے پوچھا، لیکن جواب عار و، بلکہ جیسے معلوم نہیں ہو کہ وہ پیچھے آدمی ہے۔ برآمدے کی حد پر دوڑ کر مٹی اور مٹی میں جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔ جب ان کی گاڑی گیٹ سے باہر نکل گئی تب پڑ مردہ قدموں سے واپس اندر کی طرف جا رہی تھی کہ اماں اپنے کمرے سے نکلیں اور اس پر نظر پڑی تو کہنے لگیں۔

”آؤ ڈالیں!.....! ایساں بیٹو! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“

”جی.....!“

وہ ان کے ساتھ تخت پر آ بیٹھی تو اماں کہنے لگیں۔

”میں یہ کہہ رہی ہوں کہ جہاں گیارہ ماشاء اللہ کمانے والا ہو گیا ہے، پھر اب اس کی شادی کا سوچیں۔“

ہماری رضا میں راضی رہیں اور جہانزیب کی طرح اب جھانگیر کا کہنا بھی یہی ہے کہ جہاں آپ مناسب سمجھیں کر رہیں۔"

"یقیناً آپ خوش قسمت ہیں، ورنہ آج کل لڑکے تو لڑکے لڑا کر ہیں۔"

اس وقت فون کی بیل بجی، جس سے اس کی بات ادھر ہی رہ گئی۔

"جاؤ دیکھو کس کا فون ہے۔"

اماں نے کہا تو دادا اٹھ کر لابی میں آ گئی۔

"ہیلو۔۔۔"

"کیسی ہو جانیہ۔۔۔"

دوسری طرف زوہیب کی آواز سن کر وہ پوری جان سے جب گئی اور محض اس خیال سے کہ کہیں اس کی آواز اماں نے سن لیں، خاموشی اختیار کر گئی۔

"سنو۔۔۔! بہت دنوں سے جہانزیب میری طرف نہیں آیا۔ وہ ٹھیک تو ہے ناں؟؟؟ تم نے اسے روکا ہے۔۔۔؟"

"میں نے روکا نہیں، بس تمہارا اصلی چہرہ دکھایا ہے۔"

وہ بمشکل آواز اور لہجے کو ڈال کر دیکھ کر اس کی طرف اسے جیسے کزنہ لگا تھا۔

"کیا۔۔۔؟ کیا کہہ رہی ہو۔۔۔؟ کیا بتایا ہے تم نے؟۔۔۔؟"

"وہی باتیں جو تم اسے مانتے کی مجھے دھمکیاں دیا کرتے تھے۔"

اس نے وہی انداز اپنایا جو کچھ عرصہ پہلے زوہیب کا تھا کہ خود مطمئن رو کر اسے ڈرلوں کی زد میں دھکیل دیتا تھا۔

"تم ایسا نہیں کر سکتیں۔"

"میں ایسا کر چکی ہوں۔"

اس نے اپنا اطمینان برقرار رکھا کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اب اسے جن مشکلات کا سامنا ہے، اس کی خبر

زوہیب کو ہو۔ جو بے آرام سے بولی۔

"میں نے پوری ایمانداری سے سچ سچ جہانزیب کو بتا دیا ہے کہ تم نے کس طرح مجھے فریب دیا۔۔۔؟ یہ

جاننے ہوئے کہ میں ان کی گتیر ہوں، یہ بھی کہ تم نے نہ صرف جہانزیب بن کر مجھے دھمکا دیا بلکہ اب اس حلق کو قائم

رکھنے کے لئے دھمکیاں بھی دیتے ہو۔"

"میں یقیناً نہیں کر سکتا کہ تم نے جہانزیب سے یہ سب کہا ہو۔"

وہ کمرور سمجھے میں بولا۔

"اور میں تمہیں یقین دلائے گی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔"

وہ ریسرور کھٹا چماتی تھی، اور وہ اس کا ارادہ بھانپ کر فوراً بولا۔

"سنو۔۔۔! فون بند مت کرنا۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"مجھے بتاؤ تم نے امی کے بے وفائی کیوں کی۔۔۔؟"

"تمہاری چالاکی سے بچنے کی خاطر۔۔۔!"

وہ فوراً بولی۔

"اس سے پہلے کہ تم اپنی طرف سے کوئی داستان بنا کر سارا الزام میرے سر رکھتے، میں نے بھی

مناسب سمجھا کہ خود ساری حقیقت بتا دوں۔"

"اور اب زرا اس بات کا رجسٹر بھی بتا دو، جو جہانزیب کی طرف سے ظاہر ہوا ہوگا۔"

"کس قدر کہینہ ہے۔"

اس نے سوچا اور یہ بھی کہ اسے بے شمار گالیوں سے توناز ہے، لیکن وہی بات کہ وہ کیا اسے خبر ہونے

وے کہ اگر اس کا بھی مقصد تھا تو اس کی کامیابی پر وہ مکمل ذمے گاہ اور وہ خود شکل میں بھر کر اب کم از کم اسے تماشائی

نہیں بنا سکتی تھی، جیسی خود پر جا بڑا کر بولی۔

"جہانزیب کو کٹھنوں اس بات کا ہے کہ جسے وہ دوست سمجھتے تھے وہ آستین کا سانپ نکلا۔"

"اور تمہارے بارے میں کیا کہتے ہیں۔۔۔؟"

"یہ جانتا تمہارے لئے ضرور دینی نہیں ہے، اور سنو۔۔۔! آئندہ اس نمبر پر رنگ مت کرنا۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا اور وہ بارہ آدھے منے آئی تو اماں وہاں موجود نہیں تھیں۔ وہ

سمجھ گئی کہ اماں کچن میں ہوں گی۔ وہ بھی ان کے پیچھے کچن میں دو گئی۔

"آپ بچے اماں۔۔۔! کھانا میں کچاؤں گی۔"

"ارے۔۔۔! تمہاری طبیعت۔۔۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں، اور زرا یاد رکھنا چاہئے سے ہی طبیعت خراب ہوتی ہے۔ کام میں لگوں گی تو اپنی

طرف سے دھیان بنے گا۔"

"یہ تو ہے۔۔۔! لیکن کوئی بھاری کام مت کرنا۔"

"یہاں کوئی بھاری کام نہیں ہے۔ بس۔۔۔! آپ مجھے کھانا پکانے دیں۔"

"اچھا۔۔۔!"

اماں نے تھمبھارڈا لٹے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا اور دوپٹے کے پلو کے ہاتھ پونچھتی ہوئی کچن سے

وہ اماں سے راجہ کے رشتے کی تفصیل سن کر خوش ہو گئی اور جو راجہ نے اس سے اماں کو باز رکھنے کو کہا تھا، تو اس کے برعکس اس نے جلدی کرنے کو کہا تو پھر سارا دن وہ اسی کچ پر سوچتی رہی تھی۔ شام میں روزانہ کی طرح میرا اس کے لئے جہاز لے کر آئی تو اس نے خوشی خفا لیا۔ اور صاف چہرہ کچھ دنوں سے اس کا جڑ پیٹنے کی بجائے دل نہیں چاہتا تھا۔ ایک تو طبیعت کچھ ایسی تھی مزید حد تک بے باکیوں نے پریشان کیا ہوا تھا۔

بہر حال اس وقت وہ ساری باتیں بھلا کر راجہ کے بارے میں سوچ کر خوش تھی اور انتظار کر رہی تھی کہ وانیال آئے گا تو اسے بھی بتائے گی اور پھر اسی وقت وانیال کے ساتھ اماں کے گھر جا کر وہ بھی راجہ کو سمجھائے گی۔

لیکن جانے کیا ہوا.....؟ اچانک اس پر فینڈ سوار ہو گئی۔ حالانکہ یہ سونے کا وقت نہیں تھا۔ کچھ دیر میں مغرب کی آذان ہونے والی تھی۔ اس نے سوچا، اٹھ کر وضو کرے، لیکن اتنی زور کا پکڑ آیا کہ نیچے پر سر رکھتے ہی دوسو گئی۔ ایسی بے خبری کی فینڈ کہ پتا ہی نہیں چلا وانیال کب آیا.....؟ کب گیا.....؟

پھر جب اس کی آنکھ کھلی، کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ خوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ رات ہے یا کوئی اور وقت.....؟ اس نے وانیال کے نیچے پر ہاتھ مارا وہ سو جوتیں تھا۔ تب اس نے اٹھ کر لائٹ جلائی۔ سراسیمہ بھی بھاری ہو رہا تھا۔ ہاتھوں سے ہال ٹھیک کرتے ہوئے وہ دھڑکے سے نکل کر بیٹنگ تک آتے ہی ٹھک کر ڈک گئی۔

نیچے لاؤنج میں وانیال اور حنائی کی دلی کے سامنے ایک ہی صوفے پر ساتھ ساتھ بیٹھے تھے اور ریڈیوٹ سنٹرول پر دونوں میں چھینا چھینی ہو رہی تھی۔ ایک بل میں اس کے دل پر قیامت گزر گئی تھی۔ ہشکل خود کو گھسیٹتی ہوئی وہ انہیں کمرے میں آئی اور جان بوجھ کر دروازہ دھاتی زور سے بند کیا تاکہ وانیال آواز سن سکے، اور واقعی دو آواز سن کر بھاگا آیا تھا۔

"میں آیا تھا، تم سوری تھیں۔"

وانیال نے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

"اور آپ نے بھول لیا کہ میں اب ہمیشہ سوتی رہوں گی.....؟ کبھی نہیں اٹھوں گی.....؟"

اس کے لہجے میں ہلا کی جھنک تھی۔

"بے کار باتیں مت کرو.....!"

وہ قہقہہ اچھلا یا تھا۔

"میری باتیں بے کار ہیں.....؟ اور جو آپ کرتے پھرتے ہیں، وہ کیا ہے.....؟"

وہ یک دم تیز ہو گئی۔

"کیا کرتا پھرتا ہوں میں.....؟ جتنا وقت گھر میں ہوتا ہوں، تمہارے ہی ساتھ گزارتا ہوں۔ ابھی تم سو

رہی تھی تو میں دپان کی دی ویٹھنے بیٹھ گیا۔"

وہ اٹھی ٹھٹھی ماننے کو تیار ہی نہیں تھا، جس پر دھڑکے لگی۔

"لی وی دیکھ رہے تھے حنا کے ساتھ.....؟"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو.....؟"

"دسی جو آپ ابھی طرح بکھر رہے ہیں۔"

وہ تیزی سے بولنے ہوئے یک دم بڑھ گئی۔

"وانیال..... اگر آپ کو تھانہ تھی تو پھر مجھے شادی کیوں کی.....؟ حنا سے ہی کر لیتے۔"

"ابھی ہو گئی ہو.....؟ ذرا سی بات کا پتھر بنانا تم عورتوں کی عادت ہوتی ہے۔"

وہ جھڑکیا۔

"ذرا سی بات.....؟"

وہ ڈھکے سے بولی۔

"یہ ذرا سی بات ہے، وانیال.....؟ سارا دن آپ حنا کے ساتھ تھے۔ چھوٹے کامت.....! مجھے سب پتا

ہے۔"

"چاہے تو میں کیا کروں.....؟"

دوا بڑھائی پر اتار آیا۔

"میں تیار ہی طرح احسان فراموش نہیں ہوں۔ حنا اگر تمہارا اور بھائی کا خیال کر رہی ہے تو ہمیں بھی اس

کا خیال کرنا چاہئے۔"

"کچھ زیادہ ہی خیال کر رہے ہیں آپ.....! اور مجھے یہ پسند نہیں ہے۔"

"پسند نہیں ہے تو بائیں ہاتھ اپنے باپ کے گھر.....!"

وہ کہہ کر تیزی سے نکل گیا تھا۔

"وانیال.....!"

دو سائے میں آگئی تھی۔

اماں گھوم پھر کر پھر دسی موضوع پر آگئی تھیں۔

"قسمت سے اچھا شغل رہا ہے راجہ.....! خدمت کرو چلا.....! اگر شیراز کی بہن نے ہماری طرف



سے مایوس ہو کر کوئی اور لڑکی دیکھ لی تو میں جی بکیتی ہوں کہ مجھے بہت تکلیف ہوگی۔"

"اماں.....!"

رابرٹ نے عاجز ہو کر اسی قدر کہا تھا کہ اماں نے اس کی غصہ کی چوڑی۔

"اماں جاؤ بیٹی.....! اسی میں میری اور تمہارے اماں کی خوشی ہے۔ ہماری زندگی میں اپنے گھر والی ہو جاؤ گی تو جین سے مرگ بھی نکس گئے۔"

"مریں آپ کے دشمن.....! شرنی کو کون دیکھے گا.....؟"

رابرٹ دھڑکیاں دھڑکیاں بول رہی تھی۔

"ارے.....! شرنی کے لئے تو ہم جی رہے ہیں، اور تم سن لو.....! شرنی ہمارے ہی پاس رہے گا۔

تمہارے اماں کی جان ہے اس میں۔"

اماں یوں یوں جیسے وہ ہادی بھر بھی ہوں۔ ان کا چہرہ بھی چمک رہا تھا۔ وہ نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"پھر میں تمہارے اماں سے کیا کہوں.....؟"

اماں نے قدرے ڈک کر پوچھا تو وہ جیسے ہار کر بولی تھی۔

"مجھے نہیں پتا اماں.....! تو آپ کا دل چاہے۔"

"خوش رہو.....!"

اماں کل اٹھیں، اور اسی وقت اٹھ کر اپنے کمرے میں آتے ہی خوبصورت صاحب سے بولی تھیں۔

"مبارک ہو میاں.....! رابرٹ نے رشتہ مندی دے دی ہے۔"

"اچھا.....! کیا کہا ہے اس نے.....؟"

خوبصورت صاحب نے اطمینان سے ہو کر پوچھا۔

"کیا کہی.....؟ یہی کہا ہے کہ جو آپ کا دل چاہے، اور میاں.....! میرا دل کہہ رہا ہے، یہی ٹھیک

"۔"

"ہاں.....! اللہ چاہے گا تو رابرٹ کے حق میں.....! جی ہو گا۔ پھر میں شیراز سے کہہ دوں.....؟"

خوبصورت صاحب نے پوچھا۔

"کہہ دیں، لیکن میاں.....! ہمارے پاس بیٹاری تو ہے نہیں.....؟"

اماں قدرے غور مند ہوئیں۔

"بیٹاری کیا کرنی ہے.....؟ سادگی سے نکاح کر کے زینت کرنا ہے رابرٹ کو۔"

خوبصورت صاحب نے اسے آرام سے کہا کہ اماں سچ کہیں۔

"نک..... کیا مطلب.....؟ ایسے خالی ہاتھ تو نہیں زینت کر دیں گے.....؟ میاں.....! کچھ تو دینا دے گا، کی۔"

"ہاں تو جتنی بھلائی ہوگی، دے دیں گے۔ ویسے شیراز بھی منع کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کہتے تو سب ہی ہیں۔ پھر بندش طے نہارتے ہیں۔"

اماں نے کہا کہ کمرہ بھونکے تو خوبصورت صاحب خاموش ہو رہے۔

"اچھا نہیں.....!"

اماں کو پھر کچھ یاد آیا۔

"آپ کے خیال میں شیراز کب تک نکاح کا کہے گا.....؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں.....؟ ہو سکتا ہے، اس بعد کا کہہ دے۔"

خوبصورت صاحب کے اطمینان پر اماں ہلکا سا ہنسنے لگی تھیں۔

☆.....☆.....☆

دورات پھر اپنے کمرے میں گیا ہی نہیں، وہیں لاؤنج میں صوفے پر سو گیا تھا۔ صبح میاں نے اسے دیکھا تو پوچھنے لگی، پھر اس کا کندھا ہلا کر بکارا۔

"ذرا نال.....! ذرا نال.....!"

"جی.....!"

اس نے کسمسا کر نگہیں کھول دیں۔

"یہ تم یہاں کیوں سو رہے ہو.....؟"

میاں نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"ہیں.....! بس وہ....."

وہ اسی قدر کہہ کر اٹھ گیا۔

"کیا میں وہ.....؟ کوئی بات ہوئی ہے.....؟ ہنسا ہوا ہے کانپے سے.....؟"

سیرا کھوجتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں بھائی.....! آپ کو پتا ہے، میں بھلا لادھیں ہوں۔ بس وہ کانپے....."

"ہاں ہاں.....! کیا کیا کانپے نے.....؟"

میاں کی بے تابی اس نے محسوس ہی نہیں کی۔

"ایسے ہی انٹی سیدھی باتیں کر رہی تھی۔"  
 "اچھا! چلو مہاں بیوی میں چھوٹی موٹی لڑائیاں ہو جاتی ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم یہاں آسو۔۔۔۔۔؟ چلو جاؤ کمرے میں۔"

یہاں لے کر آئی تھی کہانی کہ وہ درودھے انداز میں بھیا اٹھا کر اپنے کمرے میں آگیا اور ڈائیو کو سوتے دیکھ کر سمجھ گیا کہ رات دوسرے سوئی ہو گی اس لئے اس نے اسے اٹھایا نہیں اور جلدی جلدی آفس کے لئے تیار ہو کر شیشے کے انٹری کھل گیا تھا اور جب بات تھی اسے ڈر احساس نہیں تھا کہ رات اس نے ٹائیپ کے ساتھ کیا سلوک ردا رکھا تھا۔ اس کے برعکس وہ اس کی سوچ پر گورہ رہا تھا۔ گویا خود کو قہر میں سمجھتا ہوئے اس نے جلدی جلدی کی کہ ضروری فائلیں چیک کیں اور معمول سے بہت پہلے گھر لوٹا تو سیدھی صال اپنے کمرے میں جانے کی بجائے حنا کو تلاش کرتے ہوئے جگن میں جھانکا تو وہاں سہا کو مصروف دیکھ کر اندر آتے ہوئے بولا۔

"السلام علیکم مہادی۔"

"وعلیکم السلام۔"

سہا چلی گئی۔

"آج اتنی جلدی آگئے۔۔۔۔۔؟ ابھی تو کھانا بھی نہیں پکا۔"

"ہاں بس۔۔۔۔۔ اور یہ کھانا آپ کیوں پکارتی ہیں؟ میرا مطلب ہے، حنا کہاں ہے۔"

اس کے حواس پر حنا بھائی ہوئی تھی۔

"حنا تو صبح ہی گھر چلی گئی تھی۔"

سہا قصداً بے نیازی دکھاتے ہوئے سالن کی چابی میں ججج چلانے لگی۔

"سگ۔۔۔۔۔ کیوں؟"

اس کی بہن بانی محسوس کرنے کے باوجود سہا نے اپنی مصروفیت ترک نہیں کی، ہنوز چابی میں ججج چلاتے ہوئے کہنے لگی۔

"بھئی! اصاف بات ہے وانیال۔۔۔۔۔! براست ماننا تہماری بیوی کو حنا کا یہاں رہنا چھانیں لگنا۔"

"یہ۔۔۔۔۔ یہ آپ سے کس نے کہا۔۔۔۔۔؟"

اس نے فوراً پوچھا تو سہا کانڈھے اچکا کر بولی۔

"کسی نے نہیں۔۔۔۔۔! میں خود سوچتی ہوں اور حنا بھی واناں نہیں ہے۔ کہہ رہی تھی، میں نہیں چاہتی کہ میری بھج سے وانیال کا گھر ڈسٹرب ہو۔"

"پاکس ہے وہ جواہر سوچ لیا اس نے۔"

وہ کہہ کر ڈانٹیں، تیزی سے پلٹ کر سڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے کمرے میں آتے ہی ٹائیپ پر غرایا تھا۔

"خوش ہو گئی ہو تم۔۔۔۔۔؟ مقصد پورا ہو گیا ہے تمہارا۔۔۔۔۔؟"

"کیسا مقصد۔۔۔۔۔؟"

ٹائیپ بالکل نہیں سمجھی۔

"حنا چلی گئی، ابھی جا رہی تھی نا تم۔۔۔۔۔؟"

اس نے کہا تب ٹائیپ سگ لگی۔

"اوہ۔۔۔۔۔! تو آپ کو حنا کے جانے کا افسوس ہو رہا ہے۔۔۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔۔۔! ہو رہا ہے افسوس، اور زیادہ افسوس تم پر ہے۔ تمہارے جا بلانا تو بے نے بھائی کی نظروں میں ہماری پوزیشن کتنی کمزور کر دی ہے۔ کیا سوچتی ہوں گی وہ۔۔۔۔۔؟"

"وانیال۔۔۔۔۔!"

ٹائیپ نے ججج کرنا کا تھا۔

"آپ کو بھائی کی فکر ہے کہ وہ کیا سوچتی ہوں گی۔۔۔۔۔؟ مجھ پر کیا بیت رہی تھی، اس کا احساس نہیں ہے آپ کو۔۔۔۔۔؟"

"کیا بیت رہی تھی تم پر۔۔۔۔۔؟ جادو؟ زیادہ آرام طلبی نے تمہارے دماغ میں خناس بھر دیا ہے۔"

نوگات بھولی ہوئی تھی۔

"اپنی اوقات نہیں بھولی وانیال! آپ زیادہ اونچا اڑنے لگے ہیں۔"

ٹائیپ یہ جانے ہوئے بھی اس کے مقابل آگئی تھی۔

"میری پر دانا ہمیشہ سے اونچی تھی ٹائیپ سگ۔۔۔۔۔! اپنا نہیں کیسے میں اپنی سگ سے بچے کیا تھا۔۔۔۔۔؟"

وہ اس کے مقابل آنے پر دانت چیں کر بولا تھا۔

"کھتا چھ۔۔۔۔۔؟"

دوسرے سگ لگی۔

"میں بھی کوئی ایسی گری پڑی نہیں تھی وانیال جبکہ! آپ کو پالنے کے لئے میں نے اوچھے تھکھٹے استعمال نہیں کئے تھے۔"

"بس۔۔۔۔۔! ہند کر داپنی کھاس۔۔۔۔۔!"

وہ لا جواب ہو کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

بھر کتنے بہت سارے دن صرعت سے گزر گئے۔ جہاز بیک کار تو یہ ہنوز برقرار تھا اور اب تو گھر والے بھی

محسوس کرنے لگے تھے۔ اماں اس سے کہہ کر پوچھتیں کہ کیا ہوا ہے؟  
جہانزیب اتنا چپ چاپ اور الگ تھلک سا کیوں رہنے لگا ہے؟  
وہ کیا جواب دیتی؟

بس کام کی دنیا کی کاہانہ نہ کرو جی جی۔

لیکن اماں ڈاؤن نہیں تھیں۔ اس روز دونوں کو پاس بٹھا کر پوچھا کہ تم دونوں میں کس بات کی رنجش ہے؟ وہ کچھ نہیں بولے۔ اس کی طرف دیکھا کہ نہیں جب اسے کہتا ہوں۔

کوئی رنجش نہیں ہے اماں! کوئی جھگڑا نہیں جس کی وجہ سے اگر ہوتا تو آپ سے چھپا رہ سکتا تھا بھلا؟

جھگڑا تو میں نے نہیں دیکھا۔

اماں بڑسوچا اعداد میں کتنی ہوئی جہانزیب کی طرف متوجہ ہوئیں۔

پھر کیا بات ہے جو تم زیادہ وقت گھر سے باہر رہنے لگے ہو۔؟

میں۔۔۔؟

وہ غائب رہائی سے چرکتے۔

ہاں! امیں تم ہی سے پوچھ رہی ہوں۔

میں نے اسل میں ایک عربین بینک میں اپلائی کیا تھا وہاں میری جاب ہو چکی گئی ہے اور اب وہ لوگ مجھے جدہ بھیجا چاہتے ہیں۔ بس اسی سلسلے میں کچھ مصروف ہوں۔

انہوں نے بڑے آرام سے بتایا جبکہ وہ بے حد حیران ہو کر نہیں دیکھ رہی تھیں اور اماں ان کی سادگی کا سن کر بولیں۔

وہی تو یہ اچھی بات ہے چنا۔! پھر بھی میں کہوں گی کہ جب میں اللہ عزت کی روٹی دے رہا ہوں پھر باہر جانے کی کیا ضرورت ہے؟ تو نہیں کرو سہیں۔

نہیں اماں! امیری اپنی خواہش بھی ہے باہر جانے کی۔

لیکن چنا۔! ڈاکٹر کا بھی تو سوچو۔ یہ ایسا حالت میں ہے کہ۔۔۔

یہ میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کے پاس دیا چنے نیچے۔

انہوں نے ایک لمبے کے لئے بھی اسے سنبھرا دے نہیں نکالا۔ اگر صرف میں کہہ دیتی تو وہ خوش فہمی میں جتنا ہو جیتی تھی۔ اس نے انور رائیس دیکھا شاید اندازہ حال جان سکے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔

کس قدر دگر ہے ہیں۔

وہ سوچتی ہوئی ہاں سے اٹھ آئی۔ اس کے بعد اسے نہیں معلوم کہ اماں نے ان سے کیا کہا۔

تھک رہے گی کیا چاہئے نیچے۔

☆.....☆.....☆

اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ دتا کے مقابلے میں نرم نہیں پڑے گی خواہ وانیال اس کے ساتھ کتنا جھگڑے۔ وہ سیرا اور دتا کی وال نہیں کھلے گی۔ اس لئے وانیال کو وہ بد جواب دینے پر اسے کوئی افسوس نہیں تھا۔ البتہ یہ فکر گھر پر تھی کہ وہ کہاں چلا گیا ہے؟

وہ پھر سے شام ہو چکی تھی اور اس کا کہیں چائیں تھا۔ وہ سہارے پوچھ کر اپنی پانچویں کمر در نہیں کرنا چاہتی تھی، اس لئے اپنے کمرے میں ہی آہوں پر کان لگائے بیٹھی تھی کہ فون کی تیل پر ایک دم اچھلی تھی اور دوسری تیل سے پہلے ہی اس نے کارڈش اٹھا لیا تھا۔

"ہیلو۔۔۔"

"ہاں؟" "کیا حال ہے چنا۔؟"

دوسری طرف اماں تھیں۔

"جی اماں۔! میں ٹھیک ہوں۔ آپ سنا نہیں۔!"

اس نے سنبھل کر جواب دیا تو اماں کہنے لگیں۔

"اوہ! کاشکر ہے چنا۔! میں نے اس وقت جھپٹا لیا تھا کہ فون کیا ہے کہ پرسوں جدہ کو راجہ کا لگا ہے۔"

"جی اماں۔؟"

وہ اپنی ساری فکریں بھول گئی۔

"یہ تو خوشی کی بات ہے۔ وہیں میرا ذک کے ساتھ سب ملے ہو گیا۔"

"ہاں۔! اجہارے اٹھانے اپنا اصرار کیا کر لیا ہے اور وہ خوش بھی ہیں۔"

اماں نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

"اور آپ اماں؟ آپ خوش نہیں ہیں کیا۔؟"

"کیوں نہیں چنا۔؟ میں بھی خوش ہوں، بس دل ڈر رہا ہے۔"

"خدا بخو، وہ ہم دیکر ہیں اماں! اللہ بھتر کرے گا۔"

اس نے فوراً ٹوک کر کہا۔

"اٹھنا! اللہ! پھر تم وانیال کو بتا دو اور اگر ہو سکے تو آ جاؤ۔ راجہ کے جوڑے دغیرہ رکھتے ہیں۔ مجھے تو

پوچھ کر نہیں آ رہی۔"

"آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے ملاں!.....! میں سب کر دوں گی۔ وانیال آجائیں تو پھر میں اس کے ساتھ آجاؤں گی ٹھیک ہے۔۔۔۔۔!"

"اللہ حافظہ۔۔۔۔۔!"

اس نے وانیال کو آتے دیکھ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ بے اختیار اس کی طرف بڑھ کر بولی تھی۔

"وانیال!.....! ملاں کا لون تھا، جھد کر اج کا کچھ ہے۔"

"پھر۔۔۔۔۔؟"

وہ ایک لحظہ کو سالیہ نشان بناتا تھا، پھر فوراً سر جھٹک کر بولا۔

"میرا مطلب ہے، اچانک۔۔۔۔۔؟"

"ہاں!.....! اب اس اچانک ہی سب اگلے ہو گیا۔"

"اچھا!.....! حیرت ہے۔"

وانیال کے انداز میں حیرت سے زیادہ مقرر تھا۔

"حیرت کی کیا بات ہے۔۔۔۔۔؟ سادگی سے نکال کر ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

وہ مصلحتاً اس کا نظر انداز کر گئی۔

"ہاں!.....! دھوم دھڑکا تو پہلی شادی میں ہوتا ہے۔ خیر۔۔۔۔۔! اچھی بات ہے۔"

وہ کہتے ہوئے ہلکے کر شہ زائے نے لگا تھا کہ وہ اس کے پاس چلی آئی۔

"وانیال!.....! میں ابھی ملاں کے گھر جانا چاہتی ہوں۔ وہ بے چاری اس کی پریشان ہو رہی ہیں۔ اگر

آپ سمجھتے ہوئے نہیں ہیں تو۔۔۔۔۔!"

"نہیں!.....! کوئی ایسی شے نہیں ہے۔ چلو تمہیں چھوڑ آؤں۔"

وہ فوراً تیار ہو گیا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ بھی نہ جاتی، لیکن مجبوری تھی۔ اندری اندر کر رہتے ہوئے اس

نے بیک میں دو تین سوئچ کے پورے وقت اس کے ساتھ ملاں کے گھر آئی۔

وانیال اسے باہری سے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ وہ ملاں اب اسے مل کر کمرے میں آئی تو رابعہ کو گم سم دیکھ کر

ٹھٹھک گئی۔ پھر سست روی سے قریب آ کر پوچھنے لگی۔

"کسا سوچ رہی ہو رابعہ۔۔۔۔۔؟"

رابعہ نے چونک کر اسے دیکھا، پھر کچھ سیسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی۔

"سوچ رہی ہوں، زندگی کے نئے سسز کا تصور بہت خوب صورت ہوتا ہے، حقیقت اس سے زیادہ

ہیسا تک روپ میں سامنے آتی ہے۔ گوری آنکھوں میں جھنجھٹے والے خواب کیسے کبھی کبھی گر جاتے ہیں۔"

"رابعہ!.....!"

اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔

"میں اس تجربے سے گزر چکی ہوں ٹائیہ!.....! اس لئے چاہئے کہ باوجود شو کو پہلا نہیں پا رہی۔ چا

نہیں تم سب نے یہ کیسے سوچ لیا ہے کہ میں نے اپنے جسے کے دکھ کھیل لئے، اب آگے میرے ساتھ اچھا ہی اچھا

ہو گا۔ کچھ کچھ پیچھا نہیں چھوڑتے ٹائیہ!.....! کبھی نہیں!.....!"

رابعہ کا کرب اس کے دل میں اُتر رہا تھا۔

"میں تم سے اختلاف نہیں کروں گی رابعہ!.....! لیکن یہ بھی تو ج ہے کہ ہر رات کی صبح ضرور ہوتی ہے۔"

"اور یہ بھی سچ ہے کہ نصیب والے ہی سچ دیکھتے ہیں۔"

رابعہ نے آنسو اپنے اندر اُٹارتے ہوئے کہا تو دو سانس کھینچ کر بولی۔

"ہاں!.....! لیکن آس تو ہر دل میں ہوتی ہے۔ اب پلیز یہ مت کہہ دینا کہ تمہارا مسئلہ میں آس بھی نہیں

ہے۔"

اس نے کوشش سے لہجے میں شوشی سو کر رابعہ کو گلہ لایا تھا۔

☆.....☆.....☆

حنا نے قصداً پراکت بس کر دی تھی۔ اس کے بعد یوں جیسے کنوئیں کے انتظار میں کھڑی ہو۔ جبکہ

میں اس طرف تھا چدر سے وانیال آتا تھا۔ پھر دوسرے اس کی گاڑی دیکھ کر وہ مزید خود کو انجان ظاہر کرنے لگی

نہی۔ کچھ دیر بعد ہی اس کے قریب گاڑی کے بریک چر چر اے اور جب وانیال نے پکارا تو وہ چونک کر اسے

دیکھنے لگی۔

"آ جاؤ!.....!"

وانیال نے کہنے کے ساتھ ہاتھ سے اشارہ بھی کیا تو وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"نہیں!.....! میں چلی جاؤں گی۔"

"جاسے، جا سکتی ہو۔"

وہ کہتے ہوئے گاڑی سے اُتر آئی اور اس کی طرف سے دورہ اوڑھ کھول کر بولا۔

"خود بخود چلی جا۔۔۔۔۔!"

"نہیں!.....!"

وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر بیٹھ گئی تو وہ ہنستا ہوا ذرا متعجب پڑ گیا، پھر گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھنے

"میرا صبر ہو۔۔۔۔۔؟"

"آہا.....! آہا.....! جلدی سے ابھی ہی چائے لے آئیں۔"

"ہائیں۔۔۔؟"

سیما کچن سے برآمد ہوئی تھی۔

"یہ تم اس وقت کہاں سے آ رہی ہو.....؟"

"ہم۔۔۔! ابو خورشیدی جلدی سے آئے ہیں، آپ کے پاس آگئی۔"

وہ بیک ایک طرف پھینک کر خود سونے پر ڈھکی۔

"تمہارے سر سے ہیں۔"

"گھر میں اور کوئی نہیں ہے کیا؟"

اس نے سیما کی بات ان کی کر کے پوچھا۔

"اس وقت کون ہوتا ہے.....؟ ہاں، یہ ابھی سیکے گئی ہوئی ہے۔ آج اس کی بہن کا نکاح ہے ہاں۔"

سیما سنا تے ہوئے بیٹھ گئی تو دو انجان بن کر بولی۔

"اس کا مطلب ہے دنیا ہی وہیں ہوگا.....؟ سہلی کو زبردستی کر کے آئے گا۔"

"ہاں.....! ظاہر ہے ہم ابھی رکوگی.....؟ میرا مطلب ہے شام میں ٹائیپا جائے گی۔"

سیما نے اس خیال سے کہا کہ ٹائیپا کی موجودگی میں اسے نہیں آنا چاہیے۔

"ٹائیپا ابھی نہیں آئی آہا.....؟"

اس کے اطمینان پر سیما پوچھ گئی تھی۔

"جی نہیں کیسے چا.....؟"

"دانیال کہہ رہا تھا کہ ابھی ٹائیپا کو نہیں لانے گا۔"

اس نے ہونٹوں میں سرگراہت و ہار کہا تو سیما نے سمجھ کر اس کے بازو میں چٹکی لائی تھی۔

"اور کیا کہا دانیال نے.....؟"

"وہی جو میں چاہتی ہوں۔ کہہ رہا تھا وہ مجھے ہمیشہ ساتھ دیکھنا چاہتا ہے۔"

اس نے ٹھٹھک کر بتایا تو سیما خوش ہو گئی۔

"جی کہہ رہی ہو.....؟"

"ہاں.....! بالکل جی.....؟"

☆ ☆ ☆

"نہیں.....! میں کیوں ناراض ہوں گی.....؟"

"اس کا مطلب ہے ناراض ہو۔"

دو گھروں کوڑکرا سے دیکھنے لگا۔

"تم اسے ناراضگی سمجھو یا کچھ بھی، میں بہر حال نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے تمہارے اور چاہنے کے درمیان

رشتہ پیدا ہو۔"

"یہ بات پہلے سے سوچ چکی تھی۔"

"تمہاری وجہ سے کچھ نہیں ہوا تھا.....! اور اگر ہوا بھی تو تمہیں پروا نہیں کرنی چاہیے۔ میں تمہارے

ساتھ ہوں۔"

دانیال کی آخری بات نے اسے بے پناہ خوشی بخشی تھی، جسے ہمیشہ جہاں کر دے بولی تھی۔

"تم ہمیشہ تو میرا ساتھ نہیں دے سکتے۔"

"کیوں نہیں دے سکتا.....؟"

دو فوراً کہہ کر پوچھنے لگا۔

"تم بتاؤ، کیا تم ہمیشہ کا ساتھ چاہتی ہو.....؟"

"میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔"

اسے خود پر قابو پا کر مشکل ہو رہا تھا۔

"لیکن میں چاہتا ہوں۔"

دانیال نے کہا تو وہ ایک دم سے کیٹے گئی۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو دانیال.....؟ تمہاری بیوی ہے اور....."

"کچھ بھی ہونے والا ہے۔"

وہ اس کی بات اچانک کر پوچھنے لگا۔

"تمہیں اعتراض میرے بیوی سے ہے یا تم مجھے پسند ہی نہیں کرتیں.....؟"

"میں کسی صورت پر غم نہیں کر سکتی۔"

وہ بہت چالاک سے دانیال کو ٹھیک رہی تھی۔

"یہ تو غم نہیں ہوگا.....! میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں.....؟"

"اچھا.....! ابھی تو تم مجھے نہیں ڈرا پ کر دو دانیال، باتیں بھر رہی۔"

دو انجان اس موضوع سے کھڑا کر بولی تھیں اور جیسے ہی دانیال نے گاڑی روکی، وہ فوراً اتر گئی۔ پھر اس کے

جاتے ہی وہ رکشہ روک کر بیٹورنی جانے کی بجائے وہاں اس کے گھر آگئی اور لاؤنچ سے ہی چٹا کر بولی تھی۔

نور اہنا یکے کے کر آگئی۔

”اچھا ماں! میں چلتی ہوں۔“

”ہائیں! تم بھی جا رہی ہو۔۔۔؟“

اماں نے حیرت سے اسے دیکھا تو اس سے پہلے دانیال بول پڑا۔

”میرا خیال ہے مانیہ! انہیں ابھی نہیں رہنا چاہئے۔“

”ہاں بیٹا! اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو۔۔۔“

”اے میں نہیں آئی! میں تو خود کہہ رہا ہوں۔ آپ شوق سے بیٹے دن چاہیں غازیہ کو اپنے پاس

رکھیں۔“

اس نے کہتے ہوئے اپنی نظر مانیہ پر ڈالی تھی۔

”خوش رہو بیٹا۔۔۔!“

اماں ممنونیت سے بولیں تو پھر اس نے غازیہ کی طرف دیکھا ہی نہیں، جلدی سے خدا سافہ کر دیاں سے نکل آیا تھا۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ اس کی اس حرکت سے غازیہ کیا سوچے گی، یا شاید اب اسے پرواہ ہی نہیں تھی۔ جب ہی غازیہ سے جان چھڑا کر گھر آیا تو سیرا اسے اکلیے آتے دیکھ کر مکمل اپنی خوشی چھپا کر پھینے لگی۔

”ہائیں! تم غازیہ کو ساتھ نہیں لائے۔۔۔؟“

”وو۔۔۔ بھائی! اس کی اماں نے اسے رک کر لیا۔ اصل میں رابعہ کا کچھ بہت رورہ تھا۔ غازیہ اس کی وجہ سے بھی رگ گئی۔“

وو بڑے آرام سے برلی الزمرہ ہو گیا۔

”ہاں! رابعہ کے بچے کا تو بڑا مسئلہ ہو گا۔ رابعہ ساتھ کیوں نہیں لے گئی اپنے بچے کو۔۔۔؟“

سیرا کو نیا موضوع مل گیا۔ لیکن اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

”چنانچہ بھائی! مجھے ان کے معاملات میں کوئی اچھا نہیں لگتا۔“

”شیر! یہ تو اچھی بات ہے۔ مرووں کو دوسرے کی تو چھوڑو، اپنے گھر کی نوہم بھی نہیں رہنا

چاہئے۔“

سیرا نے کہا تو وہ ہنسنے ہوئے میز پر صباں چڑھا آیا اور اپنے کمرے میں آتے ہی کارڈ لیس اٹھا کر حنا کا نمبر ڈائل کرنا چاہتا تھا کہ ٹنگنا ہٹ کی آواز سن کر اس کی نظریں بے اختیار ریسر کی طرف اٹھیں۔

”حنا۔۔۔؟“

وہ خوش ہو گیا، اور کارڈ لیس رکھ کر بے پاؤں اس کے قریب جا کر سرگوشی میں بولا تھا۔

”تم کب آئیں۔۔۔؟“

”اُف!۔۔۔!“

حنا کو کراہی کی منتہی تھی، پھر بھی چونک کر دل پر ہاتھ رکھ لیا۔

”تم نے تو ڈرامی دیا۔ دیکھو میرا دل کتنی زورور سے دھڑکنے لگا ہے۔“

”واپسی۔۔۔؟“

وہ سرد تھا اس کے دل پر ہاتھ رکھ کر نیکے لگا تھا کہ حنا شرمنا کر بھاگ گئی۔ وہ اس کے پیچھے دیکھتا رہ گیا، پھر مجبور کرے میں ڈک کر نیچے آتا تو لاؤنگ میں حنا ہی آن کے بیٹھی تھی۔

”کیا دیکھ رہی ہو۔۔۔؟“

اس نے حنا کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ریموٹ کنٹرول لے کر ٹیبل پہنچ کر دیا۔

”کیا کر رہے ہو۔۔۔؟ میں ڈرامہ دیکھ رہی ہوں۔“

حنا نے ریموٹ کنٹرول لینا چاہا لیکن اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

”دانیال!۔۔۔! بیٹیز دو دن!۔۔۔!“

”لو۔۔۔!“

اس نے ریموٹ والا ہاتھ اوپر اٹھالیا تو حنا اس کے ہاتھ سے ریموٹ چھیننے کی کوشش میں تقریباً آدھی اس کے اوپر تھی اور اسی وقت کمال حسن آفس سے لوٹے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر نہ صرف ٹنگنا بلکہ ان کی بیٹی شانی پر ہمارائی کی کھیریں بھی اُبھرنی لگی تھیں۔

”بھیا۔۔۔؟“

دلچسپ گوشی میں حنا کو آکا دکر تے ہوئے دانیال گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن کمال حسن زکے نہیں، سیدھے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

”اوچھا۔۔۔؟“

دانیال نے گہری سانس لی تھی تو حنا انہماں بن کر پوچھنے لگی۔

”کیا ہو۔۔۔؟“

”کچھ نہیں!۔۔۔!“

وہ تھکا دھکا جھانسنے سے باز رہا اور اپنے کمرے میں جانا چاہتا تھا کہ سیرا نے کھانے کے لئے بلایا۔

”مجھے تو ابھی بھوک نہیں ہے۔“

حنا کہتے ہوئے بچوں کے کمرے میں چلی گئی اور بھوک تو اسے بھی نہیں تھی تھی، لیکن کمال حسن کی وجہ سے وہ اٹنگ روم میں آ گیا۔

کچھ دیر بعد کمال حسن پیچھے کر کے آئے تو وہ زیدہ و نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔ ان کا چہرہ بالکل سپاٹ

”شروع کر دانیال! ... کیا لو گے۔۔۔؟“  
 سیمانے بیٹھے ہوئے اس سے کہا تو وہ چونک کر بولا۔

”جی۔۔۔!“

”کہاں گم ہو۔۔۔؟“

سیمانے ہنس کر لڑکا۔

”جی۔۔۔! کہیں نہیں۔۔۔!“

وہ شیشہ کراچی پلٹ میں سامن نکالے لگے تو کمال حسن نے بظاہر سرسری انداز میں اسے مخاطب کر کے پوچھ دینا۔

”دانیال!۔۔۔! پانیہ کہاں ہے۔۔۔؟“

”پانیہ اپنے سینکڑی ہے، میں نے آپ کو بتایا تو تھا کہ اس کی بہن کا نکاح تھا۔“

سیمانے فوراً جیسے اسے مشکل سے نکال لیا تھا۔

”نکاح ہو گیا، پھر اب پانیہ وہاں کیا کر رہی ہے۔۔۔؟“

کمال حسن کا انداز جارحانہ تھا۔

”ارے۔۔۔! آپ تو۔۔۔!“

”تم چپ رہو، وہاں دانیال سے بات کر رہا ہوں۔“

کمال حسن بخفی سے سیمانہ کو لڑکے پر پھراس سے کہنے لگے۔

”دانیال!۔۔۔! امیری بوی نے تمہاری بہت ہڈتیں کر لیں، اب اپنی گھریلو ذمہ داریاں تم اپنی ماں پر

ڈالو۔ سمجھ رہے ہو ناں۔۔۔!“

”بی۔۔۔۔۔ جی۔۔۔!“

وہ ان کا مطلب سمجھ کر کچھ خائف ہو گیا تھا۔

”میں گھر میں کوئی بدعمرگی نہیں چاہتا۔“

کمال حسن اسے تنبیہ کرتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے تو سیمانے دیکھ کر بولی۔

”اُنہیں کیا ہوا ہے۔۔۔؟“

وہ کندھے اچکا کر رہ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

”آخر آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کرتے۔۔۔؟“

رات میں جب وہ سوئے کے لئے بیٹھ تو وہ ان کے سر پر کھڑی ہو کر پوچھنے لگی۔

”مجھے پریشان مت کرو۔“

انہوں نے کہا اور سر کے نیچے سے پتھر نکال کر منہ پر رکھ لیا۔

”میں واقعی آپ کو پریشان نہیں کروں گی اگر آپ مجھے اس اذیت سے نکال لیں، یا تو میرا قصور معاف

کر دیں، یا پھر۔۔۔“

”تم کیا چاہتی ہو، ابھی چلا جاؤں یہاں سے۔۔۔؟“

وہ اس کی بات پر ہنسی ہونے سے پہلے بول پڑے۔ سچے میں کاف جتنی جسے محسوس کر کے اس نے سوچا،

شاید اسی طرح غلطی میں آ کر ہی وہ اپنا خیال ظاہر کر دیں کہ اس کے بارے میں انہوں نے کیا سوچا اور کیا کرنے کا

ارادہ رکھتے ہیں۔۔۔؟

”اگر آپ مجھ سے نفرت کرنے لگے ہیں اور میرا وجود برداشت نہیں کر پار ہے تو مجھے جانے کی اجازت

دیں۔“

انہوں نے ہونٹ ہنچ لئے، جیسے اپنے آپ کو کچھ کہنے سے باز رکھا ہو۔

”میں طرح خاصوش مت رہیں۔ جہانزیب۔۔۔! پلیز۔۔۔!“

وہ منت سے بولی۔

”شکر کرو، میں خاموش ہوں، درحقیقت انٹھنے میں کیا دیر لگتی ہے۔۔۔؟“

انہوں نے کہا اور پھر اٹھ کر کمرے سے نکل گئے تب وہ دروازے پر یہ صورت حال اب واقعی اس کے

لئے ناقابل برداشت تھی۔ ہر لمبے پھر کا ”پتا نہیں کیا ہو۔۔۔؟“

گویا اس کی زندگی کا سارا اختیار مکمل طور پر ان کے ہاتھ میں تھا۔ پتا نہیں وہ واقعی کوئی فیصلہ نہیں کر پا

رہے تھے یا جان بوجھ کر اسے اس اذیت میں جٹکا کر رکھا تھا؟

اور اب تک تو وہ یہی سوچتی رہی تھی کہ وہ ان کے رحم و کرم پر ہے اور وہ مکمل ہا اختیار۔ لیکن اب اچانک

اس کا ذہن پلٹ گیا۔

”یہ سراسر زیادتی ہے۔“

وہ سوچنے لگی۔

”یہ سچ ہے کہ مجھ سے غلطی ہوئی، وہ بھی انجانے میں۔ لیکن میں اتنی قصور دار ہرگز نہیں کہ مجھے کوئی لمحہ کسٹری

کا احساس بخش کر میری ہستی کا غور ہی مجھیں لیا جائے۔ پھر میں نے تو آریا پار سوچ کر اعتراف کیا تھا۔ یہ درمیانی

راستہ تو گمان میں بھی نہیں تھا۔ جہانزیب اگر اپنا ظرف بڑا نہیں کر سکتے تو انہیں یہ حق بھی نہیں ہے کہ وہ اب حالات

پیدا کروں گی کہ میں، ہمیشہ ایک بھراؤنا احساس میں گھری رہوں۔"

"نہیں۔۔۔! میں نے فیصلے کی دوران کے ساتھ میں اس لئے تمہاری تھی کہ وہ غیر جانبداری سے سوجھیں گے لیکن وہ دایا نہیں کر سکتے اور اب اپنے بارے میں میں خود سوچوں گی اور خود فیصلہ کروں گی۔"

اس کے بعد نیند آنے تک وہ سترے سے گزشتہ حالات کو سوچتی رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

رابعہ سر جھکائے لیکن پوری توجہ سے شیراز کی باتیں سن رہی تھی، جو کہہ رہے تھے کہ انہوں نے اپنے بچوں سے یہ کہہ رکھا ہے کہ ان کی ماہریت جلد واپس آ جائیں گی۔ تا تو غیر بہت چھوٹی تھی، لیکن سنی اپنی ماما کا ہوتے تھا، اور آج انہوں نے سنی سے یہی کہا تھا کہ وہ اس کی ماما کیلئے ہمارے ہیں، جس کا مطلب تھا کہ اس معصوم بچے کو اپنی ماں یاد نہیں تھی۔ بہر حال وہ ان کی بات سمجھتی تھی۔ پھر شیراز اصرار سے بچوں کے کمرے میں لے آئے اور سنی کو پکار کر بولے۔

"سنی جینا۔۔۔! آپ کی ماما آتی ہیں۔"

سنی نے پہلے حیران ہو کر دیکھا، پھر ایک دم خوش ہو کر اپنی جگہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور دونوں بازو پھیلائے تو اس نے سب سے اصرار سے کہا کہ اس نے اپنی ماں کو ملنے لے لیا۔

"میں آگئی ہوں جینا۔۔۔! اب میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"اوکے جینا۔۔۔! آپ کی سہ ماہی کے ہوتے ہیں۔"

شیراز اصرار سے بول کر سنی کے گلے سے لٹکے تو وہ کچھ چونک کر ان کے پیچھے دیکھنے لگی۔

"آپ اسے بولیں کہ کہاں چلی گئی تھیں ماما۔۔۔؟"

سنی نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کا چہرہ اپنی طرف مڑ کر پوچھا تو وہ ذرا سا مسکرائی۔

"کتنے بولیں گے؟"

"اچھے بہت سارے بولیں گے۔"

"آپ مجھے یاد کرتے تھے۔۔۔؟"

وہ اس کا جواب گول کر گئی۔

"جی۔۔۔! اور ہا تو بہت دور تھی سے گندکی پٹی ہے۔"

سنی کے کنبے پر اسے ہما کا خیال آیا تو وہ اسے چھوڑ کر کمرے کے پاس آئی۔ سال بھر کی بچی منہ میں فیزر لے بے خبر سو رہی تھی۔ فیزر میں دودھ نہیں تھا۔ اس نے اصرار دہرایا دیکھا کہ کمرے میں کہیں تھرا س اور دودھ وغیرہ نہیں تھا تب وہ سنی سے پوچھنے لگی۔

"ہما کا دودھ کہاں ہے جینا۔۔۔؟"

"جانتی نہیں۔۔۔!"

سنی کی اگلی پر اس نے کچھ دوسرا پوچھا، پھر کہنے لگی۔

"جینا۔۔۔! آپ مجھے کچھ میں سے چلو۔ پہلے ہما کا فیزر بتائیں گے، پھر آپ کو بھی دودھ پینا ہے۔ اس کے بعد سوئیں گے۔"

"چلیں۔۔۔!"

سنی بید سے اُٹا تو دروازہ کراس کے پیچھے چلنے لگی۔ پھر اس کام سے فارغ ہو کر اس نے سنی کو شادی کی طرح دھیرے دھیرے تھپک کر سلا یا اور اس کے بعد اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے؟

شیراز احمد بڑے آرام سے اُسے بچوں کے پاس چھوڑ کر چلے گئے تھے اور جاتے ہوئے اس سے کچھ کہا بھی نہیں تھا کہ کوئی ذمہ داری سنا کر اس میں چھپا کوئی اشارہ، اگر ایسی کوئی بات ہوتی جب بھی وہ خود سے جا کر ان کے دروازے پر دستک نہیں دے سکتی تھی۔

ذیرو پاؤں کی مدد سے روشنی میں اس نے وال کال پر نظر ڈالی، وہاں ہرے تھے۔ جب وہ سنی کے ساتھ لیتا جا رہی تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر چونک کر اصرار دیکھنے لگی۔ شیراز احمد مسکراتے ہوئے اس کی طرف آ رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

"شکر ہے سب کام بخیر و خوبی پٹ گئے۔ اب تو میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم میاں بیوی کو کچ کرادے۔ بڑی آرزو ہے کہ ہم بے بندگیوں۔"

اماں ہنسی کاٹے ہوئے رابعہ کی شادی پر شکر کرتے ہوئے بولیں تو اس نے چونک کر انہیں دیکھا، پھر پوچھنے لگی۔

"اماں! انسان کو سارے کاموں کے بعد ہی کہہ دینا کیوں یاد آتا ہے؟ پہلے کیوں نہیں خیال آتا۔۔۔؟"

"خیال تو آتا ہے جینا۔ لیکن زیادتی جھیلنے اس خیال پر حاوی ہو جاتے ہیں۔"

اماں نے آہ بھر کر کہا کہ وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"ساتھ شیطان بھی حاوی ہو جاتا ہے اماں۔۔۔! ابھی تو جھیلنا سنی سے لکھنے میں آدمی سے زیادہ عمر گزر جاتی ہے۔"

"ہاں۔۔۔!"

اماں نے ہاں کو ہلکا سا کھینچا تب ہی رابعہ کی آواز آئی تھی۔



”السلام علیکم.....“

”اے!“

دو راجہ کو دیکھ کر خوشی کے اظہار کے ساتھ اٹھ کر اس سے پلٹ گئی۔

”کیسی ہو.....؟“

”اچھی ہوں۔“

راجہ مسکرائی، پھر اس سے الگ ہو کر اس کے گلے گلے کر پوچھنے لگی۔

”شوقی کہاں ہے اہاں.....؟ تنگ تو نہیں کہا اس نے آپ کو؟“

”اگر نہیں بیٹا.....! تنگ کیوں کر گے.....؟ ماشا اللہ آرام سے ہے۔“

اہاں نے کبہ کر راجہ کی پیشانی پر مہ لی۔

”اچھا.....! میں دیکھ لوں اپنے بچے کو۔“

راجہ بے قراری سے کمرے کی طرف بڑی توجہ بھی اس کے چہرے چلی آئی اور مشتاق سے دیکھنے لگی۔

راجہ نے سوتے ہوئے شوقی کو اٹھایا تھا اور اسے لگے لگاتے ہوئے خود بھی کھٹکھٹا رہی تھی۔

”ماشا، اللہ.....! اللہ نظر بد سے بچائے۔ سچ، میں تو تمہاری ایسی ہنسی کو ترس گئی تھی۔“

اس نے کہا تو راجہ جیسے گئی، پھر شوقی کو بٹھا کر پوچھنے لگی۔

”تم ابھی رہی ہو؟“

”ہاں نہیں.....!“

وہ اچانک آزدوگی میں گھر گئی۔

”کیا مطلب.....؟“

راجہ اس کی آزدوگی محسوس کر کے لنگھ گئی تھی۔

”کچھ نہیں.....!“

دو راجہ کو پریشان نہیں کرتا تھا تھی، جب ہی سر جھٹک کر زبردستی مسکرائی تو راجہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ نکھالیا۔

”تایہ.....! کوئی بات ہوئی ہے کیا.....؟ مجھ سے چھپا رہی ہو.....؟“

”اگر نہیں.....! تم سے کیوں چھپاؤں گی.....؟“

”پھر بتاؤ ناں کیا بات ہے.....؟“

راجہ کے جوت میرے صبر پر وہ ڈھکے گئی تھی۔

”میں بہت پریشان ہوں راجہ.....! پتا نہیں میری جھٹائی کا مقصد کیا ہے.....؟ وانیال کو انہوں نے مہا

نے کہا ہوا ہے کہ وہ ان کے خلاف کچھ منشا ہی نہیں چاہتے۔ جاؤ بات بھی نہیں۔ وہ جو کہہ رہی ہیں، اسی پر ایمان لے آتے ہیں۔“

”کیوں.....؟ میرا مطلب ہے، تم بہاری جھٹائی تمہارے ساتھ کسی ہیں.....؟“

راجہ نے کچھ نہ کہتے ہوئے پوچھا۔

”بھابھو بہتی ہیں، اسکی تو ان کی چالاکی ہے۔ یاں ظاہر کر رہی ہیں جیسے میری سب سے بڑی ہمدرد

اور بھی غمخوار رہی ہوں۔ جبکہ اندر ہی اندر چاہتے کیا کچھ بڑی کارہی ہیں.....؟“

وہ اپنے آپ میں اٹھتے ہوئے بول رہی تھی۔ راجہ بھی اٹھ گئی۔

”میں تمہاری بات نہیں سمجھ رہی، مکمل کر بتاؤ، اصل معاملہ کیا ہے.....؟“

”مسل معاملہ.....؟“

وہ شش دہش میں راجہ کو دیکھنے لگی۔

”بتاؤ تایہ.....!“

راجہ نے اس کا ہاتھ پکڑا تو اس کے سینے سے گہری سانس خارج ہو گئی۔ پھر پہلے اہل نے راجہ سے اماں

کو نہ بتانے کا وعدہ لیا، اس کے بعد کہنے لگی۔

”معاذ ہے کہ جب سے میں پر کلیف ہوئی ہوں، میری جھٹائی نے یہ کہہ کر کہ مجھے آرام کی ضرورت

ہے، مجھے میرے کمرے تک محدود کر دیا اور کام کے بہانے سے اپنی سکن حنا کو بلایا ہے جو وقت بے وقت میرے

کمرے میں خصوصاً وانیال کی موجودگی میں کسی چلی آتی ہے۔“

”تم نے وانیال سے کہا نہیں.....؟“

راجہ نے بے صبری سے پوچھا تھا۔

”کہا ہے، بلکہ میری وانیال سے لڑائی بھی ہو چکی ہے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ میں اپنا کام خود کر سکتی ہوں،

لیکن انہوں نے انکا مجھے ڈانٹ دیا۔“

”اور اس رد و جواب میں تم نے کہا تھا ناں کہ وانیال اور حنا شاہلک مال پر نظر آئے تھے.....؟“

راجہ کو نوٹ لایا وہ سمجھا تھا۔

”ہاں.....! میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا کہ میں نے ہی حنا کو بھیجا تھا، جبکہ میرے علم میں ہی نہیں تھا۔“

کی ذہیہ ہے کہ جب تم نے بتاؤ میں پکڑا گئی تھی۔“

”آف.....! تم نے مجھے بھی پکڑا دیا۔“

راجہ نے اپنے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر سر جھکا، پھر تاسف سے کہنے لگی۔

”مجھے تمہاری جھٹائی کے ارادے خطرناک لگ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے، ان کا ارادہ وانیال کی شادی

حتا سے کرنے کا تھا، لیکن شاید اس وقت دانیال نہیں مانا ہوگا۔  
 "لیکن رابعہ.....! تو دانیال کی شادی ہو چکی ہے۔"  
 دو ماہ جز ہو کر بولی تھی۔  
 "حتا کی تو نہیں ہوئی۔"  
 رابعہ کے لیے میں جانے لیا تھا، دو بہن کی تھی۔

☆ ☆ ☆

یہ مسلسل کمال حسن کی باتوں میں الجھ رہی تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک انہیں کیا ہو گیا ہے..... وہ وہ ہمیشہ مگر بیوساطات سے خود کو زور دے سکتے تھے، انہیں شاید کچھ میں دنیا کیوں کل رہا تھا.....؟ وہ یہ حتمی سلجھانے میں اتنی کس تھی کہ حتا کی پکار سنائی ہی نہیں دی۔ جب حتا نے اس کے قریب پہنچ کر اس کے کندھے پر ہاتھ مارا تو وہ اچھل کر اسے گھورنے لگی۔

"آہ! آپ..... آپ کسی کا قصہ مجھ پر مت لگائے بیٹھے جانیے گا۔"

حتا نے کہا تو دوسرے بھٹک کر رو گئی۔

"ویسے آپ.....! ہو ا کہا ہے.....؟"

حتا نے پھر پوچھا تو وہ ٹپٹی میں سر ہلا کر کہنے لگی۔

"مجھے خود نہیں پتا کیا ہوا ہے۔؟ رات تمہارے ذہن بھائی پتا نہیں کس بات پر بکڑے ہوئے تھے۔

دانیال سے بھی عجیب لہجے میں بات کر رہے تھے۔

"کیا.....؟ کیا کہہ رہے تھے دانیال سے.....؟"

حتا نظر میں چائے ہوئے ہی پوچھ گئی۔

"میری کہانی سیکھ کیوں ہے.....؟ اب تم اپنی ذمہ داری دانیہ پر ڈالو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا، انہیں

دانیہ کا سیکھنا سیکھنا کیوں کل رہا ہے.....؟"

سہما کمال حسن کی نفل آتا رہتے ہوئے بتا رہی تھی کہ حتا بول پڑی۔

"ذہن بھائی کو شاید کچھ مانا نہیں کھل، ہا آ.....! بلکہ میرا یہاں رہنا کل رہا ہے۔"

"تمہارا.....؟"

سہما حیرت اور تانجی میں سے دیکھنے لگی تھی۔

"جی.....! اصل میں رات میں اور دانیال یہاں بیٹھنے دی دیکھ رہے تھے....."

حتا نے دانیال کو تے دیکھ کر بات ادھوری چھوڑ دی تو سہما بھی سنبھل کر دانیال سے مخاطب ہو گئی۔

"خیرت.....؟ تم اتنی جلدی کیسے آگئے.....؟"

"بس.....! دو..... سر میں رو دھتا۔ چلیز۔! ایک کپ چائے بھجوا دیں۔"

دانیال کہتے ہوئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"میں بتائی ہوں چائے۔"

حتا فوراً ذخیرہ کر بچن کی طرف بھاگی تھی اور پانچ منٹ میں چائے لے کر دانیال کے پیچھے چلی گئی تو سہما

نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"یہ لڑکی بھانپنا کھیل بکاڑو ہے گی۔ ذرا مصل ہے اس میں، کچھ دن سر نہیں کر سکتی۔"  
 سہما بڑھاتے ہوئے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی کہ دانیہ کو تے دیکھ کر لنگ کر ڈک گئی۔

"السلام علیکم بھائی.....!"

دانیہ نے سلام کیا تو وہ مشکل خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"ارے دانیہ.....! تم کیسے آئیں.....؟ میرا مطلب ہے، کس کے ساتھ آئی ہو.....؟"

"بھائی.....! وہ رابعہ چھوڑ گئی ہے۔"

دانیہ زبردستی مسکرائی تھی۔

"اچھا.....! ہاں۔ رابعہ..... کسی ہے رابعہ.....؟ خوش تو ہے ہاں.....؟"

سہما اس کی بے وقت آمد پر ہلکا سی تھی۔

"جی.....؟"

"ہے کہاں رابعہ.....؟ کمال ہے، تم نے اسے باہر ہی کھڑا رکھا ہے۔ جاؤ اندر لے کر آؤ۔ میں بھی مل

نوں اس سے۔"

وہ حتا کو خبردار کرنے کے لئے کسی طرح دانیہ کو دھڑا کر مانتا ہی نہیں۔

"بھائی.....! او مصل میں رابعہ جلدی میں تھی۔"

"ہائیں.....؟ باہری باہر سے چلی گئی.....؟ تو اچھی بات نہیں ہے۔ تم نے جان کیوں دیا اسے.....؟

اچھا آؤ میرے کمرے میں، جہیں اپنی شاہک دکھاؤں، ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو آئی ہوں میں مارکیٹ سے۔ تمہارے

لے بھی دھوٹ لائی ہوں آؤ۔"

"جی.....! آپ چلیں میں۔ جبکہ رکھ کر آئی ہوں۔"

دانیہ بولتے سے کہتے ہوئے ہوئے بیڑھیاں چڑھنے لگی تو اسے سہما کی بڑبڑاہٹ سنائی دی، لیکن اس

نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ لیکن اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ سنائے میں آگئی تھی۔ حتا اور دانیال بیڈ پر بیٹھے

خانہ کھیل رہے تھے۔

"دانیال..... ایسے..... یار لڑکی....."  
مارے ٹھسے کھاس سے بولنا ہی نہیں گیا۔

"تم.....؟"  
دانیال ایک دم آنکھ کھڑا ہوا تو حنا نے بھی اس کی تھید کی۔

"غلط وقت پر آگئی ہوں شاید میں۔"  
وہ ڈکھ سے بولی، پھر حنا کے مقابل آن کھڑی ہوئی تھی۔

"جہیں میرے کمرے میں آنے کی ہمت کیسے ہوئی، وہ بھی میری غیر موجودگی میں.....؟"

اس کا بس نہیں چل رہا تھا حنا کا منہ تو بج لے۔

"دانیال.....!"  
حنا نے مدد کے لئے دانیال کو پکارا تو وہ اس پر بگڑنے لگا۔

"ٹانیہ.....! تمیز سے بات کرو۔ حنا کو کمرے میں، میں نے بلا تھا۔"

"کیوں.....؟ کیوں بلایا تھا آپ نے اسے اس کمرے میں.....؟ کیا لگتی ہے یہ آپ کی.....؟"

وہ تیزی سے دانیال کی طرف کھڑکی تھی تو وہ قدرے پوچھا کہ حنا کو دیکھنے لگا۔

"کیا سننا چاہتی ہو تم.....؟ میں بتاتی ہوں کہ میں دانیال کی کیا لگتی ہوں.....؟ میں اور دانیال اچھے دوست ہیں اور میں.....!"

حنا نے چاچا کر کہا اور پھر لڑکی نہیں، تیزی سے کمرے سے نکل گئی تو دانیال نے اس کی طرف سے منہ موڑ لیا۔

"منہ کیوں موڑ رہے ہیں دانیال.....؟ میری طرف دیکھیں۔"

اس نے دانیال کا بازو دیکھا پھر ڈکھ سے بولی تھی۔

"میری محبت میں کیا کمی ہے جو آپ اپنی وفا داریاں بدل رہے ہیں.....؟ ہاں نہیں دانیال.....! میں نے تو اپنا سب کچھ آپ کو مان لیا تھا، پھر آپ مجھ سے دامن کیوں چھڑا رہے ہیں.....؟"

"یہ شخص تمہارا دوسرا دم ہے اور نہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔"

دانیال کا لہجہ کمزور تھا۔

"میرا دوسرا دم ہے، جو کچھ میں دیکھ رہی ہوں، وہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ آپ صرف مجھے نہیں، خود کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں دانیال.....! جس راستے پر آپ چل رہے ہیں، وہ آپ کو پتا نہیں کہاں لے جائے گا.....؟"

"پلیز ٹانیہ.....!"

وہ ہاتھ اٹھا کر بولا تھا۔

"منہ خود کو بھگان کر دو، جو تم سمجھ رہی ہو، ویسا کچھ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے.....! مان لوں گی کہ میں غلط سمجھ رہی ہوں، مگر آپ حنا کا اس گھر میں داخلہ بند کر دیں۔"

"شٹ آپ.....!"

دانیال کو کوئی جواب نہیں سوجھا تو اسے خاموش کر کے کمرے سے نکل گیا تھا۔ دو کتنی دیر اس کے پیچھے

بہت سی، پھر بند پر گرتے ہی اس کے آنسو روانی سے جھلک گئے۔ ایک تو ایسی حالت میں تھی، اس پر شدت گرے

لے اسے بالکل بے حال کر دیا تھا۔ شام میں نیچے آئی تو کمال حنا سے دیکھتے ہی قشوریل کا اظہار کرنے لگے۔

"کیا ہوا ہے ٹانیہ.....؟ تم آتی ہو اور میری ہو.....؟"

"کھاتی جیتی جوتیں ہے۔"

سیا فوراً بولی تھی۔

"یہ تو ٹھیک نہیں ہے.....! تم خیال نہیں کرتے.....؟ چاؤ چیک آپ کرنا اس کا۔ ڈاکٹر سے

میرا جواب کیوں نہیں لگتی ہے اسے.....؟"

انہوں نے دانیال کو کشیدی اعدا میں مخاطب کر کے کہا تو سیا پھر بول پڑی۔

"ہاں.....! میں بھی تو یہی کہتی ہوں، ڈاکٹر سے اس کی ڈانٹ کے بارے میں ضرور پوچھ لیا کرو۔ کافی

کمزور ہو گئی ہے۔"

"جی.....!"

دانیال ہڑبڑھو کر اس کی قدر نہ کر سکا۔

"کیا کمی.....؟ ابھی لے کر جاؤ اسے ڈاکٹر کے پاس، اور.....!"

کمال حسن کی بات چوری ہونے سے پہلے وہ آنکھ کھڑا ہوا اور اسے دیکھ کر بولا۔

"پلو.....!"

"جاؤ ٹانیہ.....! جہیں خود بھی اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہئے۔"

کمال حسن نے اسے تیزی سے ٹوکا تو وہ سامرا ہلا کر دانیال کے ساتھ چل پڑی۔ تمام راستہ وہ زود تھا

دہا تو اس نے بھی بات نہیں کی۔

اور پھر کتنے دن گزار گئے۔ دانیال کا منہ ٹھیک نہیں ہوا۔ وہ بات کرتی تو جواب دیتا اور خود سے نہیں بولتا

تھا۔ وہ پریشان ضرور تھی، لیکن یہ مہینا ان بھی تھا کہ اس دن کے بعد سے حنا نہیں آئی تھی، جس سے وہ یہ سمجھنے لگی تھی کہ

اس کے سنبھ پر ہی دانیال نے حنا کا اس گھر میں داخلہ بند کر دیا ہے، اور یہ اس کی خوش فہمی تھی۔

اس وقت وہ لاؤنج میں آتش سے کورڈ پیسج کر رہی تھی کہ فون کی بیل بجنے لگی۔ سیا جگن میں تھی، اس نے

نفس نہ کر کہ فون اٹھا لیا۔

”ہیلو.....!“

”تم مجھے اپنے کمرے سے نکال سکتی ہو اس گھر سے نکال سکتی ہو، لیکن دانیال کے دل سے نہیں نکال

سکتیں۔“

”اھر اس کی آواز سننے ہی کو کیا تود وہ بلا ارادہ بولی تھی۔“

”کون.....؟“

”دانیال کی پہلی اور آخری چاہت.....!“

”ہاں.....؟“

اس کی زبان بے ساختہ پھسل گئی۔ اھر جانا ٹھکھٹا کر ڈنسی پھر جتنا کر بولی تھی۔

”مجھے پہچاننے کا مطلب جانتی ہو، یعنی تم تسلیم کر رہی ہو کہ دانیال کی پہلی اور آخری چاہت میں ہی

ہوں۔“

اس نے ایک دم ڈون ڈن دیا، پھر ہنسی تو سہا کو کھڑے کر دیکھ کر انہاں ہی بن گئی۔

”کس کا فون تھا.....؟“

”سہا کھوتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔“

”آپ کی بہن کا۔“

اس نے سر سرکی تاپا، لیکن جیسے جیسے پوچھا گواہی نہیں دیتی تھی۔

”پھر فون بند کیوں کر دیا.....؟“

”سہا نے پوچھا تود وہ فوراً بولی تھی۔“

”اس کی زبان کو گام دینے کے لئے۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا.....؟“

”سہا میز بٹوٹی کو دھکی دیا پھر آؤ بیٹ رکھ سکی۔“

”اپنی بہن سے پوچھیں، بہت شوق ہے اسے میرے اور دانیال کے درمیان آنے کا۔“

”کیا کبواس کر رہی ہو.....؟ شرم نہیں آتی میری بہن پر انعام لگاتے ہوئے.....؟“

”سہا آؤت ہوگئی۔“

”میں انہیں نہیں لگا رہی، سچ کہہ رہی ہوں۔ آپ بھی جانتی ہیں، سب دیکھ رہی ہیں آپ، اور بچائے

اپنی بہن کو بھگانے کے مجھے پرنا مرض ہو رہی ہیں.....؟ آخر کیوں.....؟“

”دوسرا ایڈیشن، ان کی۔“

”کیونکہ تم غلط بات کر رہی ہو۔“

”غلط میں نہیں، آپ ہیں۔“

اس کے ہر اسے جواب دیتے پر سہا تھلا کر جھنجھی تھی۔

”تانیہ.....! اپنی حد میں رہو۔“

”میں اپنی حد میں ہی ہوں۔ اپنی سب کو بھی اپنی حد میں رہتا چاہئے۔“

”وہ کہہ کر تیزی سے بیڑیاں چڑھ گئی تھی۔ سہا تکی دیر دانت قہقہہ رسی، پھر کچھ سوچ کر دانیال کو تلس

فون کر ڈالا۔“

”ہیلو.....!“

دانیال نے تیسری تلس پر فون اٹھایا تود دانا بھرا کر اسی قدر بولی تھی۔

”دانیال.....!“

”کون.....؟“

”دو دانیال پہنچا نہیں تھا۔“

”دانیال.....؟ میں بات کر رہی ہوں، تمہاری بھائی۔“

اس نے مزید تاک سے یوں شوشوں کی آواز نکالی جیسے رورہی ہو، اور ادھر وہ پریشان ہو گیا۔

”بھائی.....! کیا ہوا ہے بھائی.....؟ آپ رو کیوں رہی ہیں.....؟ بتائیں ناں بھائی.....! سب خیریت

تو ہے ناں.....؟“

”ہاں.....! خیریت ہی ہے۔“

”دو دانیال.....؟“

”پھر آپ رو کیوں رہی ہیں.....؟“

”ہیں..... وہ.....“

”وہ شاعر ہو رہی تھی۔“

”دیکھو.....! میں تم سے شکایت نہیں کر رہی، بس تم ناں کو آرام سے سمجھا دینا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”وہ کیا کہت۔“

”بس.....! دو ابھی تانیہ نے مجھ سے بہت بد تمیزی کی ہے اور جتنا پوچھی اٹھنے کدے کے گندے الزام لگائے

ہیں۔ مجھے اگر ناں دیکھی ڈانٹتے کا ہوتا تو میں کبھی اپنی بہن کو گھر نہ دلاتی۔“

”دو غلطی سے بول رہی تھی۔“

”جتنا کوچا چل گیا تو اس کے دل پر کیا گز رہے گی.....؟“

"ارے نہیں بھابی!"

وہ فوراً بول اٹھا۔

"آپ پلیز سنا سے کچھ مت کہئے گا۔ میں شاید کچھ یادوں کا۔"

"ہاں۔۔۔۔۔! دیکھو آرام سے سمجھاؤ، جھگڑا مت کرو اس سے۔ سمجھ رہے ہو یاں؟"

"جی۔۔۔۔۔!"

"اچھا۔۔۔۔۔!"

سیما فون رکھ کر مسکرائی تھی۔

☆.....☆.....☆

"جہانزیب!۔۔۔۔۔! میں آج آپ کے گھر جاؤں گی۔"

صبح ناشتے کی پہلے ہی سب کی موجودگی میں اس نے انہیں مخاطب کر کے کہا تو بس ایک لمبے کوان کا ہاتھ دبا تھا، لیکن پھر فوراً وہ اسی طرح مصروف ہو گئے اور وہ ان کی لاطعلی کی پر راہ نہ کرتے ہوئے دوبارہ ہو گیا ہوئی۔

"بہت دن ہو گئے ہیں مجھے ہوئے۔ آپ اسی وقت مجھے ساتھ لے کر جائیں گے یا۔۔۔۔۔"

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

انہوں نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے غلٹ کا مظاہرہ کیا۔

"میرا خیال ہے، امی کا گھر آپ کے راستے میں پڑتا ہے۔"

اس نے کہا اور تائید کے لئے اماں کی طرف دیکھا تو وہ کہنے لگیں۔

"ٹھیک تو ہے۔۔۔۔۔! اجاتے ہوئے چھوڑتے جا نا کتنی بار اس کی امی کا فون بھی آچکا ہے اور اس روز تو مجھ سے شکوہ بھی کر رہی تھیں۔ شاید ان کا خیال ہے کہ ہم نے اسے پابند کر رکھا ہے۔"

پتا نہیں انہیں اپنی کیفیات چھپانے میں اس قدر کمال کیونکر حاصل تھا۔۔۔۔۔؟ دو جو انہیں بخود دیکھ رہی تھی وہ بھی نہیں جان سکی کہ وہ اندر ہی اندر کیسے بے رتاب کھڑے تھے۔۔۔۔۔؟ جبکہ بظاہر اپنا سابقہ دلچسپ و دلجو برقرار رکھ کر بولے۔

"چلو۔۔۔۔۔!"

وہ ان سے پہلے اٹھ کر کمرے میں آ گئی۔ جلدی جلدی ایک میں چند جڑے کپڑوں کے رکھے اور بالوں میں اور پورے سر پرش کر کے ایک اٹھائی ہوئی برآمد میں آ گئی۔ وہ جھانگیر کے ساتھ کھڑے تھے۔ اس پر اجنبی نظروں والے کچھانگیر سے جانے کیا کہتے ہوئے آئے آئے گئے چل پڑے۔

گاڑی انہوں نے مسلسل ایک سی رفاڑ سے چائنی تھی اور گھر کے سامنے ایک جھکے سے روکی تو خانہ کچھ

کہنے سننے سے بچنے کی خاطر فوراً مسکریٹ ہوئوں میں دبا کر سلگنے میں مصروف ہو گئے۔

"راہیوں پر دکر کام کچھ یوں ہے کہ جب بھی آپ آئیں گے، میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔"

وہ ان کی طرف دیکھ کر بولی اور پھر آواز کا رخ بدلتی گئی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اسے لینے اتنی جلدی نہیں آئیں گے اس لئے پہلے ہی سر ملے پر جب بھی نے اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار کرنے کے ساتھ یہ پوچھا کہ ابھی رہو گی تو دو مہولت سے بولی۔

"ہاں۔۔۔۔۔! بہت سارے دن رہوں گی۔"

"آئی بھی تو بہت سارے دنوں بعد ہو۔"

امی نے اسے گلے لگاتے ہوئے شکوہ بھی کر ڈالا۔

"کیا کروں؟۔۔۔۔۔! طبیعت سنبھل کے نہیں دے رہی تھی، اور جہانزیب کہتے، جب تک پہلی جنگی نہیں ہو جاؤ گی نہیں جانے دوں گا۔ کیونکہ اس طرح امی کہیں گی، میری بیٹی کا یہ حال کر دیا۔"

اس نے ہنسنے سے روایتی بیویوں والا بھرم رکھا۔

"اب کیا حال ہے تمہارا۔۔۔۔۔؟"

"اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"کہاں ٹھیک ہو۔۔۔۔۔؟ آخری کڑو رنگ رہی ہو۔"

چٹکی نے ٹوکا۔

"میں!۔۔۔۔۔! تھوڑی کزوری ہے۔"

پھر فوراً موضوع بدل دیا۔

"چھوٹے بھیا کہاں ہیں؟"

"ابھی ابڑھ گئے ہیں۔"

"کہاں۔۔۔۔۔؟"

"آج کل نوکری کے چکر میں ہیں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔ لیکن وہ کچھ بڑا کورس جو کر رہے تھے۔۔۔۔۔؟"

"وہ بھی کر رہے ہیں اور وہ کیونکہ شام کی کھانز میں اس لئے۔۔۔۔۔"

"چلو شکر ہے کسی طرح انہیں احساس تو ہوا اور جو بے ہمایا کے گھر میں سب ٹھیک ہیں۔۔۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔۔۔! ابھی کل ہی بھابی آئی تھیں۔ تمہارا نہ صرف پوچھ رہی تھیں بلکہ شکایت بھی کر رہی تھیں کہ

سراں تو اتنا بھابھا نہیں کہ پیچھے سب مہولت کی ہو۔"

چٹکی نے بھابی کے الفاظ ڈھرائے پھر ان کی تائید کرتے ہوئے بولی۔

”وہ بے بھائی ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ حالانکہ تہارے ساتھ کوئی اتنے زیادہ تکبیر سے بھی نہیں ہیں۔“  
 ”تکبیروں کی بات نہیں ہے یار..... اصل میں میرے آنے سے اماں اکیلا ہو جاتی ہیں۔ البتہ جب  
 جہانگیر کی شادی ہو جائے گی تب سبکدستی سے نکلیں آ جا سکیں گی۔“  
 وہ پہلے ہی سے یہ ساری باتیں سوچ کر آتی تھی، ابھی روانی سے ہر بات کا جواب دے رہی تھی۔  
 ”بہر حال، اب آپ تو کی ہوں اور جب تک تم خود جانے کے لئے نہیں کہو گی، نہیں جاؤں گی۔“  
 ”ارے دادو..... میں کیوں جانے کے لئے کہوں گی.....؟ میں تو جانتی ہوں تم.....“  
 ”چٹکی.....!“

امی نے ٹوک دیا۔  
 ”کم از کم اسے آرام سے بیٹھنے دو۔ تم تو فوراً ہی اس کے سر پر سوار ہو جاتی ہو۔“

”سوری.....!“

چٹکی نام کو ہونے کی بجائے بے ساختہ ہنسی ہوئی تھی۔  
 ”بھئی جانیہ.....! مجھے بالکل یاد نہیں رہتا۔ اب چونکہ تم شادی شدہ ہو، اس لئے تہارے ساتھ خاص  
 مہمانوں والا سلوک کرنا ہے۔ یعنی پہلے اونچے اسٹول پر بٹھا کر ہے، پھر فوراً چائے یا سکواش پیش کرنی ہے۔ اس کے  
 بعد.....“

”بس بس.....!“

اس نے ہاتھ اٹھا کر بولنے سے منع کیا۔

”میں کوئی مہمان نہیں ہوں، البتہ جب جہانگیر کا ساتھ ہوں تب ذرا خیال کر لیا کرو۔“  
 ”ارے.....! جہانگیر بھائی کا تو میں نے ہی جھانپا نہیں۔ کیسے ہیں وہ اور آئے کیوں نہیں اندر.....؟“  
 ”بہت غلبت میں تھے اس لئے باہر ہی سے چلے گئے۔“

”شام میں آئیں گے ناں.....؟“

”نہیں.....!“

”کیوں.....؟“

چٹکی سے پہلے امی نے پوچھا تو سوچ کر بولی۔

”اصل میں انہوں نے عمرین بیگ جوں کر لیا ہے اور بہت جلد ٹرانسفر ہو کر جدہ جانے والے ہیں تو امی

سطح میں خاصے مصروف ہیں۔“

”تم نے پہلے نہیں بتایا۔“

”یہ ابھی کی بات ہے۔“

”تم بھی ان کے ساتھ جاؤ گی کیا.....؟“

چٹکی اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

”ابھی تو میں.....! بعد میں ہو سکتا ہے، بلائیں گے یا شاید نہ بھی بلائیں، ابھی کچھ کہہ نہیں سکتی۔“

وہ خود مطمئن نہیں تھی، لیکن بڑی خوب صورتی سے امی اور چٹکی کو مطمئن کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

خوبصاحب، بیگم کی بات سن کر خاموش ہو گئے تھے۔ بلکہ ان کے چہرے پر سوچ کے ساتھ قدرے  
 غمزدگی کا تاثر بھی چمکنے لگا تھا، جسے محسوس کر کے ہی بیگم غصہ پوچھنے لگیں۔

”کیا بات ہے یہاں.....؟ آپ پریشان کیوں ہو گئے.....؟“

”پریشان.....؟“

خوبصاحب چونک کر بولے۔

”نہیں تو، پریشان کی بات تو نہیں ہے، بس سوچ رہا تھا اور اب تو آئی دور چلی جائے گی.....؟“

”ہاں.....!“

بیگم خوبصاحب نے ہاتھ کھینچ کر کہہ گئیں۔

”خوش تو ہے ناں اور اب.....؟“

”ہاں یہاں.....! اللہ کا شکر ہے، مجھے اس کے چہرے پر اطمینان نظر آیا اور خوش بھی تھی۔“

راہبہ کی خوشی بتاتے ہوئے بیگم خوبصاحب نے خوش ہو رہی تھیں کہ اسی وقت راہبہ بھی آ گئی۔

”السلام علیکم.....!“

”ارے.....! ماشاء اللہ.....! اپنی عمر ہے تمہاری۔ ابھی ہم تمہارا راضی ذکر کر رہے تھے۔ خوش رہو، آ باد

رہو۔“

بیگم خوبصاحب اور راہبہ کو یک دگر گل گئیں۔

”آپ کیسے ہیں اب.....؟ اور کس سلسلے میں مجھے یاد کر رہے تھے.....؟“

راہبہ نے خوبصاحب کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”وو..... چنانہ.....! تمہاری اماں بتا رہی تھیں کہ شیراز اپنا بزنس ڈیپریٹسٹر کر رہا ہے.....؟“

خوبصاحب نے بتانے سے زیادہ پوچھا تھا۔

”جی ابا.....! ابھی کہہ رہے تھے شیراز کہ وہ پچھلے چھ مہینوں سے اس کو کشمیر میں لگے ہوئے تھے۔ آفس

وغیرہ تو تقریباً وہاں سید کر چکے ہیں۔“



"جی.....! حنا کا فون آیا تھا۔ کہہ دی تھی....."

وہ حنا کی باتیں دہرائے جا رہی تھی کہ سہما نے ان دونوں کو پکار لیا۔

"چلو.....! پہلے کھانا کھا لیں۔ بھیاؤ! منگ پر انتظار کر رہے ہیں۔"

”کہتے ہوئے اس سے پہلے کرے سے نکلا تھا۔ نہ جیسے ہمارا اس کے چہرے اور منہ کے آگے آئی تھی۔ کمال حسن نے اپنی ہونٹوں پر دو ٹوک اور دونوں پر ڈال دی، پھر اپنی پلٹ میں سامان نکالتے ہوئے سہارا کو ابھر کر کے پوچھنے لگے۔

"بیگم.....! یہ سالن تم نے بنایا ہے.....؟"

"تو اور کون ہٹائے گا.....؟"

سینما کو جیسے بجز اس نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

"آپ نے کون سے مجھے نوکر رکھ کر دیئے ہوئے ہیں.....؟ صبح سے رات تک مارے کام میں ہی کرتی ہوں۔"

"کیوں.....؟ کام والی نہیں آتی کیا.....؟"

کمال حسن نے میما کے بجز کئے کا کوئی نوٹس نہیں لیا، انہوں نے آرام سے پوچھا تھا۔

"کام والی کے بھی ساتھ لگنا پڑتا ہے۔ پوری پریڈ ہو جاتی ہے اس سے صفائی کروانے میں۔ ایک دن کام والی کے سر پر کھڑے ہو کر دیکھیں تو پتا چل جائے گا۔"

سیما کو مزید تیز ہوتے دیکھ کر کمال حسن نے سائلین کی دُش و انیال کی طرف بڑھا دی۔

"لو بھئی..... اکھاٹا کھاؤ، ورنہ تمہاری بھابی ویاہ کھا جائے گی۔"

"ہاں.....! میں تو ایسی ہی ہوں۔"

سیمانے مسلک کر بیچ دینا میں منع دیا اور اٹھ کر چلی گئی تو وہ انیال نے یوں کہا کہ کمال حسن کو دیکھا۔ وہ آرام سے کھانا کھانے لگے، جب وہ اٹھ کر سیما کے پیچھے چلا آیا۔

"بھابی.....! بھابی.....! سنیں تو۔"

”کچھ نہیں سننا مجھے۔“

سیما تیزی سے اپنے کمرے میں جانے لگی کہ اس نے بھاگ کر راستہ روک لیا۔

”کیا ہو کیا ہے بھابی...؟ ہا تو ہے آپ کو بھی انداز کرتے ہیں۔“

"یہ مذاق تھا.....؟ بچوں کے سامنے دو کوزی کا کر کے رکھ دیا اور تم کہتے ہو یہ مذاق ہے.....؟"

سیمایری طرح تلملا رہی تھی۔

"اوہو بھابی... اب ہم بچے نہیں ہیں، بڑے ہو گئے ہیں۔ سمجھتے ہیں مذاق کو۔"

۱۰۔ زکوٰۃ اٹھلوا انداز اختیار کیا، لیکن سیما خرید و فروخ کر بولی تھی۔

"تم سمجھتے ہو، تمہاری بیوی نہیں سمجھتی، اسے تو انا اور شہہ مل جاتی ہے کہ میں ڈیل کر رہا ہے تو وہ چار

”میں نے ان لوگوں کو کی دھت ہے جس نے میری۔“

سہانے آواز بھرائی تھی۔ دو پریشان ہو گیا۔

”کیا بچوں جیسی باتیں کر رہی ہیں بھابی.....! مالک ہیں آپ اس گھر کی اور نام سب آپ کے غلام۔“  
 ”بہنو! رہنے دو، جاتا ہے مجھے میں کہا ہوں.....؟ سارا لون کولہو کے تیل کی طرح جتنی رہتی ہوں، پھر بھی اتنی

"...and"

وہ رونے لگی تھی۔  
 "ہاں.....! پلنرہ کسی میں بہت جیس ہے آپ کو کچھ کہنے کی۔ میری اچھی بھابی.....! پلنرہ، آپ رومیں

میں نے کہا: "میں نے کہا تھا کہ میں۔"

وہ اسے بچوں کی طرح پکار رہا تھا۔

"نہیں.....! بس..... مجھے بھوک نہیں ہے، تم جاؤ کھالو۔"

"آپ کے بغیر کیسے کھالوں.....؟ چلیں ورنہ میں بھی بھوکا سو جاؤں گا۔"

اس کی ممکن کام کر رہی۔

”تم بہت عک کرتے ہو۔“

”ارے.....! ابھی تو میرا بچہ بھی آنے والا ہے، روز یا دو تھک کرے گا آپ کو۔“

دو کہتے ہوئے سیما کو کندھوں سے قائم کروا پس ڈانگ رکھ دہم میں سے آیا کو آئینہ کی طرف سے  
دیکھنے لگی، جبکہ سیما نے بیٹے کی فاختہ نظر دہں سے ڈانگ کو رکھ رکھا، اور وہاں بکھتا ہی نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

رات جس طرح وائصال "مہاجی، مہاجی" کر رہا تھا، اس سے ثانیہ نے پھر حنا کا ذکر نہیں کیا، لیکن وہ سوچ

کہتا کہ جتنا کہ اس وید و لیری کو وہاں کے کوئی نزار ضرور کرے گی، اور اس کے گوش میں پڑ جائے گا۔

لئے تیار دیکھ کر وہ بلا ارادہ رک گئی۔

"ہاں...!"

سہما اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

"میں نور مارکیٹ جا رہی ہوں ہم پیلیز ہین و فیہ لیما۔"



"جی.....!"

اس نے اختصار سے کام لیا۔

"ہاں.....! ایسا نہ ہو میں بھی ہاری آؤں اور مجھے کھانا بھی پکانا پڑے۔"

سیرانے کہا تو وہ ناگواری چھپا کر بولی۔

"نہیں.....! میں کروں گی سب، آپ اطمینان رہیں۔"

"اطمینان، ہونے.....! میری زندگی میں اطمینان تب ہی آئے گا جب....."

سیرا نخوت سے سر جھٹک کر جانے لیا کہنے ہماری بھی کون کی تل پر اس نے لپک کر فون اٹھا لیا تھا۔

جبکہ وہ خود ہسپتال کی سٹی میں دوپٹہ لٹا رہی تھی۔

"ہاں حنا.....! میں بس نکل رہی ہوں۔ بیٹھ جاؤں گی دن منٹ میں۔ ٹھیک ہے.....! اور منو.....! تم

نے وانیال کو فون کر دیا ہے ناں؟"

"وانیال.....؟"

اس کے کان شاخیں شائیں کرنے لگے اور اس سے پہلے کہ وہ ہسپتال کی سٹی ترک کرتی، یہاں سے خدا

حافظ کہہ کر چلی گئی۔

"وانیال.....؟ وانیال.....؟"

"وانیال کے بغیر تو ان کا کوئی کام نہیں ہوتا۔"

وہ ہیر پھینچے ہوئے مکان میں آئی اور پھر ریحوں کی افغان شروع ہو گئی۔ وہی طرح سنگ رہی تھی۔ جیسے

جیسے کھانا پکا کر خارج ہوئی تو اس خیال سے وانیال کے آفس فون کر ڈالا کہ ہو سکتا ہے سیرانے محض اسے ملنے کے

لئے وانیال کا کام لیا ہو لیکن جب اوھر سے یہ کہا گیا کہ وانیال صاحب آؤ گئے کھانے پہلے آفس سے جا چکے ہیں، تب

ج ج ج اس کا دماغ ہلکے سے اڑ گیا تھا۔

"ہیں وانیال.....! اب میں یہاں نہیں رہوں گی۔"

اس نے ایک دم فیصلہ کر لیا اور کمرے میں آ کر ایک مہینے پہلے اپنی ضروری چیزیں رکھیں، مگر کپڑے نکال

رہی تھی کہ وانیال آ گیا۔

"ہانیہ.....!"

وانیال نے آج ہی اسے پکارا تھا۔ دو الماری میں سر مٹھانے کھڑی تھی۔ اس کی ہڈیاں کمر بھی متوجہ نہیں

ہوئی تو وہ کہنے لگا۔

"اس وقت کس کام سے لگی ہو.....؟ میں بازار باہر ناں.....!"

اس نے سست انداز میں الماری بتدی پھر اس کی طرف پلٹ کر بولی۔

"جی لڑا ہے.....!"

"ارے بھئی.....! میں تو عرض کر سکتا ہوں۔ غلام ہوں تمہارا۔"

وانیال نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا تو دھڑواہوئی تھی۔

"میرے نہیں.....!"

"تمہارا ہی ہوں اور تمہاری خاطر ہی دوسروں کو خوش کرنے پر مجبور ہوں۔"

وانیال نے کہتے ہوئے ہاتھ میں بکڑا شاپک یک اس کی طرف بڑھایا تو وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر بولی۔

"مجبور.....؟ کیا مجبور ہے.....؟"

"دیکھو، اگر میں بھائی کی بات نہیں ناؤں گا تو وہ سارا وقت تم سے بگڑی رہی ہیں۔"

اس کی ٹونیکل پر وہ کھڑکی۔

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ بھائی بگڑتی ہیں تو بگڑتی رہیں، لیکن جو کچھ وہ آپ سے کروا رہی ہیں، وہ

میری برداشت سے باہر ہے۔ سمجھے آپ.....؟"

"سنگ.....! کیا.....! کیا کروا رہی ہیں بھائی مجھ سے.....؟"

اس کے دل میں چڑھتا جب ہی بوکھلا گیا تھا۔

"یہ.....!"

وہ اس کے ہاتھ سے شاپک یک کھینچ کر بولی۔

"یہ اپنی مرضی اور ہنڈ سے تو میرے لئے نہیں لائے ہوں گے۔ حنا نے کہا ہوگا، بھاری ہانیہ کے

لئے بھی کچھ لے لو خوش ہو جائے گی۔"

"ہیں ہانیہ.....! خاموش ہو جاؤ۔"

وانیال نے لا جواب ہو کر ٹوٹا تھا۔

"کیوں خاموش ہو جاؤں.....؟ آپ کی بھائی باقاعدہ مجھے سنا کر حنا سے کہتی ہیں کہ وانیال کو فون کر دو،

مگر میں آپ انہیں ہی خوش کرنے میں لگے ہوئے ہیں، تو کرتے رہیں آپ بھائی اور ان کی بہن کو خوش، میں ہی خالو

ہوں! سہل جاتی ہوں آپ کے درمیان سے۔"

"سنگ.....! کیا مطلب ہے تمہارا.....؟"

اس نے تیزی سے بڑھ کر ہانپا یک اٹھا لیا اور اس کی تیزی سے جانے لگی تھی کہ وانیال نے اسے بازو سے

پکڑ کر کھینچ لیا۔

"سنگ.....! کیا کر رہی ہو ہانیہ.....؟ پاگل تو نہیں ہو گئی ہو.....؟"

"ہاں.....! ہو گئی ہوں پاگل، پاگل، اور مجھے پاگل کرنے والے آپ ہیں۔"

وہ چیخ کر بولی اور اسے دیکھ کر کمرے سے نکل آئی۔  
"ہائے.....!"

وہ عقب سے پکارے ہوئے اس کے پیچھے آ رہا تھا۔  
"خوش ہو جائیں آپ! میں جاری ہوں۔"

اس نے لاؤنج میں گھڑی سیرا کو تریب تک کہا، پھر تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ اس کے پیچھے آتے دانیال کو سیانے روک لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اسے یقین تھا کہ جہاز زیب اتنی جلدی اس کے پاس ہاں لینے نہیں آئیں گے، اور وہ خود بھی کبھی چاہتی تھی کہ ابھی وہ نہ آئیں۔ کیونکہ اس کے خیال میں اس کی فیروزہ جو کئی شہر کی محسوس اور غیر جانبداری سے سوچا نہیں گئے۔"

اسے یہاں آئے تیسرا دن تھا۔ اس دوران انہوں نے اسے خون بھی نہیں کیا تھا اور اس مسئلے میں اسے پریشانی صرف اس حد تک تھی کہ اگر ای یا جنگی نے اس بات کو محسوس کر کے اس سے پوچھ لیا تو یہ کیا جواب دے گی.....؟

اس وقت جبکہ ای کی مہمان خاتون کے ساتھ روٹنگی جانے وغیرہ بتانے میں مصروف تھی، تو وہ تباہی بھی سب سوچ رہی تھی۔ کبھی جہاز زیب کا گزشتہ رویہ یاد آتا تو امید کی کرن جھلک اٹھتی اور کبھی موجودہ رویہ کو سوچ کر ماتحتوں میں گھبرے لگتی۔ اسی وقت ابھی آگے۔ ای کیونکہ ڈراما تک دوم میں تھیں، اس لئے وہ اس کے پاس آ بیٹھے۔

"کیا بات ہے بیٹا.....؟ تم ای کیوں بھیجی ہو.....؟"

انہوں نے غائبانہ یں ہی بات کرنے کی غرض سے کہا۔

"جنگی جانے بنا رہی ہے۔"

"اور تمہاری امی کے پاس کون ہے.....؟"

"سیرا خاں ہے، ہاؤس سے کوئی خاتون آئی ہیں۔ آپ کے لئے بھی چائے بنواؤں.....؟"

وہ اٹھنے لگی تو انہوں نے روک لیا۔

"نہیں.....! میرا مطلب ہے، میں نے جنگی سے کہہ دیا ہے، وہ لے آئے گی۔"

پھر یوں ہی ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ وہ پوری توجہ سے کن رہی تھی۔ جب اچانک مانوس قدموں کی چاپ نے اسے چونکا دیا، اور ابھی وہ اپنا دم سمجھ کر سر ہٹا کر رہی تھی کہ جہاز زیب کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر

اسے اپنی بصارت پر بھی شبہ ہونے لگا۔ بار بار ٹکلیں ٹکلیں، لیکن وہ جوں کے توں موجود۔ ابھی سے مصالحوں کر کے ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

"بیٹا.....! جنگی چاہتیں کیا کر رہی ہے.....؟ تم جاؤ، چائے جلدی لے آؤ.....!"

ابھی نے اسے مخاطب کر کے کہا تو وہ بے خودی کے عالم میں اٹھ کر کچن میں آگئی۔ دل خوش فہم ہو کر قابو میں نہیں رہا تھا۔ وہ کچن میں آ کر کئی کچن، لیکن یہ یاد نہیں رہا تھا کہ کیوں آئی ہے.....؟ چپ چاپ جنگی کو دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے چاہیہ.....؟"

جنگی اسے گم سم دیکھ کر اچنبہ سے پوچھنے لگی تو وہ چپکی، اور اپنی کیفیت چھپانے کو خواہ مخواہ اس پر ہنسنے لگی۔

"کیا کر رہی ہو تم.....؟ ابھی نے اتنی دیر پہلے تم سے چائے کا کہا تھا۔"

"ہاں.....! بس لاری ہوں۔"

"جلدی کرو.....! اور وہاں جہاز زیب بھی آئے بیٹھے ہیں۔ صرف ایک کپ مت لے جانا۔"

"اچھا! وہ..... کب آئے جہاز زیب بھائی.....؟"

جنگی اس کی بات نظر انداز کر کے پوچھنے لگی۔

"ابھی.....!"

"کیسں جھیں لینے تو نہیں آئے.....؟"

جنگی نے جلدی جلدی بیٹنوں میں اسٹک ڈرنکو فیروزہ کہتے ہوئے پوچھا تو وہ اپنی بات یاد کر کے بولی۔

"میرا خیال ہے، میں ان کے ساتھ جاؤں گی۔"

"لیکن یہ..... تم نے تو کیا تھا.....!"

"میں یہ لے کر جا رہی ہوں، تم فوراً چائے لے آؤ۔"

وہ اس کی بات کاٹ کر جلدی سے بولی اور سرے اٹھا کر اندر آگئی۔ ابھی جہاز زیب سے جدہ جانے کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور وہ ان کا جواب سننے کے لئے پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"تقریباً تمام تقاضات مکمل ہو چکے ہیں۔"

وہ بتانے لگے۔

"بس کسی بھی دن میرے ہاتھ میں ٹکٹ تھوادی جائے گی۔"

"جانیہ تو ابھی تمہارے ساتھ نہیں جائے گی ناں.....؟"

"نہیں.....!"

اسی وقت جنگی جانے لے کر آگئی تو انہوں نے اس کے کہنے سے پہلے ہی ایک کپ اٹھا لیا۔ پھر ایک نظر

اس پر ڈال کر پوچھا۔

"مگر چلتا ہے۔؟"

"جی۔۔۔۔۔"

دوڑ لگی کہتے، تب بھی اسے چاہا تھا۔ کیونکہ دو دروازے سے کبہ نکلی تھی کہ جب بھی آپ آئیں گے، میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔

پھر اسی نے بے حد صبر سے انہیں رات کے کھانے تک روک لیا۔ اس دوران دو مسلسل ایکے خوش گوہر احساس میں مگھری رہی۔ گوکہ وہ اس سے اسی طرح لائق سے رہے، لیکن اس کے لئے فی الحال یہی بہت تھا کہ دو تیسرے دن اسے لینے آگئے تھے اور اس کا خیال تھا، وہ یوں ہی تو نہیں آئے ہوں گے۔ یقیناً تمام حالات کو سوچنے کے بعد اسے یہ تصور سمجھنے ہوئے یہاں آئے ہیں۔

☆.....☆.....☆

وہ تانبے کے پیچھے جانا چاہتا تھا، اسے روکنا چاہتا تھا، لیکن اس کے بازو پر سیما کی گرفت مضبوط تھی۔  
"بھائی۔۔۔۔۔ او۔۔۔۔۔"

اس نے بے بس انداز میں سیما کو دیکھا تو وہ اس کا بازو ہلا کر کہنے لگی۔  
"پاکل مت ہو۔" غصے میں معاملہ زیادہ جگڑ جاتا ہے۔ اس لئے میں نے جہیں روک لیا ہے، اور تانبے جانے کی کہاں؟ اپنے سینکے ہی جانے کی ناں؟

"لیکن بھائی۔۔۔۔۔ اس طرح امیرا مطلب ہے اس کے ماں باپ کیا سمجھیں گے۔؟"

اسے پریشانی نے گھیر لیا۔

"یہ تو تانبہ کو سوچنا چاہتے تھا، لیکن غصے میں وہ بھی کیا سوچ سکتی تھی؟ غیر۔۔۔۔۔ تم لگرت کرو۔"

سیما نے ٹپکی دی تو وہ زچ ہو گیا۔

"کیسے فکر نہ کروں بھائی۔۔۔۔۔ تانبہ کی حالت دیکھی نہیں آپ نے۔؟"

"ہاں۔۔۔۔۔ ایسی حالت میں تو اسے خود ہی امتیاز کرنی چاہئے۔"

"آپ بتائیں، میں کیا کروں؟"

"خود صلہ کو بروہو مرکز درود گئے تو پھر ساری زندگی اس کی غلامی کرتے رہو گے۔"

سیما بہت طریقے سے اسے سمجھانے لگی تھی۔

"میں ٹھیک کبہ رہی ہوں اور انبال! جتنے زہم میں تانبہ لگی ہے۔ دیکھتے ہیں کتنے دن ماں باپ کے مگر بیٹھ سکتی ہے۔۔۔۔۔ تم نے نہیں نکالا اسے، خود ہی آئے گی۔"

"بہت شک کیا ہے اس نے۔"

دراغہ کھڑا ہوا تو سیما نے فوراً پوچھا۔

"کیا ہاں جا رہے ہو۔؟"

"اپنے کمرے میں۔"

"ہاں۔۔۔۔۔ اتم آرام کرو۔ میں ذرا تانبہ کا غصہ خنڈا ہو جائے، پھر اسے کھماؤں گی۔"

وہ سیما کو ہلکے ہوئے چھوڑ کر اپنے کمرے میں آگیا۔

مگر کوہ لعلی اس کی جی جی تھیں اسے احساس ہی نہیں تھا۔ اُن تانبہ کو صبر و انزام پھر ادہ تھا کہ اسے اس طرح لکھن جانا چاہئے تھا۔

"بھائی ٹھیک کبہ رہی ہیں۔ میں نے نہیں نکالا اسے، خود ہی آئے گی۔"

وہ پھر سیما کی باتوں پر ایمان لائے کہ تنہا سے سوچ رہا تھا کہ سیما غلامی بخیری سے بیڑیاں چڑھتی ہوئی آئی تھی۔ اس کی سانسیں پھول رہی تھیں۔

"دانیال۔۔۔۔۔ دانیال۔۔۔۔۔ او۔۔۔۔۔"

"کیا ہوا بھائی۔۔۔۔۔؟"

اس نے فوراً بڑھ کر سیما کو ہاتھ لیا۔

"او۔۔۔۔۔ دانیال۔۔۔۔۔! ابھی رات کا فون آیا تھا۔"

سیما نے اونچی سانسیں بحال کرنے کی سعی میں بتایا۔

"پھر۔۔۔۔۔ پھر کیا کہا رہو نے؟ پہنچ گئی اس کی بہن۔؟ سنا ڈالے صوفے سے قفسے۔؟"

وہ خطر سے بولا تھا۔

"ان باتوں کو چھوڑ دو دانیال۔۔۔۔۔ اس کی اماں کا انتقال ہو گیا ہے۔"

سیما نے کہا تو وہ سمجھا نہیں۔

"کس کی اماں کا۔؟"

"تانبہ کی۔۔۔۔۔!"

"شک۔۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔۔؟"

اسے شک لگا تھا۔

"کیا کبہ رہی ہیں بھائی۔۔۔۔۔؟"

"یہی بتایا ہے والد نے۔ چلو میں بھی چلتی ہوں۔ جلدی کرو، میں تمہارے بیٹیا کو فون کرتی ہوں، او۔۔۔۔۔"

بچوں کو اسکول سے لے لیں گے۔

یسا کہتے ہوئے غلٹ میں چلی گئی وہ سنانے میں کھرا تھا۔

☆ ☆ ☆

یسا یہاں بھی اپنی چالاکی سے باز نہیں آئی۔ اس نے دانیال کو ٹانہ سے لئے ہی نہیں دیا۔ دانیال نے جب کہا ہاں نے یہ کہہ روک دیا کہ اسی اندر بہت عورتیں ہیں، اس کا جانا ٹھیک نہیں ہے۔ مزید یہ بھی کہا کہ ٹانہ غم اٹھنے میں سب کے سامنے اس سے جانے کیا کہہ دے، جبکہ یہ موقع ایسی باتوں کا نہیں ہے۔ پھر بھی میں کوشش کرتی ہوں، ٹانہ کو نہارے پاس لے آؤں۔ آخر میں اسے قتل بھی دے ڈالی، اور یہ قتل بھی دن باری رہی۔ پھر کل خواتین کے بعد وہ اسے گھر کر بیٹھ گئی۔

"میں نے بہت کوشش کی دانیال.....! کہ ٹانہ تم سے مل لے لیکن....."

اس نے قصداً بات اڑھوری چھوڑی تھی۔

"لیکن کیا بھائی.....؟ تاہم ہاں.....؟"

اس کی سب سے قرار دی پروا اندر ہی اندر بچ ڈاب کہا کر بولی۔

"ہاں.....! جانے دو، تمہارا درد دل بڑا ہو گا۔"

"پھر بھی، آپ تاہم بھائی.....؟ ٹانہ نے کیا کہا.....؟"

اس کے صراحت پر یہ سنانے پوس ظاہر کیا جیسے مجبوراً بتانا پڑا ہو۔

"صرف ٹانہ ہی نہیں، رابعہ نے بھی بہت کچھ کہا۔ وہ توں بہنوں نے مجھے دودھ دیا تھا، سنا نہیں کہ کیا

بتاؤں.....؟ میں نے سمجھا یا بھی کہ یہ موقع ایسی باتوں کا نہیں ہے، لیکن....."

یسا پھر خاموش ہو گئی۔

"کیا کہہ رہی تھیں وہ.....؟"

اس نے پوچھا تو یہاں پر سنانے کی بات غراست ہوئی تھی۔

"برا بھلا کہہ رہی تھیں کہ جانے کیسے لوگوں میں چھپ گئی، اور ٹانہ نے تو یہاں تک کہا کہ وہ اب کبھی

تمہاری شکل نہیں دیکھے گی۔"

"تھک..... کیوں.....؟ کیوں بھائی.....؟ میں نے ایسا کیا کیا ہے.....؟"

وہ چھٹ پرانے کو ہو گیا۔

"آرام سے بھائی.....! آرام سے، میں اسی لئے تمہیں نہیں بتانا چاہتی تھی۔"

یہ سنانے اس سے ہمدردی بتاتی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں ابھی جاتا ہوں، خوبصورت صاحب کے پاس۔"

"پاگل ہو گئے ہو.....؟ تم اسے بتاؤ گے کہ میں لوگوں میں.....؟ بیٹھو یہاں۔"

یہ سنانے پریشان ہو کر اسے بازو سے کھینچ کر بٹھا دیا، پھر کہنے لگے۔

"دو چار دن میرا کرو، پھر چاکر لے آئیں گے ٹانہ کو۔"

"ایسے کیسے لے آئیں گے.....؟ پہلے آپ خوبصورت صاحب سے بات کیجئے گا۔"

اس نے کہا تو اثبات میں سر ہلائے ہوئے یہاں فوراً خطرہ مل جانے پر مطمئن ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

دو مسلسل روزے جاری تھے۔ آنسو جینے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ اماں کے سرنے سے زیادہ اس

بات کا ذکر کہ ان کی موت کی ذمہ دار وہ ہے، ایسا احساس اسے مسلسل پشیمان کر رہا تھا۔

"اماں میری وجہ سے چلی گئی۔"

دو بار بار یہی ذہن پرانی تھی۔ اس وقت رابعہ نے ٹوک دیا۔

"تم ایسا مت سوچو ٹانہ.....!"

"کیسے نہ سوچوں.....؟ میں جس طرح آنٹی تھی، روتی ہوئی، تو مجھے دیکھ کر ہی اماں کا دل بند ہو گیا۔ میں

ہوں ان کی موت کی ذمہ دار۔ میں کبھی خود کو مصائب نہیں کروں گی۔"

دو اور شدت سے روتے ہوئے بولی تھی۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ زندگی موت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

رابعہ نے دھیرے سے ٹوک کر کہا تو وہ جھپٹیلوں سے آنکھیں رگڑنے لگی۔

"پچھو کہ کبھی تم اب اسے کھرت کرنا۔ میرا مطلب ہے، دانیال سے، جھگڑے کا ذکر مت کرنا۔"

رابعہ نے پھر نرمی سے کہا تو دوشاکی ہو کر بولی۔

"دانیال آگے کیوں نہیں.....؟"

"آگے تھے، اندر شاید عورتوں کی وجہ سے نہیں آ سکے۔"

"تو اب تو آنا چاہئے۔ اب تو کوئی نہیں ہے یہاں۔"

اس کا رد تھا انداز تھا۔

"آجائیں گے، تم پریشان کیوں ہو رہی ہو.....؟ نہ آئیں تو تم فون کر کے بلا لینا، اور دیکھو، اب تم

بھھار دی سے چلو۔ چھوٹے موٹے جھگڑے ہر گھر میں ہوتے ہیں، لیکن اس طرح گھر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ بھگھ رہی

ہوڑاں.....؟"

رابعہ نے اسے پکڑ کر کھینچا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”ہنس.....! اب روتا بند کرو۔ ہاؤنڈ وھو، میں ابا کے پاس جاتی ہوں، بچارے اکیلے بیٹھے ہیں، اور ہاں.....! شیراز بھی آنے والے ہیں، پھر میں ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔“  
 راجہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی تو اس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا، پھر جب راجہ اپنے گھر چلی گئی، جب اس نے وانیال کو فون کیا تو دوسرے سیمانے فون پر یہ سوچا تھا کہ اس کی آواز سننے ہی وہ مشکل خود پر کاہو پا کر استغاثی سے بولی تھی۔

”بھالی.....! میری وانیال سے بات کرو میں۔“

”وانیال سے؟“

”سیمانے اچھا ظاہر کیا تھا۔“

”جی.....!“

”کیا بات کرو گی وانیال سے؟ میرا مطلب ہے، وہ تو تم سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا۔“

”سیمانے کہا تو وہ پریشان ہو گئی۔“

”کیوں؟“

”یہ تم مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو.....؟ اپنے آپ سے پوچھو۔ میں نے تو رات بھی وانیال سے کہا تھا کہ تمہارے پاس چلا جائے، لیکن.....“

”لیکن کیا.....؟“

”وہ بے خبری دکھائی۔“

”لیکن یہ کہ وہ تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔“

”سیمانے خوشنما انداز پر دو پنج پڑی۔“

”بھوت بول رہی ہیں آپ.....! میں آپ کی بات کا یقین نہیں کر سکتی۔ آپ وانیال کو بلائیں، انہیں جو کہنا ہو مجھ سے کہیں۔“

”فکر مت کرو، تم سے بھی کہہ دے گا۔“

”سیمانے کہہ کر فون بند کر دیا تو اس نے سبے اعتبار کر لیا کہ پرانہ ماہر ”سینو، یلو،“ کہا پھر فون رکھ کر چلی تو خوب صاحب کو کھڑے دیکھ کر اس کا دل بیٹھے لگا تھا۔“

”ابا.....! وہ.....! بھائی غلط کہہ رہی ہیں۔“

”گھر رات میں اس کے منہ سے یہی نکلا تھا۔ خوب صاحب نے بڑھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا پھر اسے لئے ہوئے اپنے کمرے میں آ بیٹھے اور زری سے پوچھنے لگے۔“

”کیا مسئلہ ہے بیٹا.....؟“

”کوئی مسئلہ نہیں ابا.....! میں وانیال کو فون کر رہی تھی، لیکن بھالی وانیال کو مجھ سے بات نہیں کرنے دے گا۔“

”ا.....؟“

”نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا ڈپریشن ظاہر ہو رہا تھا۔“

”کیوں.....؟ وہ کیوں نہیں بات کرنے دے رہا ہیں.....؟“

”خوب صاحب ہنوز نرم تھے۔“

”پتا نہیں ابا.....! بس اچھی طرف سے پتا نہیں کیا کیا کہہ رہی تھیں۔ مجھے ان کا اعتبار نہیں ہے ابا.....!“

”مہا، وہ وانیال سے بات کروں گی۔“

”وہ اب بھل گئی تھی۔“

”ہاں تو کر لیا وانیال سے بات، وہ پریشان کیوں ہو رہی ہو.....؟ میں بھی اس وقت وانیال آفس میں.....“

”مہا.....“

”خوب صاحب نے اس کا سر تھک کر کہا تو وہ فوراً بولی۔“

”میں آفس فون کرتی ہوں۔“

”ابھی نہیں بیٹا.....! ابھی تم پریشان ہو، بیٹھے میں ہو، وانیال سے بھی اسی طرح بات کرو گی جیسے اس کی بھائی سے کر رہی تھی۔ شام میں وانیال گھر آ جائے، پھر آرام سے بات کرنا۔ ٹھیک ہے.....!“

”خوب صاحب نے زری سے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ جزیر ہو کر ان کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔“

☆.....☆.....☆

”وانیال کا تمام رات جب انہوں نے کوئی بات نہیں کی، جب اسے بڑا عجیب سا لگا۔ دل چاہا کہ، جب مجھ سے بات چوں کرنی تھی تو بیٹھے کیوں آئے؟“

”لیکن پہلے ہی سر ملے پر اُنکا اچھا نہیں لگا۔ سوچا گھر جا کر پوچھنے کی، لیکن اس کی نوٹ نہیں آئی۔ کیونکہ گھر میں داخل ہوتے ہی اسے اپنی بات کا جواب مل گیا۔ ابا اسے دیکھ کر جہازیب سے کہنے لگیں۔“

”میں نے تم سے کہا تھا کہ ذہن کو لے کر جلدی آنا، مگر ابھی اتنی دیر کر دی.....؟ اب بتاؤ بھلا، یہ کوئی بات ہے کہیں جانے کا.....؟“

”ہنس.....! اور ہو گئی۔“

”وہ یہ کہتے ہوئے اپنے کمرے میں پہلے گئے تو وہ اماں کے پاس قنط پر بیٹھے ہوئے پوچھنے لگی۔“

”آپ نے پایا ہے مجھے.....؟“

”ہاں.....! چچا گھر کے رشتے کے لئے جانا تھا۔ دوسرا جہازیب دو چار روز میں جدہ جانے والا ہے۔“

میں نے سوچا کہ اس کے جانے سے پہلے جہانگیر کی مٹنی کر دیں۔ اسی بہانے قریبی عزیزوں سے تو جہانزیب لی لی گئی۔ مگر جب سال بھر بعد بھٹی پر آئے گا جب جہانگیر کی شادی کر دیں گے۔

"ہاں۔۔۔۔"

دوسرے جہانگیر جی جیسی اس کے منہ سے صحتی جی آواز نکلی۔

"اب کل ہی چلیں گے۔"

"جی۔۔۔۔ لیکن کیا اتنی جلدی منگنی کا انتظام ہو جائے گا۔۔۔۔؟"

"بھئی بہت بڑا انتظام تو نہیں کرنا۔ بس اپنے خاص خاص لوگ ہوں گے۔"

اس نے مزے کوئی تھوڑے نہیں کیا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ جہانزیب اطمینان سے بیڑ پر بیٹھے تھے۔ سامنے بڑے کیس کھلا رکھا تھا، جس میں سے گاؤں کاٹا لٹا کر دو اس جگہ دکھ رہے تھے جہاں سے رہا تھا۔ اس نے بہت خاموشی سے اپنا ٹیکہ الماری میں رکھا، پھر اپنی جگہ خالی ہونے کے انتظار میں صوفے پر جا بیٹھی۔

کافی دیر بعد جب انہوں نے اپنی چیزیں سمیٹ کر سراہا کیا، جب براہ راست نظریں پر پڑی۔ غمہ سے پوچھ لگھو کو دو زبردستی کھولے بیٹھی تھی۔ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً اٹھے اور لائٹ آف کرنے سے روک کر سے نکل گئے۔

☆ ☆ ☆

سیما نے اپنی طرف سے ٹانگیں جو کھتا تھا، کہہ دیا تھا۔ لیکن پھر وہ سوچ کر پریشان ہو گئی تھی کہ ٹانگیں کی باتوں کی تصدیق کے لئے دانیال کو فون ضرور کرے گی۔ وہ تو اچھا آواز دانیال، تھیں نہیں گیا تھا، وہ بڑبڑا سکا تھا۔ یوں مکمل چکا ہوتا۔ شاید اس کی قسمت اچھی تھی یا پھر ٹانگیں کی بد قسمتی کہ یہ موقع مل گیا تھا، اور اپنی اگلی حال سوچتے ہوئے اس نے مکاری سے ردنا شروع کر دیا، اور اسی طرح رو دتے ہوئے دانیال کے کمرے میں نکلی تو وہ اسے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

"کیا ہوا بھائی۔۔۔۔؟ آپ رو کیوں رہی ہیں۔۔۔۔؟"

"میں ٹانگیں کو نو دوشی سے بیاہ لائی تھی، لیکن اس نے میرا ڈال دیا، انہیں کیا۔ مجھے جہتی مکاری کہہ، یہ بھی نہیں سوچا، میں عمر میں اس سے کتنی بڑی ہوں۔"

وہ رو دتے ہوئے بولے چلی جا رہی تھی۔

"یہ۔۔۔۔ یہ سب کب ہوا بھائی۔۔۔۔؟"

دانیال کو اس نئی بات نے مزے پریشان کر دیا تھا۔

"ابھی میں نے اسے فون کیا تھا کہ میں اسے لینے آ رہی ہوں، لیکن جہاں میں اس نے مجھے دوکڑی ۵

کر کے رکھ دیا۔ ٹھیک ہے، اگر وہ میرے ساتھ نہیں رہتا چاہتی، میری شکل نہیں دیکھنا چاہتی تو تم اسے الگ گھر لے دو۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں بھائی۔۔۔۔؟ ایسا بھی نہیں ہو سکتا۔ دو اگر آئے گی تو اسی گھر میں، اور نہ بیٹھی رہے دیں، اور آپ خدا کے لئے رو جائیں گے۔"

وہ ایک دم فیسے میں آ گیا تھا۔

"مجھ سے کبھی کسی نے اس طرح بات نہیں کی۔ بہت دل دکھا ہے میرا۔"

سیما نے مزید اشتعال دلانے سے باز نہیں آئی۔

"بس کریں بھائی۔۔۔۔ اول تو اب میں دکھاؤں گا ان کا۔"

اس نے کہہ کر ٹیبل ڈن کا زیمورا اٹھا لیا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو دانیال۔۔۔۔؟ کسے فون کر رہے ہو۔۔۔۔؟"

سیما نے پوچھ کر اس کے ہاتھ سے زیمورا لے لیا، لیکن دانیال نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور زیمورا پش کر دیئے۔ دوسری طرف خوبصورت صاحب نے فون اٹھا لیا تھا اور ان کی آواز سننے پر دانیال غصے سے بولا تھا۔

"کیا سمجھتی ہے آپ کی بیٹی اپنے آپ کو۔۔۔؟ میری ماں جیسی بھائی کے ساتھ بدتمیزی کرے گی اور میں برداشت کر لوں گا۔؟ ہرگز نہیں۔۔۔۔؟ جائے ٹھیک رہنا چاہتی میری بھائی کے ساتھ تو آپ بٹھا رہے تھیں اسے اپنے پاس امیر کے گھر میں اب اس کی جگہ نہیں ہے۔"

دانیال۔۔۔۔؟

سیما نے بٹھا ہوا اسے ٹوکا۔

"آپ کہہ دیں ٹانگیں سے میری بھائی کو لڑا کر اس نے اچھا نہیں کیا۔ اب روتی رہے ساری زندگی۔"

دانیال نے گھٹ سے فون رکھا، جب وہ اس پر مگر گئی۔

"یہ تم نے کیا کہہ دیا دانیال۔۔۔۔؟! اچھا تو نہیں ہو گئے۔۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔۔! ہو گیا ہوں پاگل۔۔۔۔!"

وہ کہہ کر تیزی سے کمرے سے بیٹھی نہیں گھر سے ہی نکل گیا تھا۔ سیما بچے جی تو پہلے دانیال کے جانے کا اطمینان کیا، پھر آرام سے بیٹھ کر دانیال کو فون کر ڈالا اور چھوٹے ہی بولی تھی۔

"دادو مجھے، میں نے ٹانگیں کا صاف کر دیا ہے۔"

"جی آپ۔۔۔۔؟"

ادھر حواشی سے بڑبڑا جوش ہو گئی تھی۔

"اور کیا۔۔۔۔؟ بہت بڑبڑاؤ ہے کل آئے تھے اس ہستی کے، میں اگر ڈراؤ، ایکشن نہ لیتی تو سب اٹا ہو

یہاں نے خبر پڑا یا نہ کارنامہ بتایا تو حنا سراہ کر پوچھنے لگی۔

"اچھا۔۔۔ کیا کر رہی تھی سستی؟"

"دانیال کو میرے خلاف بیکاری تھی، اور مجھ سے بھی سیدھے منہ بات نہیں کر رہی تھی۔ میں نے کہا، بچو

آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا مجھ سے منہ نہ ہا کر کے والا۔"

"ابھی کہاں ہے؟"

حنا کو سب جاننے کی جلدی تھی۔

"نہیں ہے، سیکے، اور دانیال نے کہہ دیا ہے اس کے باپ سے کہ منہ نہ کرے، ابھی اپنی بیٹی کو اپنے پاس۔"

یہاں منہ بنا کر رہتی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا آپ۔۔۔ امیرا مطلب ہے، ابھی تو اس کی اماں کا انتقال ہوا ہے اور میرا خیال تھا،

دانیال اس کی دلجوئی میں لگا ہوگا۔"

حنا نے کہا تو وہ فحوت سے بولی۔

"اورے! میں نے اس کی نوبت ہی نہیں آنے دی۔ خیر۔۔۔ اب دلجوئی تم کرو گی دانیال کی،

بھئی؟ اور دیکھو۔۔۔"

کمال حسن کو آتے دیکھ کر یہاں نے بے اختیار زونہ رکھ دیا اور ان کے سلام کا جواب دے کر پوچھنے لگی۔

"جائے لاؤں آپ کے لئے؟"

"ابھی نہیں۔۔۔"

وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے ڈک کر پوچھنے لگے۔

"دانیال کہاں ہے؟"

"پتا نہیں۔۔۔ شاید یہاں صاحب کی طرف گیا ہو۔ شاید یہی تو ابھی وہاں ہے۔"

یہاں نے حاضر دماغی سے بتایا تو کمال حسن یوں ہی سر ہلاتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"اے!۔۔۔ انہیں بولی لگ رہی ہے۔"

یہاں نے بڑبڑاتے ہوئے سر ہلکا۔ پھر کچن کا رخ کیا۔ کھانے کی تیاری کے دوران اس کا ذہن مسلسل

اپنی کامیاب پلاننگ کو مزید مضبوط بنانے کی سوچتا رہا تھا، جب ہی جیسے وہ دانیال آیا تو وہ اس کے پیچھے اس کے کمرے

میں آتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کہاں چلے گئے تھے دانیال؟ تمہارے بھائی کتنی بار تمہارا پوچھ چکے ہیں۔"

"آپ نے کیا کہا؟ کیا بتایا بھائی کو؟"

دانیال نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ میں نے یہی کہا کہ تم بتا کر نہیں گئے۔"

"ہاں۔۔۔ ابھی بھائی کو کچھ مدت بتائیے گا۔ شاید وہ ابھی تو کچھ دینے چاہتے ہیں، وہ ابھی وہیں رہے گی۔"

دانیال کہہ کر دوش آدم کی طرف بڑھا تھا کہ وہ کچھ کر لیتی۔

"سنو۔۔۔ اوہ میں یہ کہہ رہی تھی کہ تمہارے بھائی کو چاہتا چاہتا ہے کہ وہ صاحب۔۔۔"

"بھائی۔۔۔ پلیز مت نام لیں ان کو کون کا، اور بھائی کو کسی باتنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

دانیال سختی سے کہہ کر دوش آدم میں بند ہو گیا اور یہاں تک تو چاہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

دوسرے چمکائے دھیرے دھیرے خلیفہ صاحب کا سرداری تھی لیکن آنسو روانی سے چمک رہے تھے،

جنہیں وہ بار بار صاف کر رہی تھی۔ خلیفہ صاحب انہیں بند کئے تھے، پھر بھی اس کی ہر حرکت انہیں محسوس ہو رہی

تھی اور اس کے آنسو تو جیسے ان کے دل پر گر رہے تھے۔ کتنی بے ہودہ لگتے تھے مجھے بولے تھے۔

"روٹی کیوں ہو بیٹا۔۔۔؟ تمہارا باپ ابھی زندہ ہے۔ مگر جاؤں حب روٹا۔"

"کپا۔۔۔!"

وہ تڑپ گئی۔

"میں کرو رہا تھا اپنی اور میری آرزوؤں کی عزت بڑھاؤ۔"

خلیفہ صاحب نے اپنی بیٹھائی پر دیکھے اس کے ہاتھ کو کھپکھپا کر کہا تو وہ اسی شدت سے رو رہے ہوئے

ہوئی۔

"ابا۔۔۔ دانیال ایسے نہیں تھے، انہیں ہبکا گیا ہے۔"

"اگر ابا ہے تو پھر اسے خود ہی سمجھنے دو۔ اس کی قسمت میں اگر ٹھوکر لکھی ہے تو میں اور تم اسے ٹھوکر کھانے

سے نہیں بچا سکتے۔"

"کوشش تو کر سکتے ہیں ہاں ابا۔۔۔!"

دو فوراً بولی تھی۔

"کوئی کام نہ نہیں!۔"

خلیفہ صاحب ہانسی سے لٹی میں سر ہلانے لگے۔

"پھر ابا!۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔؟"

"میر بیٹا۔۔۔! میرا پتا معاملہ اللہ پر چھوڑ کر میری تواریخ چاؤ گی۔"

اسے تسلی دیتے ہوئے خوبصاحب کے سینے سے آغوش ہو گئی تھی۔

”میری بچہ سے آپ کا کنواں ڈھکا ہے اب۔!“

اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

”اب کوشش کرنا، اپنے پاس کا سر نہ ٹھکنے دینا۔“

خوبصاحب کے لیے میں بااثر درختا، دو پھر ترپ گئی۔

”نہیں! اب۔! اب تک دانیال اپنے روتے کی آپ سے معافی نہیں مانگیں گے، میں اس کا نام بھی نہیں

لوں گی۔“

”اچھا جاؤ، دیکھا شربی نہ اٹھ جائے۔“

خوبصاحب نے کہا تو دو اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی، اور پھر اس نے خوبصاحب سے تو کہہ دیا تھا

کہ دو دانیال کا نام بھی نہیں لے گی، لیکن دل کا کیا کرتی جس کی ہر ضرورت میں وہ ہوا تھا۔ بظاہر تسلی انجان لیکن

شدت سے اس کی شہرہ تھی اس وقت دو نرل بنے، پھر اس نے ہماگ کر گئی کھولا تھا اور آگے راہد کو دیکھ کر دو مشکل

اپنی کیفیت چھپا کر اس کے گلے لگتی تھی۔ پھر اس کے ساتھ اندر آتی تو راہد بے سوچے اور خاص اسی مقصد سے آئی تھی

کہ خوبصاحب کے پاس بیٹھتی ہی کہنے لگی۔

”ابا! آپ کو دانیال سے تانیہ کا قصور تو پوچھنا چاہئے تھا۔ ایسا کیا کیا ہے تانیہ نے جو دیوں مجھے

سے ہی اکٹرا رہا ہے۔؟“

خوبصاحب نے ایک نظر راہد کو دیکھ کر سر جھکا لیا، بولے کچھ نہیں، تو دو پوچھنے لگی۔

”میں دانیال سے بات کروں ابا۔؟“

”نہیں۔۔۔!“

خوبصاحب فوراً منع کر کے پھر مزی سے بولے تھے۔

”نہیں بیٹا۔! ابھی نہیں۔“

”کیوں ابا۔۔۔؟ ابھی کیوں نہیں۔؟“

راہد کی جرح پر خوبصاحب گہری سانس کھینچ کر کہنے لگے۔

”جس میں یا تو نہیں بیٹا۔! اجتہاد سے معاملے میں تمہاری اماں کہتی تھیں، جلدی مت کرو، درہ دو لوگ کہیں

گئے، ہم چار دن اپنی کوئیں کھلا سکتے۔“

”تانیہ کا معاملہ اور ہے ابا۔۔۔!“

راہد تنگ پڑ کر بولی تھی۔

”وہاں دانیال کو تانیہ کے خلاف بھکیا جا رہا ہے۔“

”دانیال کوئی دردہ چٹا نہیں ہے۔ چڑھا کھلا، بھجھو آدمی ہے۔ دو کیوں بھکا دے میں آ رہا ہے۔؟“

”نہیں ہاں کی بڑی کس حال میں ہے۔؟ اور ابھی کس سامنے سے گزری ہے۔۔۔؟“

خوبصاحب کو ہنسنے میں آئے دیکھ کر راہد خاموش ہو گئی۔ مگر بات بدلنے ہوئے پوچھنے لگی۔

”اچھا! اب۔! یہ تانیہ، اب شربی کی دیکھ بھال آپ کیسے کریں گے۔؟ آپ کے لئے تو مسئلہ

”۔۔۔“

”کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ جب یہ ملے ہے کہ شربی نہیں رہے گا تو اب تم اس کی فکر چھوڑ دو۔ تم بس اپنا گھر

”اب۔۔۔“

خوبصاحب کے دو ٹوک انداز پر راہد پھر خاموش ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

دانیال، حنا کی زلیب گردگیر کا سیر ضرور ہو گیا تھا، لیکن تانیہ کو اپنی زندگی سے نکلنے کا اس نے سوچا بھی

نہیں تھا، جب ہی دو بہت دوسرے ہو گیا تھا۔ تانیہ سے بھکا دے میں آ کر خوبصاحب سے بدتمیزی کرنے کے بعد

اب اس کی بہت بھی نہیں ہو رہی تھی کہ وہ خود تانیہ کے پاس جاتا۔ البتہ سوچتا ضرور تھا۔ اس وقت وہ آفس سے لوٹا تو

یہاں کو دیکھتے ہی بے اختیار پوچھا تھا۔

”بھائی! تانیہ کا فون تو نہیں آیا تھا۔۔۔؟“

سیرا جی ضرور نہیں فوراً متنبہ کر کہنے لگی۔

”نہیں دانیال۔! اس نے کتنی بار فون کیا، لیکن اور سے کسی نے اٹھایا ہی نہیں۔“

”ظاہر ہے، اب کیوں دو یہاں کا فون اٹھانے لگے۔؟ میں نے بھی تو حد کر دی۔ مجھے خوبصاحب

سے بدتمیزی نہیں کرنی چاہئے تھی۔“

اس کی پیشانی پر سیرا اندری اندر مٹھلا کر بولی تھی۔

”ہاں۔! مجھے میں جس احساس ہی نہیں ہوا، اس سے بات کر رہے ہو۔۔۔؟ کیا کہہ رہے ہو۔۔۔؟“

دانیال نے ہوں ہونٹ پیچھے پیچھے اسے اپنی لٹلی کا شدت سے احساس دہرا دیا اور اس سے پہلے کہ وہ

ذاتی کی بات کرنا، سیرا بولی پڑی۔

”مگر تم کہتے ہو میں چلی جاؤں تانیہ کے پاس، خوبصاحب سے معذرت بھی کروں گی۔۔۔؟“

”آپ۔۔۔؟ آپ کیوں معذرت کریں گی۔؟ غلطی میری ہے، معافی بھی مجھے ہی مانگنی چاہئے۔“

اس نے کہا تو سیرا ہنسنی لگی۔

”ہاں۔! تم بھی مانگ لیتا معافی، لیکن پہلے مجھے جانے دو۔ خوبصاحب کے موڈ کا بھی پتا چل



جائے گا۔

"ہوں۔۔۔۔۔"

اس نے چند لمحوں میں سوچا، پھر سہما کو دیکھ کر بولا تھا۔

"ٹھیک ہے بھائی۔۔۔ پہلے آپ ہی چلی جائیں۔"

"اور دیکھو، اب تم خدا کے لئے قصہ تحریک دو۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ شاہد اللہ!۔ بچے کے باپ بچے

والے ہو۔"

سیرا نے چالاکی سے سر ہلاتے ہوئے کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے اسکا کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

خوبصاحب کو شہید و ہجرت کا لگا تھا۔ اس وقت وہ اپنی فحشوں کے کاغذات جمع کروانے نکلے تھے کہ انہی گاڑی میں وانیال کے ساتھ حادثہ پیش نظر آئی تھی۔ کتنی دیر تو انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ پھر جیسے سارا معاملہ کروا دینا کام چھوڑ کر سیدہ راہبہ کے پاس آئے تھے۔ گو کہ روایت طویل تھی، لیکن اتنی ہی نہیں کہ دو غلط ہو گئے تھے۔ راہبہ فوراً ان کے لئے پانی لے آئی تو انہوں نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

"کہاں سے آ رہے ہیں اب۔۔۔۔۔؟" اس نے پوچھا۔

"کہاں سے ان کے پاس بیٹھے ہوئے کہا تو ان کے ہونٹوں پر دھڑکی مسکراہٹ چمکی تھی۔

"نہ بیٹا۔۔۔۔۔ میری عادتیں خراب مت کرو۔ ایک بار گاڑی میں بیٹھ گیا تو پھر سرن کرنا کر پاؤں کا

"اچھا آپ آرام سے نہیں، میں آپ کے لئے جوس لاتی ہوں۔"

راہبہ اٹھ کھڑی ہوئی، لیکن انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں بیٹا۔۔۔۔۔ تم بیٹھو میرے پاس، میں تم سے ایک مشورہ کرنے آئی ہوں۔"

"جی۔۔۔۔۔"

راہبہ بوری طرح متوجہ ہو کر بیٹھ گئی۔

"کوئی پریشانی کی بات ہے اب۔۔۔۔۔؟"

"نہیں بیٹا۔۔۔۔۔"

خوبصاحب کے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج آ رہی تھی، جس سے دل پر پراہہ ہوتا۔

سرک گیا۔ جب وہ کہنے لگے۔

"بیٹا۔۔۔۔۔! میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ میری رپلا ترمیم میں اب بہت تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔"

اس نے سوچا کہ اس میں اپنا یہ گھر بچ کر رکھیں اور، ورنہ لگ بھگ لے لوں۔ ایک حصہ کرایے پر اٹھا دوں گا کہ

آدھنی کا زلیخہ ہو جائے گا۔"

"خیال تو اچھا ہے اب۔۔۔ لیکن یہ گھر کیوں بیچتے ہیں۔۔۔؟ میرا مطلب ہے مای کے اوپر غواہیں۔"

راہبہ نے تانیکہ کے ساتھ مشورہ دیا تو خوبصاحب مای سے بولے تھے۔

"مشکل ہے بیٹا۔۔۔۔۔! اوپر بنوانے کے لئے کہتے چاہئے۔ میں کہاں مزدوروں کے پیچھے بھاگوں

گا۔۔۔۔۔؟"

"تو ہے۔"

راہبہ نے پھر تانیکہ میں سر ہلایا۔

"بیتے میں یہ گھر کیسے گا بیٹا۔۔۔۔۔ اسے جیسوں میں کسی نئی کالونی میں اچھا اور منزل گھر مل جائے گا۔"

"بالکل مل جائے گا اور ہاں اب۔۔۔۔۔! تانیکہ کا کچھ ہٹا۔۔۔۔۔! وانیال آیا۔۔۔۔۔؟"

راہبہ نے پھر تانیکہ صاحب افسوس سے سر ہلا کر بولے تھے۔

"نہیں بیٹا۔۔۔۔۔! وہ اب نہیں آئے گا، اور اگر آئے بھی تو میں اب تانیکہ کو اس کے ساتھ نہیں بھیجوں گا۔"

"کیوں اب۔۔۔۔۔؟ آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔۔۔۔۔؟"

راہبہ پریشان ہوئی تھی۔ جب خوبصاحب نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اسے بتا دیا۔ آخر میں

کہنے لگے۔

"میں اسی لئے دو گھر، دو جگہ ہی چھوڑ رہا ہوں۔ مجھ سے تانیکہ کی پریشانی نہیں بکھی جاتی۔ ذور تیل پر

اس امید پر بھاگی جاتی ہے کہ سڑاے وانیال آیا ہوگا۔ اسی طرح ٹیلی فون پر لگتی ہے۔ اس دن اس نے اسے ٹھہرا کر دیا

ہے۔ میں اپنی بیٹی کو ڈور لے گاؤں گا۔"

خوبصاحب کی آواز بوجھل ہو گئی تھی۔ راہبہ نے ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لے لیا۔ کچھ کہنے سے وہ بھی

تاکر تھی۔

☆ ☆ ☆

شوہنی سو گیا تھا۔ تانیکہ نے آرام سے اسے بیل پر لٹایا پھر چادر اوڑھا رکھی تھی کہ ذور تیل بیچنے لگی۔ دوس

خیال سے کہ کہیں تیل کی آواز سے شوہنی اٹھ نہ جائے بلکہ بھائی کی گئی، اور جب گیت کھلا تو آگے سے کھڑے

دیکھ کر جانے کیوں اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔

"اندھ نہیں آئے ہوگی۔"

سیرا کے طریقہ انداز پر دو چوک کر ایک طرف ہٹی تھی۔

"جی جی۔۔۔۔۔!"

پھر گیت بند کر کے دوسرا کوئلے ہوئے ڈرامک روم میں آئی اور جینے کا اشارہ کیا، جسے نظر انداز کر کے بیٹا بولی تھی۔

"اسنے اکو بار ڈو، مجھان سے بات کرنی ہے۔"

"ابا تو کھر پر نہیں ہیں۔"

اس نے لے کے کو کپاٹ بنایا تھا۔

"کہاں گئے ہیں؟"

"آپ کو کیا بات کرنی ہے؟ مجھ سے کریں۔"

اس نے فوراً کہا۔

"تم سے؟"

سیرانک آئینہ نظروں سے اسے دیکھ کر بولی تھی۔

"سن سکو گی؟" اتنا حوصلہ ہے تم میں؟"

"آزاد کیجئے۔"

وہ سیرانک کے سامنے کمرہ نہیں پرانا چاہتی تھی۔

"اچھا۔؟"

سیرانک استہزا اپنے نہیں تھی۔

"اگر تم آؤ بات میں پوری نہ آئیں تو۔"

"نہیں چاؤں کی۔"

"جنگ ہو گئی تھی۔"

"ہاں۔ امرنے کے تو صرف دوے ہوتے ہیں۔ موت تو اپنے وقت پر آتی ہے۔"

"آپ اپنی بات کریں، کیسے آتا ہوا۔؟"

اس کا ضبط جواب دینے لگا تھا۔

"دانا پال کا بیٹا مل لائی ہوں۔ دو جہیں طلاق دینا چاہتا ہے۔"

سیرانے اچھائی سفاکی سے اسے زکروں کی زد میں دھکیل دیا تھا۔

"نہیں۔۔۔"

وہ ساری توانائیاں مجتمع کر کے بھی خود کو نہیں سنبھال پائی، صوفے کا سہارا لیا تھا کہ وہیں دھسے گئی تھی۔

سیرانے اسی سفاکی سے اسے گرتے ہوئے دیکھا پھر وہاں سے نکل گئی تھی۔

"ابا۔۔۔"

اس کے وجود میں درو کی ٹھیس اٹھنے لگی تھی۔ بے پروا دغا رزہ پتہ تو پتے وہ اندھروں میں ڈوب گئی تھی۔ اب اس بوش آیا تو فوری طور پر کچھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے۔؟ انہی کرے میں اس کی خالی خالی نظریں۔ وہ اندھ بھگ رہی تھی کہ دروازہ کھلنے پر وہ دوسرا دیکھنے لگی۔ راجہ اور اس کے پیچھے ابا آ رہے تھے۔ اسے کچھ بھی کہہ نہیں آیا۔

"سہارک ہو۔۔۔ اللہ نے جسہیں بہت پیاری بنی دی ہے۔"

راجہ نے قریب آ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا تو ایک ہل میں اس کی نظروں کے سامنے جانے لگا۔

"بیٹا۔۔۔ اونا پال کو اطلاع کر دوں۔؟"

خوبصاحب نے اس سے چھوٹا دو ایک دم ناکھ ہو کر بولی تھی۔

"نہیں ابا۔؟ نہیں۔۔۔"

"کیوں نہیں؟ اسے چاہنا چاہئے کہ وہ بھی جی کا باپ بن گیا ہے۔"

خوبصاحب کے لے کے میں جانے لگا تھا، وہ تڑپ کر لٹی میں سر ہلانے لگی۔

"ابا نہیں۔۔۔ اونا پال کہ چاہا تو وہ مجھ سے میری بیٹی چھین کر لے جائیں گے۔"

"کیوں چھین کر لے جائے گا۔؟"

راجہ نے قرار کیا تھا۔

"ہاں بیٹا۔۔۔ اکیں چھین کر لے جائے گا۔؟"

"آپ کو نہیں چاہا۔۔۔ اہں، آپ ابھی کسی کو نہ بتائیں۔ آپ کو میری قسم ابا۔۔۔ آپ کسی کو نہیں

کہیں گے۔"

دور دور لگتی تو راجہ نے پریشان ہو کر خوبصاحب کو دیکھا، وہ اپنی جگہ پر بیٹھا تھے۔

"کافی۔۔۔ اتنا۔۔۔ ارد کیوں رہی ہو۔۔۔؟ کوئی بات ہوئی ہے کیا۔؟ تاؤ تاؤں۔۔۔"

راجہ نے اسے پکارے ہوئے بولی مشکل سے چپ کر لیا، پھر رونے کی وجہ پوچھی۔

"سج اونا پال کی بھانج آئی تھی۔"

دوڑک دک کر بھاری تھی۔ راجہ اور خوبصاحب ٹالے میں کھڑے تھے۔

☆.....☆.....☆

"آپ۔۔۔ اونا پال تو پہلے کی طرح ہو گیا ہے۔ روڈ اسپتال، سارا راستہ مجھ سے بات ہی نہیں کی۔ میری

فان کے جناب میں بھی نہیں، دون، ہاں، کربار ہا۔"

جنگ ملک بھاری تھی۔ میرا کواں پر غصہ کیا۔

”جہیں کیا ضرورت تھی اس سے لبت لینے کی؟ ابھی تو جہیں اس کے سامنے بھی نہیں آتا تھا۔“

”کیوں؟“

”کیونکہ ابھی اس کا ذہن الجھا ہوا ہے۔ تم زیادہ آؤ جاؤ کی تو اس کی آنکھیں سلجھنے کا مدد“

”سچی؟“

”میرا آخر میں رنج ہوئی تھی۔“

”نہیں۔۔۔۔۔ اس کی کہ نہیں سمجھ رہی۔“

”جھنجھلائی۔“

”اچھا۔۔۔۔۔ ابھی تم جاؤ اور جب تک میں نہ کہوں، مت آنا۔“

میراے زبردستی اسے پیچ دیا، کیونکہ دانیال کے آنے کا وقت ہو رہا تھا، اور وہ جو کچھ مانے سے کہتا

تھی، تو اسے خدشہ تھا کہ کہیں مانے سے تقدیر کے لئے دانیال کو خون نہ کر دیا ہو۔ وہ اسی پریشانی میں کھڑی تھی

دانیال کے آنے کا پتا بھی نہیں چلا۔

”اسلام علیکم۔۔۔۔۔“

دانیال نے سلام کیا تو وہ چونک کر اسے دیکھتے ہی جھوجھتی چلی، بلا ارادہ بولنا شروع ہوئی تھی۔

”میرا تو خیال تھا اصل لشکارے آگئی ہوگی ان لوگوں کی، لیکن نہیں! خوبصورت صاحب کا داروغہ،“

آسمان پر پہنچا ہوا ہے۔ میری تو کوئی بات نہ تھی نہیں، بس اپنی کہتے رہے۔“

”لنگ۔ کیا۔۔۔ کیا کہتے رہے۔؟“

وہ جھپٹے ہی الجھا ہوا تھا، مزید الجھ گیا۔

”دعی تمہاری اس درد کی بدھیزی پر مسلسل امن ملن کرتے رہے، مگر کہنے لگے۔ میری بیٹی کے گلا

کی نہیں، جیسے میں نے رات کو یاد دہانہ کو بھی۔“

دانیال کے ہونٹ پھٹنے پر سہا ایک لٹکھو خاموش ہوئی، مگر کہنے لگی۔

”تو بہت۔۔۔۔۔! بدایا بولنے ہوئے ذرا خدا کا خوف نہیں آیا یا۔۔۔۔۔ میں کو، اور وہ مانے، اسے گوا،

نہیں آئی، باپ کی ہاں میں ہاں ملائی رہی۔ مجھے غصہ تو بہت آیا، لیکن کیا کرتی۔۔۔۔۔؟ میں تو خون کے گھونٹ ل

گئی۔“

”کیوں۔۔۔۔۔؟ کہہ دیجئے آپ بھی کہ دانیال کو بھی کی نہیں ہے۔ مگر میں جاؤں گا میں اس کے بلے۔“

وہ غصے سے کہہ کر رکائیں، تیزی سے سیر کیا تھا۔

”اوہ شکر۔۔۔۔۔“

میراے سینے پر ہاتھ رکھ کر سانس کھینچا، مگر فوراً کچن کا درجہ کیا اور جب تک کمال حسن آئے، اس نے

ماہل پر لگا دیا تھا۔

”دو۔۔۔۔۔ ایک تک سینے رکھ رہی۔؟“

کمال حسن نے کھا تھرونگ کرنے سے پہلے پوچھا تو میرا بظاہر سرسری انداز میں بولی تھی۔

”ڈیویری تک۔۔۔۔۔؟“

”کیوں۔۔۔۔۔؟“

”کیونکہ ان کے ہاں کاراج ہے کہ بیٹی کی پہلی ڈیویری سینے میں ہوتی ہے۔“

میراے کمال ہوشیاری سے بات بناتی تھی۔

”عجب دراج ہے۔ دانیال کی تو پر لنگ جانے گی۔ کبھی ادھر کبھی ادھر۔“

کمال حسن نے کہتے ہوئے سانس کی دھن اٹھائی تھی۔

”ہاں۔۔۔۔۔! کالی ڈسٹرب ہو گیا ہے دانیال۔“

”دیکھ رہا ہوں۔“

کمال حسن نے کہا تو میراے لنگ کر پوچھا تھا۔

”کیا دیکھ رہے ہیں۔۔۔۔۔؟“

”دانیال کو دیکھ رہا ہوں، پریشان مگر رہا ہے۔“

”ہاں۔۔۔۔۔! اچانکہ پریشانی کی بات نہیں ہے۔ شکر ہے، سب دمل ہے۔“

میراے اطمینان سے ہو کر کہا تھا۔

☆ ☆ ☆

خوبصورت صاحب نے اسٹیٹ ایجنٹ کی خدمات حاصل کیں تو ان کے سارے کام بہت جلدی ہو گئے تھے۔

ان کی کمر بک گیا اور دوسرا گھر بھی خرید لیا۔ یہ سارا مقدمہ کا مکمل تھا۔ شاہد مانے کی قسمت میں ہی لکھا تھا کہ وہ سازشوں کی

بہت چڑھ گئی تھی۔ اسلئے اسے چھپانے ہوئی تو خوبصورت صاحب نے اسے گھر میں لے آئے تھے۔

”اچھا۔۔۔۔۔؟“

وہ تھراں ہوئی۔

”تیس کی کمر ہے۔؟“

”ہمارے اب سبھی ہمارا گھر ہے۔ بیٹا۔۔۔۔۔! کیسا ہے۔۔۔۔۔؟“

خوبصورت صاحب نے انہیں چرائے ہوئے بتا کر پوچھا تھا۔

"اچھا ہے، لیکن ہا... میں بھی نہیں۔"

وہ الجھتی تھی۔

"اس میں نہ گھنٹے کی کیا بات ہے چلا...؟ میں نے اس گھر کے بدلے یہ گھر لے لیا ہے۔"

خوبصدا صاحبہاں ظاہر کر رہے تھے جیسے یہ کوئی بات ہی نہیں ہے۔

"وہ گھر کچھ دیا...؟"

وہ آنسو سے بولی تھی۔ خوبصدا صاحبہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ماتا ہوں چلا... اس گھر سے میری تہذیبی سبب کی یادیں اور سہیت ہیں، لیکن زندگی اس سوازی کا آتی ہے کہ آگے کا سفر ہے۔ نے کے ان تکلیف دہ یادوں سے بھلا کر اپنا بہت ضروری ہو گیا تھا۔"

خوبصدا صاحبہ کا اپنا لہجہ ٹوٹ رہا تھا۔ عانیہ نے مزید کچھ کہنے سے گریز کیا۔

"جاؤ چلا! تم آرام کرو۔"

خوبصدا صاحبہ کہہ کر اپنے سر سے کی طرف بڑھ گئے اور وہ اپنے کمرے میں آئی تو شونی کو زخمی مشعال ملے ساتھ کیلے دیکھ کر بہت سادہ سنسکرتی، پھر اس کے پاس بیٹھ کر پوچھنے لگی۔

"پتا ہے شونی...! اب کہوں ہے...؟"

شونی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ آپ کی چوٹی نہیں ہے۔ آپ اس کے ساتھ کیلے گئے ہیں...؟"

"کیلےں گا۔"

شونی مطابق ہو گیا تھا۔

"تھکے ہو نہیں کرو گے؟ اس سے...؟"

"نہیں...!"

"شہا پاش...!"

اس نے شونی کا گال چڑھاتو وہ پوچھنے لگا۔

"خاں...! ڈول (Doll) ہے...؟"

"ہاں...! آپ کی ڈول ہے۔"

"ڈول کا نام کیا ہے...؟"

"ڈول کا نام ہے مشعال، کیا نام ہے...؟"

اس نے پتا کر پوچھا۔

"مشا..."

شونی کی زبان پر نام نہیں چڑھا۔

"مشعال...!"

وہ ہنسنے لگی۔

پھر ادھر وہ گھر کو بیٹھ کرنے میں لگی تھی اور ادھر رابعہ سارا گھر سیٹ کر مایاں اور اس کے بچوں کے ساتھ ڈوٹری روانہ ہو گئی۔

جاتے ہوئے وہ دہار بار خوبصدا صاحبہ سے یہی کہہ رہی تھی کہ انہیں شونی کو نہیں روکنا چاہئے تھا۔ اب عانیہ دو بچوں کو کیسے سنبھالے گی...؟

"جیسے تم دو بچے سنبھالو گی۔"

خوبصدا صاحبہ عینیان سے بولے تھے۔

☆.....☆.....☆

"سمیار و بچ گئے سونا چاہئے۔"

کمال حسن نے ریوٹ سنسکرتول سے ٹی وی آف کرتے ہوئے کہا، پھر اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگے کہ کچھ دانیال کو آتے دیکھ کر ڈر کر کر پوچھنے لگے۔

"تم کہاں، ہسرال سے آ رہے ہو...؟"

دانیال نے سہما کو دیکھا اور اس کے نظریں چڑھنے پر بولا تھا۔

"نہیں بھائی...! ہسرال کو میں نے خیر یاد دیا ہے، ہمیشہ کے لئے۔"

"کیا مطلب...؟"

کمال حسن کے چیشیاں پر بل پڑ گئے تھے۔

"مذاق کر رہا ہے۔"

سہما نے ہونکھلا کر کہا تو دانیال یکدم مڑو ہو گیا تھا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا بھائی...! اچ کہہ رہا ہوں۔"

"سیر ایشیاں ہے، عانیہ سے کچھ کھٹ چلے ہوگی ہے، جب ہی اٹلا سیدھا بول رہا ہے۔"

سہما پھر بولنے سے باز نہیں آئی۔

"کیوں دانیال...؟"

کمال حسن نے تصدیق کے لئے دانیال کو دیکھا۔

"بھائی کو بھی لگتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔"

دانیال نے کہا تو کمال حسن غصے سے دھاڑے تھے۔

"پھر کیا ہے...؟ بتاؤ مجھے، کیا معاملہ ہے...؟ کیوں تمہارا کھانا تم نے ٹھیکہ کر دیا؟"

"میں نے نہیں بھلیا، اسے خود بخود قحط کیسے پہنچنے کا پتہ چلیا ہے، ساری زندگی وہی۔"

دانیال بھی غصے سے کہتا تیری سے نکل گیا۔

"دماغ خراب ہے اس کا، میں خود جان کا گھنٹا بنے کے پاس۔"

کمال حسن کہتے: دے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ پھر صبح اُٹس جاتے ہوئے وہ پہلے خواجہ صاحب کے گھر گئے، وہاں لالہ کاگاہا اور شام میں واپسی پر بھی دو کچھ دوا دیا جسے میں مگر گھٹے۔

"خواجہ صاحب لوگ چاہیں کہاں گئے ہوئے ہیں۔؟"

گھر آتے ہی انہوں نے سیرا سے کہا تو وہ اندر ہی اندر مخالف ہو کر بولی تھی۔

"کیا مطلب...؟"

"میں صبح گیا تھا اور اُٹس سے واپسی پر بھی، لیکن خواجہ صاحب کے گیسٹ پر لالہ کاگاہا تھا۔"

انہوں نے بتایا تو سیرا اطمینان سے ہو کر بولی۔

"اچھا...! ہو سکتا ہے اپنی بڑی بیٹی راجہ کے ہاں گئے ہوئے ہوں۔"

"ہوں...!"

انہوں نے چند لمبے سوچا، پھر سیرا سے پوچھنے لگے۔

"تمہیں بتاؤ کہ کمال دانیال اور تانیہ کے درمیان کیا جھگڑا چل رہا ہے۔؟"

"ہاں...! لیکن جب مجھے کسی نہیں معلوم۔ دانیال سے پوچھتی ہوں تو وہ ٹال جاتا ہے اور تانیہ بھی کچھ

نہیں بتاتی۔"

سیرا سنبھل کر بول رہی تھی۔

"کیا کہتے ہیں دونوں...؟"

کمال حسن کا اس معاملے کو اہمیت دینا سیرا کو بری طرح کل رہا تھا۔

"دانیال نے تو کل آپ کے سامنے جو کہا اور تانیہ بھی کہہ رہی تھی کہ کبھی اس گھر میں نہیں آئے گی۔

اتنا سمجھایا میں نے، لیکن وہ تو جیسے خدشہ آگئی ہے۔"

"ابھی سے تو نہیں...؟" فرید...! خواجہ صاحب کو اس معاملے کا علم ہے یا وہ بھی میری طرح بے خبر

ہیں...؟"

کمال حسن کی سوا یہ نظر ہاں سے سیرا پر ہو کر کھینچ گئی۔

"سب خبر پر خواجہ صاحب کو۔ ایک روز تو خون پر دانیال سے جھگڑ رہے تھے۔ میں نے خود سنا تھا۔"

دانیال نے بھی غصے میں انہیں برا بھلا کہہ دیا تھا۔"

"انتہائی نامقول ہے دانیال۔"

کمال حسن نے انہوں سے کہا سارا تھی موقوف بھی ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆

سیرا پریشان پھر رہی تھی۔ اسے اب اپنی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔ کیونکہ ابھی اُٹس جاتے ہوئے کمال حسن کہہ گئے تھے کہ وہ خواجہ صاحب سے مل کر آگے گئے۔ سیرا کی کچھ باتیں نہیں آیا تو دانیال کے کمرے میں آگئی اور اسے بے خبر سوئے دیکھ کر جھنجھوڑا لالہ۔

"دانیال...! دانیال...! اٹھ جاؤ، دوس بج گئے ہیں۔ اُٹس نہیں جا کے کیا...؟"

"نہیں...!"

اس نے کسندی سے جواب دیا۔

"اچھا...! اٹھ جاؤ، میں بہت پریشان ہو رہی ہوں۔"

سیرا نے کہا تو اس نے پوری آنکھیں کھول دیں۔

"گگہ... کیوں؟ کیا ہوا ہے...؟"

"تمہارے بھائی بہت غصے میں اُٹس گئے ہیں۔"

سیرا اپنے آپ ذوق ہو رہی تھی۔

"پھر...؟ میرا مطلب ہے آپ سے کچھ کہا بھائی نے...؟"

وہ اٹھ بیٹھا۔

"نہیں...!"

"پھر آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں...؟ ویسے بھی یہ میرا میٹر ہے۔"

اس کے اطمینان پر سیرا جھنجھلا گئی۔

"تمہارا میٹر ہے، لیکن مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"کم آن بھائی...! آپ نے کیا کیا ہے جو آپ ڈر رہی ہیں...؟"

"تمہارے بھائی تو مجھ سے پوچھیں گے ہاں...؟"

"کیا پوچھیں گے آپ سے...؟ خبر...! جرمی پوچھیں، آپ کہہ دیجئے گا، آپ کو کچھ پتا نہیں ہے۔"

انہیں جو پوچھا، وہ مجھ سے پوچھیں۔"

وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تو سیرا پوچھنے لگی۔

”اور تم کیا کہو گے.....؟“

”یہ میرا مسئلہ ہے بھالی.....! آپ خود خواہ بخش نہ لیں۔“

وہ کہہ کر دانش روم میں بند ہو گیا۔ پھر دو ہر اسے نام شیشہ کے گھر سے نکل آیا تھا۔ آفس جانے کا ہانگلا موڈ نہیں تھا۔ یوں بھی کافی ٹینٹ ہو گیا تھا۔ لیکن گھر بیٹہ کر بھی کیا کرے.....؟ اس نے نہ چاہے ہوئے بھی آفس کے راستے پر گاڑی ڈالی تھی کہ اسلاط پر چٹا کھڑی نظر آگئی۔ اس نے گاڑی ۱۱ کے قریب لے جا کر روک دی تو اسے دیکھ کر بھی انجان بہن کی تھی۔

”فتنا.....؟“

اس نے شیشہ گر کر کارباج بھی وہ نرودھے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

”کم آن.....! میں ڈراپ کروں گا۔“

اس نے کہا تو حنا یوں جیسے ہال ٹو سٹ بیٹھی ہو۔

”کیا بات ہے.....؟ باراض ناراض لگ رہی ہو.....؟“

اس نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا تو وہ تنک کر بولی۔

”ہاں.....! ہوں ناراض۔“

”مجھ سے.....؟“

اس نے حجت سے اپنی طرف اشارہ کیا تھا۔

”ظاہر ہے کہ نہیں ناراض لگ رہی ہوں تو تم سے ہی ہوں گی ناں.....!“

”ارے.....! میں نے کیا کیا ہے.....؟“

وہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

”وہی جواب میں کر رہی ہوں۔“

اس کے پہیلیاں بھگوانے پر وہ فوج ہو گیا۔

”کیا مطلب.....؟“

”کیوں.....؟ اس روز تم سارا وقت منہ بھلائے نہیں بیٹھے رہے تھے، میں نے کیا کیا تھا جو مجھ سے بات

نہیں کر رہے تھے.....؟ اب میں بھی تم سے بات نہیں کروں گی۔“

حنا کی وضاحت پر وہ گہری سانس کھینچ کر کھینچا۔

”سو ری یار.....! اس روز صبح میں، میں بہت آپ سیٹ قائم تو جاتی ہو۔“

”ہاں.....! مجھے شوس ہے کہ تمہارا گھر ڈسٹرب ہو رہا ہے۔ یہ نہیں ہوتا چاہئے۔ آخر تانیہ جا رہی کیا

ہے.....؟“

حنا نے بظاہر ہمدردی جتا کر پوچھا تو وہ بس کندھے اچکا کر رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

تانیہ اور اپنی دانیاں کی تصویر دیکھتے ہوئے کھوگی تھی۔ جانے کیا کچھ یاد آنے لگا تھا کہ خوبصورت صاحب کی پکار نے اسے بڑھکایا۔ جلدی سے الماری کھول کر تصویر رکھ رہی تھی کہ خوبصورت صاحب اندر آ گئے۔

”کیا حنا کی کر رہی ہو بیٹا.....؟“

”کچھ نہیں بابا.....! آپ بتائیں، کیا کہہ رہے تھے.....؟“

وہ الماری بند کر کے انہیں دیکھنے لگی۔

”وہ..... بیٹا.....! میں یہ یکبارہ تھا کہ ابھی مجھے رفیق صاحب نے سچے تم نہیں جانتیں، پر اسے دوست

جیسے میرے..... خبر.....! اصل بات یہ ہے کہ ان کا یہاں قریب اسکول ہے اور میں نے ان سے بات بھی کر لی ہے۔“

اسے خوبصورت صاحب کی بات کچھ نہیں آتی تھی۔

”کیا بات کر لی ہے بابا.....؟“

”ارے بیٹی.....! شوبی داسکول داخل نہیں کرنا.....؟ اسی کے لئے بات کی ہے۔“

”اچھا اچھا.....! ہاں.....! یہ آپ نے اچھا کیا بابا.....! میں بھی آپ سے کہنے والی تھی کہ اب شوبی کو

اسکول جانا چاہئے۔“

”بس تو میں کل ہی اس کا ایڈمیشن کرادوں گا، ٹھیک ہے.....!“

”جی.....! آپ کے لئے کچھ لاؤں.....؟“

اس نے پوچھا تو خوبصورت صاحب بیٹہ پر بیٹھے ہوئے بولے۔

”نہیں.....! بس پانی پلا دو۔“

”ابھی لائی۔“

دو جلدی سے پانی لے آئی تو خوبصورت صاحب پانی پی کر کہنے لگے۔

”کچھ چاہتا ہوتا دو۔ میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔“

”ابھی تو آئے ہیں بابا.....! آپ پھر کہاں جا رہے ہیں.....؟“

اس نے نواہا۔

”ایک جگہ جاؤں گی بات کی تھی.....! اللہ کا شکر ہے، انہوں نے بلا لیا ہے۔ انٹا، اللہ بھلی تاریخ ہے جو اس

کروں گا۔“

خوبصورت صاحب نے بتایا تو وہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"جہ تو خوشی کی بات ابا..... لیکن مجھے افسوس بھی ہوتا ہے۔"  
"افسوس کیوں....؟"

خوبصاحب نے قدرے جرات سے اسے دیکھا تھا۔

"کیونکہ ہماری جہ سے آپ کو اس عرصہ میں جاب کرنی پڑی ہے۔ میں آپ پر یو جھین لگی ہوں نا۔"

اس کی دل پر نقل چھوٹ کر بھی کسی خوبصاحب مداخلت ہونے لگے۔

"ٹائیپ..... اس بے بات کی ہے، آنکھ دھرت کرنا۔ اللہ نے مجھے کی قائل سمجھا ہے، جب ہی مجھ پر تمہاری اور بھائی کی ذمہ داری ڈالی ہے۔ یہ تمہارا اور بھائی کا نصیب ہے جو مجھے اس عرصہ میں جاب کرنی پڑی ہے، ابھی تم.....؟"

"جی.....!"

اس نے سر جھکا لیا تو خوبصاحب نرم پر کر گیا ہوئے۔

"جیٹا..... ایک بات یاد رکھو۔ رب کی رضا میں رہنے میں ہی ہماری عافیت ہے۔ دو ایک ہے،

اپنے بندوں کو ہر طرح سے آزاتا ہے۔ دے کر بھی، لے کر بھی، اور جو اس کی آزمائش پر پورا نہیں اُترتا تو اس کے لئے آزمائش سزا بن جاتی ہے۔"

"مجھے صاف کر دیں ابا..... میں نے آپ کا دل دکھایا۔"

وردو پڑی۔

"ارے نہیں جیٹا.....!"

خوبصاحب نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"تمہارا کوئی دل نہیں دکھا، ہاں اگر تم رو دگی تو مجھے تکلیف ہوگی۔ چلا انور محمد ہاتھ دھو، اور دیکھو مجھے بھی دیر کاوی تم نے۔"

دو تھپیڑوں سے آنکھیں مڑ گئی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر خوبصاحب کو گیت تک چھوڑ کر اندر آئی تو کتنی دیر اصر سے اُھر پکرائی پھری۔ دونوں بچے سو رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہوئے اسے شدت سے احساس ہوا کہ

دونوں باپ کے ہوتے ہوئے بھی ان کی شفقتوں سے محروم ہیں۔

"ابا نے ٹھیک کہا تھا۔ دانیال کو پتا چلنا چاہئے کہ وہ جی کا باپ بن گیا ہے۔"

اس نے سوچا اور لائی میں آکر دانیال کا کمر ڈاک کر تے ہوئے پھر اسے بھٹکا لگا تھا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں ابا.....! جب تک دانیال اپنی غلطی پر دم مارے گا تو آپ سے معافی نہیں مانگیں گے،

میں ان کا نام بھی نہیں لوں گی۔"

اپنا وعدہ دیتا آتے ہی اس نے ریشم پر واپس رکھ دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

دو ان دونوں کمال حسن کا سامنا کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ اسے دیکھتے ہی غائبے کے بارے میں

پوچھتے تھے۔ اس لئے یا تو دھمکراتی رہتے یا تو چھپا آتے ہی اپنے کمرے کا زنگ کرنا تو بھرا لگی کمال حسن کے

آفس جانے کے بعد ہی بچے آتا تھا۔ اس وقت وہ آفس سے لوٹا تو سیما کے ساتھ حنا کو پیٹنے دیکھ کر بھی نہیں دکا اور

سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا۔

دل میں دو پہر سے ہی اس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ ٹیبلٹ لینے سے بھی کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا تو

اب درد آرام کرنا چاہتا تھا۔ عموماً وہ اس وقت شاور لیتا تھا لیکن اس وقت ہمت نہیں ہوئی۔ کپڑے بھی نہیں بدلے،

جوئے موزے اتار کر لینا تو کچھ دیر میں سو بھی گیا تھا۔

پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اس نے ٹائم دیکھ کر سوچا اور دوبارہ سو جانے،

لیکن بھوک نے نیند ڈھری تھی۔

"ش....."

وہ خاصا جلد ہوا اکاب جانے تک جب تک جاگتا پڑے گا..... اپنی بے وقت نیند کو کون سے ہوئے اس نے

اٹھ کر کد پر پانی کے پیچھے مارے، پھر کھانے کے لئے بچے آیا اور سیدھا کچن کی طرف بڑھا تھا کہ حنا کی آواز نے

اس کے قدم روک لئے۔

"بچ آپا..... آپ نے تو کمال کر دیا۔ دانیال تو اب ٹائیپ کا نام بھی نہیں سننا چاہتا۔"

حنا کی آواز میں خوشی کی ٹھٹھکی تھی۔ وہ ابھی ٹھٹھکی نہیں تھا کہ سہا کی آواز آئے لگی۔

"اچھا.....! زیاہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی ایک ٹیبلٹ کھا لیا ہو گیا ہے۔"

"اوہو.....! کیا یہ مسئلہ حل ہو گیا ہے.....؟"

حنا جھپٹائی تھی۔

"تمہارے ذہن ابھی تک بات پہنچ گئی ہے اور وہ اپنے طور پر ٹائیپ کو سنا کر لانے کا سوچ رہے ہیں۔"

"کیوں.....؟ سہرا مطلب ہے، جب دانیال نہیں چاہتا تو پھر ذہن ابھی کو کیا ضرورت ہے.....؟ آپ

روکیں انہیں۔"

حنا کی بات پر دو ابھی طا اور ہوشیار ہو گیا تھا۔

"کوشش تو کر رہی ہوں لیکن دوسری کوئی بات سن ہی نہیں رہے اور چارے ہیں صبح شام خوبصاحب

کے گھر۔ وہ تو شکر ہے کہ خوبصاحب نہیں مل رہے۔ بتائیں کہاں گئے ہوئے ہیں.....؟ گھر پر تالا پڑا ہوا ہے۔"

"جلیس اچھا ہے۔"

حنا کی بے نیازی پر سمانے دانت پیسے تھے۔

"لیکن کب تک.....؟ آخر کوئی نہ آئیں گے اور جو مال کی خوبصورتی سے ملاقات ہوگی، پھر تو

بھجھو سارا بٹا بٹا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"اللہ نہ کرے آپا..... ایسی خوف ہاک باتیں نہ کریں۔"

"تو کیا کروں.....؟ تم سے زیادہ مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔ میں نے تمہارے دلہا بھائی سے یہاں تک

کہہ دیا ہے کہ ٹائیڈ طاقی مانگ رہی ہے، اور وہ ٹیکوہو اینال سے میری بات کا یقین کر لیا، لیکن....."

"اف ملو!....."

وانیال کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے تھے۔ چمک چمک کر شدت اسے نیچے آئی تھی، انہی

بیروں والی بیڑیاں چڑھتے ہوئے اس کے قدم کن کن بھر کے ہو رہے تھے۔ مشکل اپنے کمرے میں آتے ہی وہ

یوں اونٹ منہ بدل کر گرا تھا جیسے بڑی زور کی ٹھوکر لگی ہو، اور ٹھوکر تو لگی تھی۔

"یادہ.....! میں نے ہمیشہ بھائی کو اس کا درجہ دیا اور انہوں نے میرے ساتھ کیا کیا.....؟ اتنی گنت؟ اتنی

سازش.....؟ چاہہ کر دیا مجھے، کیسے سامنا کروں گا تیار اور خوبصورت صاحب کا.....؟"

اس کے مارغ میں ٹھیکیں اٹھنے لگی تھیں اور نظروں کے سامنے وہ منظر آئے جابجا نیچے نے کہا تھا۔

"ذرا تیز نہیں ہے، اتنا ہی نہیں جیسا کہ کمرے میں جانے سے پہلے دیکھ دیا جاتی ہے۔"

"یہ تم کس کے بارے میں کہہ رہی ہو.....؟"

اس نے سمجھ کر بھی پوچھا تھا۔

"تمہارے بارے میں جیسا کہ میں نے آٹھ پہلی آئی تھی۔"

"کمال ہے، ایک تو وہ تمہارا خیال کر رہی ہے۔"

"میرا نہیں، آپ کا۔"

"اف.....!"

اس نے دونوں باتوں کی اٹھکوں سے اپنی کہنیاں دبا لیں۔ پھر سر کو زور زور سے ہٹکے دیئے، لیکن

جانے کیا کچھ یاد آتا چلا جا رہا تھا۔ بہت پریشان ہو کر اس نے نیکیوں میں سر گھسا کر سونے کی کوشش کی، لیکن اب نیند

کہاں آئی تھی.....؟ پوری رات وہ کانٹوں پر لوٹا رہا تھا۔ سردی سے چلتا جا رہا تھا۔ جگر کی آواز ہوتی، جب اس نے

بستر چھوڑ دیا۔ دشوکر کے نماز پڑھی، پھر نیچے لیٹ گیا۔ آکر جانے بٹائی اور تنگ لے کر بچن سے نکلا تھا کہ سامنے سے

آئی ہوئی سیمانے سے دیکھ کر حیرت سے ہل گیا۔

"اورے.....! تم اتنی جلدی کیسے آتے ہو گئے.....؟"

"بس.....! کچھ کھل گئی، بلکہ آنکھیں کھل گئیں۔"

اس کا جتنا شاید سیمانے محسوس ہی نہیں کیا، ملاحظہ ہوئی تھی۔

"آنکھیں کھل گئیں.....؟"

"آپ بس کیوں رہی ہیں۔"

اس نے بھڑکنا۔

"تمہاری حالت پر، مجھوں لگ رہے ہو۔ کہیں بھرے تو عیش نہیں ہو گیا.....؟"

سیمانے نے چھیڑا تھا۔

"بگڑا یہاں سے، حائلہ ہے۔"

اس نے کہہ کر چائے کا کپ لیا تھا۔

"اچھا.....! اکون ہے.....؟"

سیمانے اشتیاق سے پوچھا۔

"تیار نہ گا۔"

وہ کہہ کر ڈاک نہیں، اپنے کمرے میں آکر اس نے چائے پی۔ پھر اجالا پھینکے تنگ وہ گزشتہ باتیں ذہن

سے جھٹک کر اپنا اگلا اقدام سوچتا رہا۔ گوکہ ایک دم سے تانیہ اور خوبصورت صاحب کے سامنے جانے کا کھڑے ہونا بہت

مشکل تھا۔ پھر بھی اس نے بہت باندھ لی، اور بٹھا ہوا آفس کے لئے تیار ہو کر نکلا تو پہلے خوبصورت صاحب کے گپ پر گازی

رد کی اور اترتے ہی اسے دھچکا لگا تھا۔

گپت پر مکان پر اسے فروخت کا بورڈ لگا تھا۔ اسے حیرت سے زیادہ پریشانی نے گھیر لیا۔ سختی و بردہ خبر

یعنی سے بورڈ پر نظر میں بٹھے کھڑا رہا، پھر ادھر ادھر کے کچھ لوگوں سے خوبصورت صاحب کے بارے میں پوچھا تو سب

نے ایک ہی جواب دیا کہ خوبصورت صاحب کوئی مہینہ پہلے ہی گھر بچ کر چائے ہیں۔ کہاں؟ یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔

پھر وہ سارا دن خوبصورت صاحب کی تلاش میں بھٹکا رہا تھا۔ ان کے آفس بھی گیا جہاں سے ان کے نماز

ہونے کی خبر ملی اور وہاں ان کے پرانے گھر کا ایڈریس تھا۔ اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ پھر آخری امید اسے

راہب یاد آئی تو اس نے فوراً گاڑی اس کے گھر کے راستے پر ڈال دی۔ لیکن جب وہاں موجود چوکیدار نے بتایا کہ سب

لوگ ذہنی شغف ہو گئے ہیں تو اس کے جسم میں جیسے جان ہی نہیں رہی تھی۔

"سب لوگ.....؟ گھر والوں میں کون کون.....؟"

اس نے بے ہوشی سے پوچھا تھا۔

"ہا.....! پورا خاندان گنا گیا ہے۔ اب یہاں کوئی نہیں رہتا۔ آپ کدھر سے آیا ہے.....؟ صاحب کا رشتہ

دار ہے کیا.....؟"



چو کیدار نے منہ دکا کر پوچھا۔

”ہاں... اودو... خیر... اتم بتاؤ، صاب کا کوئی خبر و خبر ہے تمہارے پاس...؟“

”نہیں صاب...! ہم ملازم آدمی ہیں۔“

چو کیدار نے اس کی مایوسی میں آخری کھل ٹھونک دی تھی۔

☆...☆...☆

ادھر کے پورشن میں کراہے دار آئے تھے تانہ کاٹی بھل گئی تھی۔ ایک کھل تھا، ایک ہی جی تھی، شعل کے برابر۔ چند بلوں میں تانہ کی فوڑیہ کے ساتھ دوتی تو فارغ وقت میں تھی، دو فوڑیہ کے پاس تو کبھی فوڑیہ اس کے پاس آ جاتی تھی۔ اس وقت فوڑیہ نے ہاتھوں کے دوران اچانک پوچھا تھا۔

”تمہارا میاں کہاں گیا ہوا ہے...؟“

”میرے میاں ابہر ہوتے ہیں، میرا مطلب ہے، ملک سے باہر۔“

دو پچیلے سے یہ جواب سوچ چکی تھی۔

”پھر تو تم بھی اس کے پاس چلی جاؤ گی۔“

فوڑیہ نہ کھا تو وہ پچھلی سکرابٹ کے ساتھ بروٹی تھی۔

”نہیں...! اتنی جلدی جانا تو ممکن نہیں ہے۔“

”ہاں...! اٹھلی کو بلانا آسان ہے۔ کتنا عرصہ ہوا ہے تمہارے میاں کو گھر سے ہوئے...؟“

”بھئی کوئی تین چار مہینے۔“

”پھر تو واقعی ابھی تمہارا جانا ممکن نہیں ہے۔“

”ہوں...! تمہاری بیٹی بہت پیاری ہے۔“

وہ اس موضوع سے بٹنے کی خاطر فوڑیہ کی بیٹی کو بیکار کر نے لگی۔

”بچے تو تمہارے بھی ماشاء اللہ بہت پیارے ہیں۔“

فوڑیہ نے کہا تو وہ بے ساختہ بروٹی تھی۔

”بچے نہیں، میری بھی ایک ہی بیٹی ہے۔“

”اور یہ بیٹا...؟“

فوڑیہ نے تیران ہو کر اسے دیکھا تو وہ اپنی اہلہ بازی پر اندر ہی اندر جھنجھلائی، پھر کہنے لگی۔

”میرا بہن کا بیٹا ہے۔ اسل میں اب اس سے بہت مانوس ہو گئے تھے۔ یہ بھی ابا کے بغیر نہیں رہتا تھا۔

اس لئے یہ ہمارے پاس ہے۔“

”اچھا اچھا...! اور تمہاری بہن کہاں رہتی ہے...؟ کبھی دیکھا نہیں ہے۔“

”وہ بھی میں ہوتی ہے۔“

اس نے جواب دے کر بات کا رخ فوڑیہ کی طرف موڑ دیا۔

”تمہاری سسرال میں ہیں، میرا مطلب ہے، اسی شہر میں...؟“

”نہیں...! میرا سسرال لاہور میں ہے۔ میری شادی ابھی وہیں ہوئی تھی۔ بس چار مہینے میں سسرال

میں ہی، میرا اپنے میاں کو وہاں سے کال کر لے آئی۔“

فوڑیہ خود ہی ہنسی، پھر کہنے لگی۔

”بھئی...! اچھے...! نہیں سسرال میں کے دو ذرخے برداشت ہوتے۔ چار مہینے بہت مشکل سے گزارے

میں نے۔ تم نے بھی اچھا کیا، اپنے ابا کے پاس آ گئیں، اور تمہارے میاں کی سہاری کاتی سسرالی لے آ رہے۔“

دو زبردستی مسکرائی تھی۔

☆...☆...☆

سیما کتنی دیر سے بار بار خوبصورت صاحب کا نمبر ڈائل کر رہی تھی، یعنی ان کے پرانے گھر کا، اور ادھر مسلسل

لہجائی تھی لیکن کوئی ریسپونڈ نہیں کر رہا تھا۔

”الٹا جا بھی تک آئے نہیں خوبصورت صاحب ٹوگ۔“

سیما نے آخر مایوسی سے ریسیور رکھ کر کہا تو حلقہ کر پوچھنے لگی۔

”کیا مطلب...؟ آپ خوبصورت صاحب کے ہاں فون کر رہی تھیں...؟“

”ہاں...! اُدیکھنا چاہتی تھی کہ وہ لوگ آئے کو نہیں...؟“

پھر سوچے ہوئے انداز میں بروٹی تھی۔

”تانیہ سنے دن تو داخل ٹوگ میں رہ سکتی، ابھر کہاں ہو گی...؟“

”کہیں ہی ہوا پا...! (میں کیا...؟) اچھا ہے، خود ہی ہمارے راستے سے ہٹ گئی۔“

حتا نے سر جھٹک کر کہا تو سیما توشلیں سے بروٹی۔

”اور جو کسی دن اچانک آگئی تو...؟“

”کون نہیں ہوگا۔ آپ بس اپنے میاں کو قابو میں رکھیں۔ وہ نہ تانیہ کی سائیل لینے کھڑے ہو جائیں۔“

”اور رانا بیل...؟“

سیما نے سوچے انداز میں اسے دیکھا تھا۔

”دانا بیل صرے قابو میں آچکا ہے۔“

چوکیدار نے منہ بنا کر پوچھا۔

"ہاں..... اورو..... ٹبر..... اتم بتاؤ صاحب کا کوئی بُرو غیر دے تمہارے پاس؟"

"نہیں صاحب! ہم بلا ذمہ داری ہیں۔"

چوکیدار نے اس کی بات پر غصہ ہو کر کھٹک دیا۔

☆ ☆ ☆

"اچھا اچھا..... اور تمہاری بہن کہاں رہتی ہے؟ کبھی دیکھا نہیں اے؟"

"وہ غائب ہوئی ہے۔"

اس نے جواب دے کر بات کا رخ فوری طور پر موڑ دیا۔

"تمہاری سسرال میں کیا ہے، میرا مطلب ہے، اسی شہر میں؟"

"نہیں..... میرا سسرال لاہور میں ہے۔ میری شادی بھی وہیں ہوئی تھی۔ بس چار مہینے میں سسرال

میں رہی، پھر اپنے میاں کو وہاں سے نکال کر لے آئی۔"

فوری طور پر غصہ ہو کر پوچھا۔

"کبھی..... اچھے..... نہیں سسرال میں کسے ناظرے برداشت ہوتے۔ چار مہینے بہت مشکل سے گزارے

میں نے۔ تم نے بھی اچھا کیا ہے؟ اب اسے پاس آگئیں، ورنہ تمہارے میاں کی بہاری کمانی مسرالی لے آؤ گے۔"

وہ زبردستی سسرال کی تھی۔

☆ ☆ ☆

سیما کتنی دیر سے بار بار خواجہ صاحب کا نمبر ڈائل کر رہی تھی، یعنی ان کے پرانے گھر کا، اور ادھر مسلسل

پہنچتی تھی لیکن کوئی ریسیو نہیں کر رہا تھا۔

"نگلے، اب کبھی تک آئے نہیں تو خواجہ صاحب لوگ۔"

سیما نے آخر ایسی سے ریسیو کر کر کہا تو حاجی تک کہہ بیٹھے۔

"کیا مطلب؟ آپ خواجہ صاحب کے پاس فون کر رہی ہیں؟"

"ہاں..... اویکھا پانچ بجی کی کہہ لوگ آئے نہیں۔"

پھر سوچتے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

"ٹائپ سے دن تو ہسپتال میں رہ چکی، پھر کہاں ہوگی؟"

"کبھی کبھی ہوتا ہے.....! اچھا ہے، خود ہی ہمارے راستے سے ہٹ گئی۔"

حاصلے سر جھٹک کر کہا تو سیما تھوڑی سی بولی۔

"اور جو کسی دن آچانک آگئی تو؟"

"کچھ نہیں ہوگا۔ آپ بس اپنے میاں کو تاکو میں رہیں۔ دو دن ٹائپ کی سیما لینے کھڑے ہو جائیں۔"

"اور دانا مال.....؟"

سیما نے سوچتے سوچتے دانا مال لے دیکھا تھا۔

"دانا مال میرے قابو میں آچکا ہے۔"

لوہر کے پورشن میں کرایے دار آئے سے ٹائپ کا کافی پہل چلی تھی۔ یہ کچل تھا، ایک ہی بیٹی تھی، شحال کے برابر۔ چند دنوں میں ٹائپ کی فون کے ساتھ دوستی ہو گئی تو فارغ وقت میں کبھی دو فون کے پاس تو کبھی فون یہ اس کے پاس آ جاتی تھی۔ اس وقت فون پر نے باتوں کے دوران آچانک پوچھا تھا۔

"تمہارا میاں کہاں گیا ہوا ہے؟"

"میرے میاں باہر دو ہیں، میرا مطلب ہے، ملک سے باہر۔"

وہ پہلے سے یہ جواب سوچ چکی تھی۔

"پھر تو تم بھی اس کے پاس چلی جاؤ گی۔"

فون پر یہ نہ کہا تو وہ پٹکی سکرابٹ کے ساتھ بولی تھی۔

"نہیں.....! اتنی جلدی جانا تو ممکن نہیں ہے۔"

"ہاں.....! ٹیپ کو بلا نا آ سائیں ہوتا۔ کتنا عرصہ ہوا ہے تمہارے میاں کو گئے ہوئے؟"

"بہن کو کتنی تین چار مہینے۔"

"پھر تو واقعی ابھی تمہارا جانا ممکن نہیں ہے۔"

"ہوں.....! تمہاری بیٹی بہت بڑا رہی ہے۔"

وہ اس موضوع سے ہٹنے کی خاطر فون پر یہی بولی تھی۔

"بچے تو تمہارے بھی ماشاء اللہ بہت بڑا رہے ہیں۔"

فون پر یہ نہ کہا تو وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"بچے نہیں، میری بہن ایک ہی بچی ہے۔"

"اور یہ بیٹا.....؟"

فون پر نے حیران ہو کر سے دیکھا تو وہ اپنی جلد بازی پر راز داری اندر چھپائی، پھر کہنے لگی۔

"یہ میری بہن کا بیٹا ہے۔ اصل میں اب اس سے بہت مانوس ہو گئے تھے۔ یہ بھی اب کے بغیر نہیں رہتا تھا۔"

اس لئے یہ ہمارے پاس ہے۔"

وانیال نے ہنسنے ہی بلا ارادہ پوچھ لیا۔

"بھائی! نہیں ہیں گھر پر۔"

"نہیں!۔۔۔ اتھاری بھائی، جتنا در بچوں کے ساتھ قریبی راکٹ تک گئی ہیں۔"

انہوں نے بتایا تو وہ خاموش ہو رہا۔

"ہاں۔۔۔"

کمال حسن بنو اس کا ہانڈہ لے کر گویا ہوئے۔

"میں تم سے یہ پوچھتا چارہ تھا کہ تمہارے اور تانیہ کے درمیان کیا جھگڑا ہے۔۔۔؟"

دو ذرا کچھ نہیں بول سکا تو کمال حسن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"بتاؤ وانیال۔۔۔! ایسی کیا بات ہو گئی ہے جو تم دونوں ایک دوسرے کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتے۔"

"کچھ نہیں بھائی۔۔۔! میں غلط فہمی کی بنا پر معاملہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔"

وہ بہت ضبط سے بولا تھا۔

"کیسی غلط فہمی۔۔۔؟"

"میں نہیں بتا سکتا بھائی۔۔۔! اس میرے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔"

اس کی دل کرنگی کمال حسن کو شہت سے محسوس ہوئی تھی۔

"دو تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ لیکن جب تک تم اصل بات نہیں بتاؤ گے، میں کیسے اس معاملے کو سلجھا

سکتا ہوں۔۔۔؟"

"رہتے ہیں بھائی!۔۔۔! میرا معاملہ سلجھا نہیں گئے تو آپ کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

کمال حسن نے فوراً ان کا اور دو ہاتھ نہیں چاہتا تھا، جب ہی ہونٹ بھینچ گیا۔

"وانیال بیٹا!۔۔۔! مجھ کو سمجھو، بھائی! میں ہوں تمہارا۔"

کمال حسن نے اپنی شفقت سے کہا کہ اس کا ضبط جواب دے گیا۔ بچوں کی طرح ان سے لپٹ کر رہا

"بھائی!۔۔۔! میرے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔"

دو دھپا اور حتیٰ کی سادھوں کے بارے میں بتانا شروع ہوا تو پھر بولنا چلا گیا۔ کمال حسن اچھائی شاکر اور

دل میں چپے تھے۔

"وعدہ کریں بھائی!۔۔۔! آپ بھائی سے کچھ نہیں کہیں گے۔ آپ کو میری قسم بھائی!۔۔۔!"

وہ ٹوڑوٹ کر گیا تھا، لیکن بھائی کو لیتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جب تک کمال حسن سے وعدہ نہیں لے لیا۔

جتنا اتنی تھی، جب ہی وانیال کو آتے دیکھ کر سیما فوراً منتہیل کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"نہم کہاں سے آ رہے ہو وانیال!۔۔۔؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری۔۔۔؟ کچھ بھی سست لگ رہا ہے۔"

تھے۔۔۔

"اوہو آپ!۔۔۔! آپ تو خود بخود پریشان ہو جاتی ہیں۔ آپس میں دل نہیں لگا ہوگا، آگیا۔۔۔! میں

وانیال۔۔۔؟"

حنا نے رورہا تھا اور میں تصدیق چاہتی تھی۔

"جی۔۔۔! یہی بات ہے۔"

وہ کہہ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"سن لیا یہی بات ہے۔"

حنا نے پھر اتر کر سیما سے کہا تو وہ اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر بولی۔

"اچھا جلیں، جلدی سے کھانا لگا دو، اور نہ دو بھوکا ہی سو جائے گا۔"

"چلیں!۔۔۔"

حنا اس کے ساتھ چن چن آگئی اور ابھی سیما کھانا گرم کر رہی تھی کہ گڑنی کی آواز سن کر اچھنے میں گر

کر بولی۔

"یہ وانیال پھر کہاں چلا گیا۔۔۔؟"

"میں دیکھتی ہوں۔"

حنا فوراً بھاگی گئی تھی، لیکن پھر مڑ کر دکھائے ہوئے آئی تو سیما نے اس سے کچھ پوچھنے کی بجائے چولہا نہ کر

دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

کمال حسن ٹی وی پر نو بجے کی ویلہ لائن سن رہے تھے۔ جب وانیال آیا اور عائشہ ان سے کتڑا کر نکل

چا جاتا تھا کہ انہوں نے فوراً اسے پکار لیا۔

"وانیال!۔۔۔"

"جی۔۔۔؟"

وانیال نے ذک کر کچھ خائف نظروں سے اچھیں دیکھا تو وہ سونے کی طرف اشارہ کر کے بولے۔

"ادھر آؤ بیٹھو۔۔۔! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"جی۔۔۔؟"

وہاں سے نہیں اٹھا تھا۔ کمال حسن اپنے کمرے میں آگئے۔ ان کے دل پر بڑا بوجھ آتا تھا۔ دانیال انہیں اس طرح کی طرح عزیز تھا اور ظاہر تو سیما بھی بیٹی تھی اور درحقیقت وہ کیا تھی، سوچ سوچ کر ان کا ذہن جھٹکنے لگا۔ بڑا کڑواؤن پر سر دکھ کر انہوں نے آنکھیں بند کی تھیں کہ دردناک ٹپکنے پر فوراً آنکھیں کھول دیں۔

"ارے.....! آپ سو گئے تھے کیا؟"

سیمانے اندر آتے ہوئے پوچھا۔ انہوں نے جواب نہیں دیا تو پوچھنے لگی۔

"کھاؤ کھا لیا تھا آپ نے؟"

"ہوں.....!"

انہوں نے جیسے خود پر شہد کیا تھا۔

"دانیال نے تو نہیں کھا کیا ہوگا۔ پلیس آپ پلیس، میں دانیال کو کھاؤ دے کر آتی ہوں۔"

سیماکہ کہہ جانے لگی کہ انہوں نے روک دیا۔

"ڈکوسیماء! دانیال کو زیادہ سچے حانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ ہم ہمیں اس کا خیال نہیں کریں گے تو۔"

"بس.....! پلیس نے کہہ دیا تھا، ہم اس کی طرف داری مت کرو۔"

انہوں نے سختی سے سیما کو ٹوک دیا تو وہ مسکینے سے بولی۔

"بھوکا سو جائے گا کمال.....! وہ۔"

"سوئے دو، چاروں بھوکا سوئے گا تو یہی کو لانا نے کا خیال آئے گا اسے۔"

ان کا انداز ہنرور تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے.....! کل سے جنہیں پوچھوں گی اس سے۔ کھانا، چائے کچھ بھی نہیں۔ ابھی تو ہا

دیا۔"

سیماسہٹ دھڑکی دھڑکی میں لپیٹ رہی تھی۔

"تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا میں کیا کہہ رہا ہوں.....؟ کوئی ضرورت نہیں اس کے پاس جانے کی۔"

کمال حسن غصہ، دکھ ہو گئے جب وہ خاموش تو ہو گئی لیکن اندری اندر زلزلہ رہی تھی اور اسے بولنا

بھی ہو گیا تھا کہ کوئی بات ہوئی ہے۔ ضرور دانیال نے خیمے کے خلاف چٹکے کیا ہوگا جیسے اس دن کہہ رہا تھا کہ اس

سسرال کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا ہے۔ اس کے خیال میں اب ایسی ہی کوئی بات ہوئی ہوگی جس پر کمال حسن با

ہور ہے ہیں۔

بہر حال اسے جاننے کی جلدی تھی اور اس وقت تو وہ دل پر چتر کہہ کر گئی لیکن صبح کمال حسن نے ہا

کے بعد جیسے ہی دانیال تاسیت کی ٹیبل پر آیا وہ اپنے ہمیشہ والے انداز میں کینے لگی۔

"چاہے دانیال.....! ارادت تمہارے بھائی کیہ رہے تھے کہ دانیال سے کھانے ناشتے کا سٹ پوچھا کرو۔"

دلدادہ نے تھے کہ بھوکا رہتے ہو اسے۔

"کیوں.....؟"

دانیال نے قصد اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

"ان کا کیا ہے کہ تم بھوکے رہو گے تو یہی کو لانا نے کا خیال آئے گا نہیں۔"

سیماسی کو جتنی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اچھا.....! ویسے بھائی کیہ تو ٹھیک رہتے تھے۔ پلیس آزماتا ہوں آج سے خاتمے شروع۔"

دانیال نے کہہ کر سڑاؤش کی پلیٹ پر سے خوشحالی تو وہ غور بولی۔

"ارے ارے.....! ایک کیا کر رہے ہو؟ شہت کرو آرام سے۔"

"اس کا مطلب ہے آپ نہیں چاہیں کہ مجھے فانی کو لانا نے کا خیال آئے؟"

دانیال نے بظاہر مذاق میں کہا اور وہ شہت کر بکرنے لگی۔

"پاکس ہو گئے ہو.....؟ میں کیوں نہیں چاہوں گی؟ میرا بس چلے تو ابھی لے آؤں اسے۔"

"اب کہاں سے لائیں گی.....؟ وہ تو چلی گئی یہاں سے۔"

بہت شہد کے بازو دانیال کی آواز بولمیں ہو گئی تھی۔

"سک.....! کیا مطلب.....؟ کہاں چلی گئی.....؟"

"وہی.....!"

"وہی.....؟ مگر کس کے ساتھ.....؟"

سیماسی کی جرات فطری تھی۔

"راہبہ کے ساتھ، سب لوگ چلے گئے ذوالخیر صاحب بھی۔"

وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تو سیمانے جلدی سے پوچھا۔

"یہ تم سے کس نے کہا.....؟"

"بس.....! چاچا چل گیا ہے۔ واراب میں بھی یہاں نہیں رہوں گا۔"

وہ کہہ کر تیزی سے نکل گیا۔

"دانیال.....! دانیال.....!"

سیماسا کے پیچھے لگی لیکن بھڑک گئی تھی۔

”چاپ چاپ کھڑی آئیں! اپنا سونچا کر کے تیار کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور ستر بھی تھی کہ وہ اپنی کسی کے بارے میں اس سے پوچھیں گے، لیکن وہ خود ہی سوچ کر الماری کی طرف بڑھتے اور مطلوبہ چیز تلاش کر کے اس کے کس میں رکھ دیتے۔ جب انگریز مٹکی انتہائی سادگی سے جو تکی اور ان کی دکانی پر ہی ایک سال بعد اس کی مناسبت پر ڈراما تھا۔ وہ یوں ہی کچھ دیر تک مٹکے کھڑی رہی، لیکن جیسے ہی یہ خیال آیا کہ اگر یہ اسی طرح پہ چاپ چلے جائے تو دوسرے ایک سال تک اسی طرح اس دکان کی کیفیت میں بگڑی رہے گی، اور اسی اذیت نے نجات کی خاطر ہی وہ آگے بڑھی اور ہاتھ مار کر سوچا کہ کس بند کر دیا، اور وہ الماری کی طرف بڑھ رہے تھے اٹھا پلٹ کر دیکھا تو وہ کہنے لگی۔

”آؤ آپ اب ایسا کیوں کر رہے ہیں؟“

”کیا کر رہا ہوں میں؟“

انہوں نے ناگہانی سے اُنہاں سے پوچھا تو وہ دہارے لیے جس بیج پر تھی۔

”گو کیا آپ جانتے ہی نہیں کہ کیا کر رہے ہیں آپ؟“ مجھے ایک مسلسل غراب میں جھکا کر کے لی گئے اطمینان سے ہیں۔ ”آج بولنے کی اگر میرا ہے تو مجھے منظور نہیں، جہاں زب۔ آپ جانتے سے کچھ میرے بارے میں فیصلہ کر کے جائیں۔“

”کیا فیصلہ؟“

”انھیں جانے۔“

”انجان مت نہیں۔ آپ ابھی طرح جانتے ہیں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔“

”ہاں۔“

”سوچتے ہیں کہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ کر بیٹھ جائیں، مگر اپنا چاک اس سے پوچھنے لگے۔“

”تم کیا چاہتی ہو؟“

”میں؟“

اس نے اپنی طرف اشارہ کیا اور نظریں ان پر جما کر اسی طرح کھڑی رہی۔

”میرا مطلب ہے اس عرصے میں میرے رویے سے بایں ہو کر تم نے اپنے بارے میں کچھ؟“

”جی۔“

”جی۔“

”جی۔“

”اس تمام عرصے میں، میں صرف یہ سوچتی رہی ہوں کہ آپ پر اعتماد کر کے میں نے سبکی بڑی غلطی کی ہے، مجھے پہلے آپ کے طرف کو آنا چاہیے تھا، لیکن نہیں۔ میں جانتی تھی کہ وہ اسے صرف والا نہیں بہا کر

”ہاں کی ذرا سی غلطی کو نظر انداز کر سکتے۔ پھر بھی چاہئیں کیسے میں نے سوچ لیا کہ شاید آپ کچھ مختلف ہوں۔“  
دو حیران ہو کر اسے بولنے لگی اور اس نے دے رہے جس کا مضبوط چاک جواب دے گیا تھا۔ خود اپنی طرف سے غریبی پر انکار ان کی ذات کو لٹکانے بناتے ہوئے بولی۔

”ایک بات بتائیں، آپ مرد لوگ یہ یوں کی گزشتہ زندگی سے اتنی دلچسپی کیوں رکھتے ہیں۔؟“

”کیا نہیں رکھتی چاہئے۔؟“

”نہیں۔۔۔ اور میں صرف اپنے بارے میں بات کرتے ہوئے کہوں گی کہ میں جب تک اپنے والدین کے گھر میں تھی تو اس وقت تک میری زندگی پر صرف میرا اور میرے والدین کا اختیار تھا اور اپنی اس وقت کی تمام تعلیم اور کتابوں کے لئے میں جواب دہ تھی اپنے والدین کے سامنے تھی۔ آپ کا نہ کوئی حق تھا، نہ اختیار۔ کیونکہ آپ تو مجھے جانتے تک نہیں تھے، پھر کیوں میری غلطی کا حساب مانگتے ہیں۔؟“  
وہ جو میرا سانس لینے کو رکھ گئی۔

”البتہ آپ کی زندگی میں آنے کے بعد سے میں اپنی معمولی سی غلطی کے لئے بھی آپ کے سامنے ہوا ہوں، اور اب آپ بتائیں، یہاں آنے کے بعد مجھ سے کیا گناہ مرد ہوئے۔؟“ میری محبت میں آپ نے کی اُلٹی خدمت میں۔؟ یا میں آپ کے ساتھ دغا دار نہیں۔؟“  
وہ خاموش ہو کر جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگی اور انہیں بولے پر آمادہ نہ پا کر غلطی کے ساتھ بولی۔

”چھ۔۔۔ غریب۔۔۔ ابھی مرد تو اپنی گزشتہ زندگی کی رہنمائیاں مرے لئے کر کے اور غریب سے بتاتا ہے، اور یوں کے بارے میں سوچ کتنی تکلف ہو جاتی ہے۔؟“  
”میں نے کبھی نہیں رنگین داستان نہیں سنائی۔“  
”وہ جھوٹا بولے۔“

”زندہ سب سے متعلق تو سنائی ہیں، اور آپ اس سے مختلف نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ آپ کا واحد دوست ہے۔“

”اے میرا دوست مت کہو۔“

وہ خود بولنے کو ایک دم خاموش ہو گئی۔ محض اس خیال سے کہ وہ اس کے بارے میں مزید کچھ کہیں،  
”کہ وہ جان سکے کہ اس کی حقیقت جانتے کے بعد وہ اس سے ملے بھی ہیں یا نہیں۔؟ اور وہ بتائیں کہ کیا نہیں  
چاہتے تھے کہ کیا تھا کہ اس قدر کہہ کر خاموش تو ہوئے ہی، مزید بھی موزوں لیا، اور اس نے سوچا، جب بات شروع ہوئی  
جلی ہے، اسے درمیان میں چھوڑنا حماقت ہے۔ وہ قدم بڑھا کر ان کے سامنے آتے ہوئے بولی۔

”میرے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟“ میرا مطلب ہے، اس عرصے میں آپ نے کچھ تو سوچا

"ہاں! لیکن میں تمہارے بارے میں نہیں، بلکہ زوہیب کے متعلق سوچتا رہا ہوں، اور اب ملے حیران ہوں کہ اس نے میری عزت سے کیا کیا کیسے گزار کر لیا۔۔۔؟"

"میں صرف اپنے بارے میں مانتا چاہتی ہوں۔"

وہ ٹوک کر بولی۔

"تم سے میں کیا کہوں۔۔۔؟ میں جانتا ہوں تم زیادہ قصور وار نہیں ہو، مگر مجھے بڑا عجیب سا لگتا ہے، یعنی اتنا صدمہ تم اس کے غریب میں رہیں۔ بہر حال، یہ موضوع میرے لئے خاصا تکلیف دہ ہے۔ میں اس پر اصرار نہیں کرتا چاہتا۔"

وہ جو خود اندر ہی اندر جزبہ ہو رہی تھی اس نے شکر کیا کہ انہوں نے خود ہی موضوع ختم کر دیا۔ درزہ وہ نظروں سے اٹھیں دیکھ کر بولی۔

"جب آپ مجھے بہت زیادہ قصور وار نہیں سمجھتے تو پھر اسے زیادہ غما کیوں ہیں۔۔۔؟ میری ذات سے اتنی لا تعلق کیوں۔۔۔؟"

"اور کیا کر سکتا ہوں میں۔۔۔؟ جب تم سامنے آتی ہو تو میرا ذہن جھٹکنے لگتا ہے۔ جیسی میں تم سے نظریں چھائی ہوں۔"

انہوں نے سالہ گزشتہ سے کہا تو وہ اندر دھکی سے مسکرائی۔

"شاید آپ کی جگہ میں ہوتی تو میں بھی ایسا ہی کرتی۔ بہر حال، اب تو آپ جا رہے ہیں، اور وہاں میں نہیں ہوں گی۔"

اپنی بات کہہ کر وہ پلٹنے لگی تو انہوں نے اس کی گلا کی تمام لی۔

"کہاں نہیں ہوگی۔۔۔؟"

"آپ کے سامنے آپ کے آس پاس۔"

اس کا لہجہ چمک گیا۔

"دل میں جیڑو اس کا کیا کروں۔۔۔؟"

"جہاں زیب۔۔۔؟"

اس نے بے چینی سے دیکھا۔ ان کے ہونٹوں پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی نہ ہی اندر میں وارفتگی، بس لہجے کی چٹائیوں کا ہلکا سا مسکراہٹ انہوں میں لہرا رہا تھا اور اس کے لئے یہی بہت تھا۔ وہ ان کے سامنے کھینچ کر بیٹھی اور ان کے ہاتھ تمام کر بولی۔

"بس۔۔۔! مجھے دل میں ہی رہنے دیں۔"

"دل میں تو ہو، لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا۔۔۔؟"

وہ انہیں خود سے اچھے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"پتا نہیں میں کیا چاہتا ہوں۔۔۔؟ جب تم سامنے آتی ہو تو مجھے غصہ آئے لگتا ہے اور جب نظروں سے

اوجھل ہوتی ہو تو میں نہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اب تم ہی بتاؤ، میں کیا کروں۔۔۔؟"

انہوں نے سادگی سے پوچھا تو وہ جو یہ اطمینان حاصل کر چکی تھی کہ وہ تو اس سے بیکار ہیں اور نہ ہی کوئی انتہائی قدم اٹھائیں گے، ان کی آنکھوں میں دیکھ کر بھیگی شوق مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"یہ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اب ویسے بھی آپ مجھ سے ڈر جا رہے ہیں، وہاں تمہاری میں جب مجھے دیکھنے کو دل چاہے تو میرا قصور کرتے ہوئے آنکھیں بند کر بیٹھے گا، پھر جیسے ہی مجھ پر غصہ آئے تو فوراً آنکھیں کھول کر۔۔۔"

"لا حول و لا قوت لیا کروں۔"

وہ ہر جہت بولے اور خوبی سے ساختہ بننے بھی تو وہ انہیں گھورنے لگی۔

"بہت خراب ہیں آپ۔۔۔؟"

"اسی لئے جسیں یہاں سے نکال رہا ہوں۔ چلو اپنا سامان باندھو۔"

وہ ڈھکی روک کر دھب سے بولے۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

وہ ایک دم کھڑی ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔

"بس۔۔۔! تم یہاں نہیں رہو گی۔"

"کیا۔۔۔؟"

اس کی ساری شوخی مل میں ہوا ہو گئی۔

"جلدی کرو، وقت کم ہے۔"

انہوں نے جلدت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوبارہ اپنا سوٹ کھینچ کھولا اور اسے الماری کی طرف دھکیلی دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا کہ اسے۔۔۔؟ الماری کا کچھ تمام کر چپ چاپ اٹھیں دیکھنے لگی۔ اسی وقت اماں اونٹنی آواز میں بولتی ہوئی ان کے کمرے میں آ گئیں اور آتے ہی ان سے کہنے لگیں۔

"میں تو کہتی ہوں، ابھی وہاں کو نہیں رہے دو۔ خیر سے بچے ہو جائے، پھر بلا لیتا۔"

"یہ اماں کی کھربھی نہیں۔"

وہ فوراً ان کی طرف منسوب ہوئی تو پیچھے سے ان کی آواز آئی۔

"نہیں اماں! یہ میرے ساتھ جائے گی۔"

"آپ کے ساتھ....؟"

دو فوراً آگے بڑھ آئی۔

"کیوں؟ تمہیں کوئی اعتراض ہے کیا....؟"

انہوں نے اس کی تھمڑی آنکھوں میں دیکھ کر ہنسا۔

"نہیں....؟"

دو گز کھڑے سارے دونوں کی کمر میں بھلا کر سرکاری اور اماں کی موجودگی کی وجہ سے حریف کھڑے نہیں ہو سکی، پھر بھی اماں کی طرف بڑھتے بڑھتے شرفی سے بھر پور سکراہٹ ان کی نڈر کر گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

حنا نے نور سے سیدھی اور ہی آگئی تھی۔ آگے سیرادانت کچکا کچکا کر "دانیال، دانیال" کا ورد کر رہی تھی۔ حنا نے چند لمحوں تک کراہے دیکھا بلکہ سنا، پھر قریب آ کر پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا آپ....؟ یہ "دانیال، دانیال" کیا کر رہی ہیں....؟"

"دماغ خراب ہو گیا ہے میرا، جب ہی دانیال، دانیال کر رہی ہوں۔"

سیرا نے کات کھانے والے انداز میں کہا تو حنا ہانے خاکہ ہونے کے ہنسنے لگی۔

"بند کرو اپنا منہ، نہ ہر لکھ رہی ہے مجھے تمہاری ہنسی۔"

سیرا نے حریفہ قصہ کھایا تو حنا چکر بولی۔

"کیا ہو گیا ہے آپ....؟ کسی کا قصہ مجھ پر کیوں نکال رہی ہیں....؟"

"خود کس پر نکالوں....؟ تمہارے لئے ہی میں نے اسے پکڑ چلائے اور تیرے مفر....!"

"کیوں مفر....؟ کیا نانیہ داپس آ رہی ہے....؟"

حنا نے فوراً ہنسا۔

"دو تو نہیں آ رہی، دانیال جا رہا ہے اس کے پیچھے، وہ بھی ذہنی۔"

سیرا کی تسلا ہلے مرد پر تھی۔

"ذہنی....؟"

حنا بھی نہیں۔

"ہاں....! یہی کہہ رہا تھا دانیال کہ نانیہ ذہنی چلی گئی ہے اور اب میں بھی یہاں نہیں رہوں گا۔"

"سب کچھ اس ہے۔ دانیال نے کہا اور آپ نے ان لیا۔؟ ہو جبہ....! کہیں نہیں جائے گا دانیال۔"

حنا نے سر جھٹک کر کہا تو سیرا اٹھتے ہوئے بولی۔

"آئے تو خود ہی پوچھ لیتا۔"

"کہاں گیا ہے....؟"

"پتا نہیں....! نکلا تو آؤں تاہم پتا نہیں اب پتا نہیں آؤں کیا ہے یا کیوں اور....؟"

سیرا کہہ کر جہن میں چلی گئی اور حنا نے دماغ کو فضول سوچوں میں نہیں الجھانا چاہتی تھی، اس لئے بچوں کے کمرے میں آ کر سو گئی تھی۔

پھر رات کو دو پہر نہیں چلی تھی جب سیرا نے آکر اسے اٹھانے کے ساتھ دانیال کے آگے کانا یا تو وہ جلدی سے نہ ہاتھ دھو کر سیز میاں چلا گئے ہوئے دانیال کے کمرے میں داخل ہوتے ہی بولی تھی۔

"دانیال....! یہ میں کیا سن رہی ہوں....؟"

"کیا سن لیا....؟"

دو بریف کیس سے نظر میں اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

"یہی کیم باہر جا رہا ہے ہو....؟"

اس نے قصداً تشویش ظاہر کی تھی۔

"کونسل کر رہا ہوں، ڈاکٹر وہ۔"

دو اطمینان سے بولا تھا۔

"میری ڈاکٹر اس میں اثر ہوتا تو میں پوچھتا ہوں کہ سیرا کے پیچھے بھاگ رہی ہوتی....؟"

اس کی اسرار کی پردائیل نے ہنسنے بھیجے تھے۔

"تمہیں میرا یقین نہیں ہے دانیال....! تو پوچھو خدا سے، میں نے کتنا مانگا ہے تمہیں اس سے۔"

"تم جھوٹی ہو۔"

دو صک کر گویا ہوا تھا۔

"تم نے مجھے خدا سے نہیں مانگا، بلکہ اسے حسن اور اداؤں سے چھیننے کی کوشش کی، اور اس حسین ہال

میں میں تقریباً چھن چکا تھا، لیکن نانیہ کی صحت نے مجھے بھیج لیا۔"

"نانیہ تم سے محبت نہیں کرتی دانیال....!"

دو ناگواری سے زور دے کر کہنے لگی۔

"اگر اسے تم سے محبت ہوتی تو کبھی تمہیں چھوڑ کر نہ جاتی۔ تم یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہے....؟"

"اب تو سمجھ میں آ رہا ہے کہ نانیہ کیوں چلی گئی....؟"

دو چپ کر بولا تھا۔

”کیونکہ۔۔۔“

”بس۔۔۔!“

دانیال نے اسے حریفانہ کہنے سے روک دیا۔

”اچھا ہو گا کہ تم اپنے مقام پر رہو۔ مجھے اور تانیکو کو کسی مت کرو۔“

”تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے دانیال!۔۔۔! جو تم ایسے ہی ہو کر ہو۔۔۔“

وردو ہنسی ہو گئی تھی۔

”تم جاؤ چلیز۔۔۔! اور اس قدر بناؤ جسک دینے میرے کمرے میں مت آنا۔“

دانیال نے کہہ کر گڑب گڑب موز کیا تو وہ اندھے غریبی سے اس کی پشت کو دیکھتی دی، پھر سیرا کے پاس تے

اس کے کندھے پر سر رکھ کر دتے ہوئے بولی تھی۔

”آپا!۔۔۔! وہ تو جیج جا رہا ہے۔ اس کے دل میں پھر سے یہی کی محبت جاگ گئی ہے۔ وہ جا رہا ہے

تانیکے پاس۔۔۔!“

”جو تم روکیں دی ہو۔۔۔؟ تمہیں تو خود بہت درد تھا، دانیال کیسے نہیں جانے گا۔ اس دت کی کیا

تھا؟ تم نے۔۔۔؟“

سیرا نے چپ کر کے تہاڑا۔

”آپا!۔۔۔! اب ظفر کے حریف نہ میرا دل ہلاکیں۔ مجھے بتائیں میں کیا کروں۔۔۔؟ کیسے روکیں

اسے۔۔۔؟“

وردو تیلیں سے آنکھیں دگڑتے ہوئے بولی۔

”میں کیا بتاؤں۔۔۔؟ میری تو خود مجھ میں نہیں آ رہا۔ یہ اپنا کب پانسا کیسے پٹ گیا۔۔۔؟“

”کیسے چلنا۔۔۔؟ کیوں چلنا۔۔۔؟ ان باتوں کو چھوڑ آ یا۔۔۔! آپ بس دانیال کو روکیں۔۔۔! وہ اگر چلا

گیا تو میرا کیا ہو گا۔۔۔؟ اب خدا کے لیے یہ مت کہو جیسے گا کہ آپ میرے لئے دانیال سے اچھا ناز کا دھڑ نہیں گی۔

میں شادی کروں گی تو صرف دانیال سے اور نہ کسی سے نہیں۔“

وردو کہہ پھر رونے لگی تو سیرا بچ ہو گئی۔

”اچھا۔۔۔! تم دو تہمت۔ کون سا دانیال ہمیشہ کے لئے جا رہا ہے۔۔۔؟ ایک آدھ سال میں آجائے گا

واپس دیکھنے کھا کر۔“

”بس۔۔۔! اب آپ مجھے جھوٹی آس مت دلائیں۔“

وردو کی طرح نہیں بول رہی تھی۔

”تمہیں تو خیر میں نے پہلے بھی کہا تھا، دانیال کا خیال چھوڑ دو۔۔۔! سرخا ب کے پڑ نہیں گئے اس میں۔ لیکن

تمہیں ہی ملے ہو گئی تھی۔ خیر۔۔۔! اچھا ہے جو وہ جا رہا ہے، ورنہ اسے یہاں سے نکالنے کے لئے مجھے پھر سے سفر

لاری کرنی پڑتی۔“

سیرا نے کہا تو ردو اچھل کر بولی۔

”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔۔۔؟“

”تو اور کیا ہے میں صرف تہاڑی وجہ سے برداشت کر رہی تھی۔۔۔؟ جب دو تہاڑا نہیں ہوا تو۔۔۔“

”تانیکے کا بھی نہیں ہونا چاہئے۔“

ردو راہولی تھی۔

”تانیکے کا تو خیر بھی نہیں ہونے دینا کیسا۔“

سیرا کے ذہم پر حاکم طیمان ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

”مجھے بابا۔۔۔! یہ آپ کی اچھی ذہن ہے۔“

تانیکے نے شہلی کا اسکول بیک خوب صاحب کو تھما کر دے کہا تو وہ مسکرا کر بولے۔

”ہاں چلنا۔۔۔! اس ڈیوٹی نے مجھے پھر سے جان کر دیا ہے۔ چلو چلنا شہلی۔۔۔! خالہ کو اللہ حافظ کہو۔

”اللہ حافظ خالہ۔۔۔!“

شہلی نے اسے ہاتھ ہلا کر کہا۔

”اللہ حافظ بیٹا۔۔۔!“

اس نے جب کرشولی کا سرچ باہر سے خوب صاحب کی اٹھکی پکڑے جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔ اچانک

مشال کا خیال آیا تو تیزی سے کمرے میں آ گئی۔ مشال بچے کو کچھ کرخوش ہو رہی تھی۔

”گڑب گڑب!۔۔۔!“

وردو مشال کے پاس بیٹھ گئی، پھر اس کا نفعہ سا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی۔

”تمہارے باپا کو تہاڑی نہیں ہے کہ تم اس ڈنیا میں آ چکی ہو۔ شاید دوسرے بھی نہیں ہوں گے۔“

مشال کی شکل رونے والی ہو جاتی تو اس نے ایک دم اسے اٹھائی۔

”ارے رے۔۔۔! میں ہوں ناں۔۔۔! باپا کو چار دوا نہیں ہے تو کیا ہو۔۔۔؟ ماما کی جان جو تم۔۔۔! چلو

جہیں دکھاؤں تمہارے بابا کیسے ہیں۔۔۔؟“

وردو مشال کو لئے ہوئے اٹھی اور لٹاری میں سے اپنی اور دانیال کی تصویر نکال کر اسے دکھاتے ہوئے

بولی۔



”دیکھو یہ تمہارے باپاں۔ کالم رنگ دل اور پتا نہیں کیا کیا۔“  
مشال ایک دہرے لگی تو اسے ہنسی آگئی۔

”اچھا نہیں نہیں۔ تمہارے باپا بہت اچھے ہیں، اچھے ہیں جب ہی تو دوسروں کو اپنی طرح سمجھ کر لٹ گئے۔“

اس کی اپنی آنکھوں میں نئی آنر آئی تھی۔ مشال کو سینے سے لگا کر اسے چپ کرانے لگی۔ تب ہی خوبصورت صاحب آکر پوچھنے لگے۔

”کیا ہو گیا ہے اسے؟ کیوں اتنا دور ہی ہے۔؟“

”پتا نہیں لہ۔۔۔۔۔“

وہ نظریں چراگئی۔

”بھڑکی تو نہیں ہے۔؟“

”نہیں۔۔۔۔۔! ابھی وہ منٹ پہلے فیڈر پلائی تھی۔ لیجئے آپ بکڑیں اسے، میں آپ کے لئے ڈائٹ لائی ہوں۔۔۔“

وہ مشال کو خوبصورت صاحب کی ہانپوں میں ڈال کر جلدی سے کچن میں آگئی اور چائے بناتے ہوئے خود کو سرزنش کرنے لگی۔

”یہ لیجئے کیا ہو گیا تھا۔۔۔۔۔؟ اتنی سی بچی سے کیسی باتیں کر رہی تھی۔۔۔۔۔؟ پاگل ہو گئی ہوں میں۔۔۔“

اس نے سر جھٹکا، پھر ہانٹنے کی فرسے لے کر خوبصورت صاحب کے پاس آگئی۔

”تم ڈائٹ نہیں کر دگی۔؟“

خوبصورت صاحب نے ایک آدمی کا ڈائٹ دیکھ کر پوچھا۔

”ابھی دل نہیں چادر جا رہا ہے، پھر کرلوں گی۔“

اس نے مشال کو ان کی گردن سے لپٹے ہوئے کہا۔ پھر جانے لگی کہ خوبصورت صاحب نے کیا دلیا۔

”ٹائپ۔۔۔۔۔! میرے پاس بیٹھو۔“

”جی۔۔۔۔۔“

وہ میز پر آئیں دیکھنے لگی۔ خوبصورت صاحب نے پراٹھے کا نوالہ منہ میں ڈالا، پھر چائے کا پپ لے کر اسے دیکھنے لگے۔

”کیا ہوا۔۔۔۔۔؟“

وہ ان کے سینے سے کچھ لپٹ گئی تھی۔

”تم بتاؤ پتا۔۔۔ کیا بات تھیں پریشان کر رہی ہے۔۔۔؟“

خوبصورت صاحب نے پوچھا اور اس کے کئی میں سر ہلانے پر کہنے لگے۔

”میں تمہارا باپ ہوں تائیں۔ تمہارا ذکاوت کچھ بچپنا تھا ہوں۔ اندر کچھ دلوں سے تمہیں بے کلم اور اداں

دیکھ رہا ہوں۔ بتاؤ کیا بات ہے۔؟“

خوبصورت صاحب کے نرم شفقت نے پھر اس کی آنکھیں کھلی کر دیں۔

”کوئی بات نہیں ہے بابا۔۔۔۔۔! اس ایسے ہی کبھی بھی دل گھبرانے لگتا ہے۔“

”نہیں آتا جا رہا بھی تو نہیں ہے تمہارا۔ خود کو اتنا پابند مت کرو بیٹا۔۔۔۔۔! اگر دم گھٹنے لگے۔۔۔۔۔ آس پڑوس میں

اچھے لوگ ہیں، ان سے ملا کر دو۔“

خوبصورت صاحب نے کہا تو دو اذیت میں سر ہلا کر بولی۔

”جی۔۔۔۔۔! ویسے تو یہ اسے اچھی دوستی ہو گئی ہے میری۔“

”ہاں۔۔۔۔۔! دن میں اس کے پاس چلی جایا کر دو، وہ بھی تو آتی ہے۔“

”جی۔۔۔۔۔! اصل میں بابا۔۔۔۔۔! ابھی اور پھر گھر کے کاموں میں میرا نہیں جانا نہیں ہو پاتا۔“

اس کی معذوری دیکھتے ہوئے خوبصورت صاحب نے اذیت میں سر ہلایا، پھر چائے کا آخری گھونٹ لے کر اٹھ

کمرے ہوئے۔

”اچھا بیٹا۔۔۔۔۔! میں چلا ہوں، گیٹ بند کرلو۔“

”جی۔۔۔۔۔! اللہ حافظ بابا۔۔۔۔۔!“

وہ گیٹ بند کر کے واپس آئی تو مشال کو جھولے میں ڈال کر دھیرے دھیرے جھولا جھلاتے ہوئے اسے اپنی بچی پر حسرت سے لگا، جس کے نصیب میں جانے باپ کی شفقتیں جسیں بھی کر نہیں۔

”کتنے غلام ہوتے ہیں مرد۔“

دوسو چنے لگی۔

”شوٹی کے باپ نے بھی تو لپٹ کر اسے نہیں پوچھا۔۔۔۔۔! حالانکہ وہ اسے دیکھ چکا ہے، اور میری مشال کے

باپ نے تو اسے دیکھا ہی نہیں، پھر اسے کیا احساس ہو گا بھلا۔۔۔۔۔؟“

”نہیں۔۔۔۔۔! مجھے اسے احساس دلانا چاہیے۔“

اس کی دہشتی اور جھٹک گئی اور پھر اس نے کچھ نہیں سوچا۔ مشال کے سوتے ہی اس نے پہلے دانیاں لے

آفس کے نمبر پر فون کیا تو وہاں سے معلوم ہوا کہ دانیاں ایک مہینہ پہلے وہاں ریزائن دے کر جا چکے ہیں۔ وہ دانیاں

ہونے کے ساتھ کونٹ میں جھٹلا ہو گئی۔ کونٹ میں یوں اسے گھر کا نمبر واکل کرنا تھا۔ اس نے خود کو باز رکھنے کی

کوشش نہیں کی اور فوراً گھر کا نمبر ڈالا تو ادھر سے سیما کی آواز آئی تھی۔

”پہلو۔۔۔۔۔!“

دو بری طرح جھنجھائی، پھر کئی منیٹ سے بولی تھی۔

”میں ٹانیہ بات کر رہی ہوں۔“

”ٹانیہ؟“

سیرا کے لیے میں حد درجہ ناگواری سٹ آئی تھی۔

”جی۔۔۔ اچھے دنیاں سے بات کرتی ہے۔“

اس نے کہا تو سیرا سخرمانہ انداز میں بولی تھی۔

”دنیاں اب یہاں کہاں۔۔۔؟ دو دفعہ شادی کرتے ہی تارکے کے رکھک سے باہر چلا گیا۔“

”جی۔۔۔؟“

دو ایک لٹ زنگوں کی زد میں آگئی تھی۔

”بھئی۔۔۔ اب دو تہاری خاطر جوگ تو نہیں لے سکتا تھا۔ یہی حور پری تو نہیں تھی تم جو۔۔۔“

اس نے کڑیل پر ہاتھ رکھ کر سیرا کی آواز بند کی تھی، لیکن پھر کئی اس کی ساتھیوں کی ریختی تھی۔

”دو دفعہ شادی کرتے ہی تارکے کے رکھک سے باہر چلا گیا۔“

”نہیں نہیں۔۔۔۔۔ دنیاں ایسا نہیں کر سکتے۔“

وہ اس شدت سے روئی کہ اگر کوئی سامنے ہوتا تو اس کا کھجہ پھٹنے لگتا، لیکن کوئی نہیں تھا۔ یہ دروازے تھا

جہاں تھا شاید ساری عمر۔

☆۔۔۔☆۔۔۔☆

وقت کسی درد پر غور نہیں ہے۔ اس کا کام گزرتا ہے، گزرتا چلا جاتا ہے۔ دن، سینے، سال، کتنے سال

بیت گئے۔ خوبصورت صاحب بالکل رہا تو بھر گھر بیٹھ گئے۔ ٹانیہ نے اسکول کے چنگ میں پڑھا کر شوبی اور مشعل

کو پڑھا دیا تھا، اور اب تو اس کی بھتیجی جو اب دے گئی تھی۔ اکثر یاد رہنے لگی تھی، جس سے اسکول کی جاب چلی

گئی۔ شوبی ماسٹر کر رہا تھا اور مشعل نے اسی سال کرکٹ کھیلنے کیا تھا اور اس وقت وہ ایک جگہ انٹرویو دے کر آئی تھی کہ

ٹانیہ کو بڑے پیچھے کرتے دیکھ کر اس نے بھاگ کر اسے تھا تھا۔

”کیا ہوئی۔۔۔؟“

”کچھ نہیں بیٹا۔۔۔!“

ٹانیہ مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

”کیا اس لگی تھی، پانی لینے اٹھنے لگی تو۔۔۔“

”کیا ضرورت تھی آپ کا اٹھنے کی؟ پانی چاہئے تھا تو غولی کو پکا لیتیں۔ نکلا بیٹا تو بے گھر۔“

بارش سے بولتے ہوئے مشعل نے اسے سیدھا اٹھایا، پھر کہنے لگی۔

”نانا بابا آجائیں، میں ان سے کہوں گی، آپ کو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں۔“

”نہیں بیٹا۔۔۔۔۔! اب سے کچھ مدت کوتاہ۔ دوپٹا مارے کہاں سے کریں گے۔۔۔؟“

ٹانیہ نے فوراً ٹوکے ہوئے کہا۔

”چلیں، بس تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ میری جاب ہو جائے، پھر میں خود آپ کو اسپتال لے

دکھائوں گی۔“

اس نے خوبصورت صاحب کا احساس کرتے ہوئے کہا تو ٹانیہ پوچھنے لگی۔

”ابھی جہاں انڈیو کے لئے لگی تھی، ترکیا ہوا۔۔۔؟“

”مجھ سے پوچھیں خالہ۔۔۔ کیا ہوا ہوگا۔۔۔؟“

شوبی ٹانیہ کی بات سننے ہوئے آجی تھا اس سے پہلے بول پڑا۔

”اس کی سی دی دیکھ کر سر پیٹ لیا ہوگا انہوں نے۔ کیوں مشعل۔۔۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں

میں۔۔۔؟“

”جی نہیں۔۔۔۔۔!“

دو گھنٹہ کر چھپے چھپے میں بولی تھی۔

”تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ مجھے جاب مل گئی ہے۔“

”کیا۔۔۔؟“

شوبی ہلکے انداز میں ٹی میس سر ہلانے لگا۔

”جی کہہ رہی ہوں مشعل۔۔۔؟“

ٹانیہ نے پوچھا تو، دو کوشش سے خوشی کا اظہار کرنے لگی۔

”جی اسی۔۔۔! میں جی کہہ رہی ہوں۔ میری جاب ہو گئی ہے، اور مجھے کل سے ہی جواں کرنی ہے۔“

”اچھا۔۔۔!“

ٹانیہ کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی تھی۔

”آپ کو خوشی نہیں ہوئی امی۔۔۔؟“

اس نے پوچھا تو شوبی پھر بول پڑا۔

”بس۔۔۔۔۔! اب یہ اسوشل ہو جائیں گی۔ جتنا تمہارے ابا یہاں ہونے تو تمہیں اتنی منتقت نہ کرنی

پڑی، بہنہ۔۔۔۔۔!“

”تم دلع ہو جاؤ یہاں سے۔“



پھر صبح آفس جاتے ہوئے وہ خاصی نش ویش میں تھی۔ تمام راستہ دل بیکار تھا رہا کہ اسے وہاں اس وقت چاہئے۔ لیکن جب اس کی مجبوری تھی، جب یہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ آفس پہنچ گئی اور سیدھی باس ٹرلی اس کے کمرے میں داخل ہو جاتے ہوئے سلام کیا تو انہوں نے قدرے غیر یقینی سے اسے دیکھا، پھر مسکرا کر بولے۔

"دیکھو سلام! چلو میں تمہیں تھرا روم دکھا دوں۔"

وہ خاموشی سے ان کے ساتھ چل پڑی۔ پھر ایک روم میں داخل ہو کر دوڑے لے گئے۔

"یہ میرے بیٹے شامان کا روم ہے اور اب تمہارا بھی۔"

وہ اندر سے بہت گھبرائی تھی اور گھبراہٹ اس کے چہرے سے بھی ظاہر تھی۔

"وہ تمہاری سیٹ ہے۔"

علی احمد کو نے میں کبھی ٹیکس کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے۔

"شامان کو تمہارا یہاں بیٹھنا ناگوار تو گزرے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ جہیں یہاں سے نکل جائے کہے، لیکن جہیں اس کی بات نہیں مانی۔"

"جی۔۔۔۔۔"

اور وہ گھبرا گئی۔

"ہوں۔۔۔۔۔"

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا، پھر کہنے لگے۔

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی سیٹ پر بیٹھو۔ میں نے ساری بات تمہیں سمجھا لی ہے، اور ہاں۔۔۔۔۔ اتم اس کمپوٹر پر ہاتھ صاف کر سکتی ہو۔"

"لیکن سر۔۔۔۔۔ اچھے تو کمپوٹر آئی میں اگر یہ مجھے سے خراب ہو گیا تو؟"

وہ گھبراہٹ میں سمجھ نہیں پاری تھی، کیا کہے؟

"نو پر الیم۔۔۔۔۔ اور آجائے گا۔ اوکے۔۔۔۔۔ ڈش پو بیسٹ۔۔۔۔۔"

وہ مسکرا کر اسے حوصلہ دے کر چلے گئے۔ اپنی سیٹ پر بیٹھنے ہی اس نے پہلے کمرے کا جائزہ لیا۔

کمپوٹر ان کی تھا کہ شامان علی خاصے لاپرواہ انداز میں سیدھا اپنی ٹیکس کی طرف بڑھا تھا، لیکن جب بیٹھنے لگا تب اس پر نظر پڑے اس کی پیشانی پر پھل پڑ گئے تھے۔

"آپ۔۔۔۔۔ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔۔۔۔۔؟"

انجانی کا گہرا رویہ کہا گیا۔

"کام۔۔۔۔۔"

وہ جی تڑا کر کے بولی۔

"آئی میں، میں گل ہی اپنا ٹکٹ ہوئی ہوں۔ آج میرا پہلا دن ہے۔"

"میں نے یہ نہیں پوچھا، آپ کا پہلا دن ہے یا آخری۔ میرے دوش میں آپ کو کس نے بٹھایا؟"

اس کے غصے سے دو خائف ہو گئی۔

"وہ۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ آپ نے شک ہے ان سے پوچھ لیں۔"

اس کی بات سننے ہی وہ دوانت پھپھتے ہوئے تیزی سے چلا گیا تو وہ دل پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"مائی گاؤ۔۔۔۔۔ یہ تو شہر ہی سے بھی بڑا ہے۔"

وہ غصے میں جھنجھلایا اور اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی بولا تھا۔

"ڈیل۔۔۔۔۔! میرے دوش میں وہ لڑکی کیا کر رہی ہے۔۔۔۔۔؟"

"لڑکی۔۔۔۔۔؟ تو مشعل! اسے میں نے اپنا ٹکٹ کیا ہے۔"

علی احمد نے اطمینان سے بتایا تو دوسرے جھنجھل گیا۔

"اور وہ ڈیل۔۔۔۔۔! میں یہ نہیں پوچھ رہا تھا۔"

"ریٹیکس۔۔۔۔۔! وہ ٹیکس سٹا۔۔۔۔۔! اس کچھ دنوں کی بات ہے۔ اس کا روم تیار ہو جائے، پھر وہ وہاں

آفت ہو جائے گی۔"

علی احمد نے نرمی سے اسے طنز کر کے کی کوشش کی۔

"تو آپ سے کچھ دن بعد بائیں، جب اس کا روم تیار ہو جائے گا۔"

اس کے منہ کی انداز پر علی احمد ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔

"جیٹا۔۔۔۔۔! تمہیں کیا پر الیم ہے۔۔۔۔۔! ادا پانا کام کرے گی۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔۔۔! پھر میں کچھ دن بعد آؤں گا۔"

وہ کہہ کر جانے لگا کہ علی احمد تیزی سے پکار کر بولے۔

"شامان۔۔۔۔۔! یہ گھر نہیں ہے جہاں ہر بات میں تمہاری پسند نا پسند کا خیال رکھنا پڑے۔ مشعل وہیں

اپنے کی اور تم کام میں اس کی سلیپ بھی کرو گے۔ اظہار سلیف۔۔۔۔۔!"

دو خائف نہیں ہوا، تاہم اس سے ان کے دوش سے ٹکا تو پھر آفس سے ہی نکل آیا تھا۔ گاڑی اسٹاؤٹ

کرنے سے پہلے اس نے سارا ڈکون کیا اور اس کی ضرورت جگہ بیٹھے کا کہہ کر خود بھی دس منٹ میں وہاں پہنچ گیا تھا۔

"کیا بات ہے۔۔۔۔۔؟ آج تم آفس نہیں گئے۔۔۔۔۔؟"

سارا نے اسے دیکھتے ہی پوچھا تو وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

"میں یہاں آج نہیں لگا۔"

"اول نہ لگنے کی وجہ۔"

سادہ نے اتر کر اسے دیکھا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"تم؟ تم جو تواسوں پر چھائی رہتی ہو۔"

"بھرتم اپنے ہی ذہنی سے بات کیوں نہیں کرتے؟"

سادہ نے فوراً کہا تو وہ سانس سمجھ کر بولا۔

"کر چکا ہوں بابا۔! کر چکا ہوں۔ میں انہیں تمہارے بارے میں بتا چکا ہوں۔"

"بھربھرتم آ رہے ہیں وہ تمہارا دم پوزل نہ کرے؟"

"آجائیں گے جلدی کیا ہے؟"

وہ کچھ کر خود ہی جھنجھلا گیا تھا۔

"یار.....! کوئی اور بات کر دیا.....! میرا پہلی ہی سواؤنگ نہیں ہے۔"

"کیا ہو تمہارے سوؤنگ؟"

"کچھ نہیں.....! چلو گئیں اور چلتے ہیں۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا سادہ نے اچھٹے کے انداز میں کندھے اچکائے۔

☆.....☆.....☆

4

فرخندہ صاحب کے لیے میں بے بسی شوبی کو محسوس ہوئی تھی۔

"ہاں.....! آپ کچھ بہت نہ کہا کریں اس سے۔"

تانیہ فرما رہی تھی۔

"کیا وقت آ گیا ہے؟.....! چلوں سے بھی ڈر کر بات کرنی پڑتی ہے۔ ہا.....!"

فرخندہ صاحب نے آنکھری ادھر کہنے لگے۔

"مجھے انعام دتا ہے شوبی کہ اس کی ماں کو میں نے اس سے زور کیا ہے۔ ہاں.....! کیا ہے، بھلائے رکھنا۔"

بھلاؤ آج یہ کون سا کھانا پتاں کو؟....."

"بس کریں بابا.....! آپ نہ شوبی کی باتوں کو دل پر لیا کریں۔"

تانیہ کے لیے میں اس کے لئے کتنی شفقت تھی، وہ بے اختیار اٹھا تھا لیکن اندر جانے کی بجائے باہر نکل

گیا۔

☆.....☆.....☆

مشعل کو آفس جوائن کے ایک ہنسنہ ہو گیا تھا۔ پہلے دن کے بعد پھر شامان نے اسے کچھ نہیں کہا تھا۔

شوبی گیسٹ سے باہر دوار سے ٹپک لگائے کھڑا تھا۔ وہ ایسا لگتا تھا جیسے ساری دنیا سے ٹھہرا ہو۔ مگر میں

زحرب کا بھی احساس نہیں تھا۔ جب اوپر بالکونی سے فز زب کی بیٹی رو رہی اسے پکار کر پوچھنے لگی۔

"سنو.....! ایک کام کرو گے؟"

"کیوں.....! تو کہہ ہوں کیا تمہارا؟"

وہ کات کھائے کود رہا تھا۔

"تو کہہ کر کیا بات ہے؟ کسی کام کرنے سے اعمال میں نیکیاں لگتی جاتی ہیں۔"

رو رہی اسے جیسے کڑھنٹا ہوئی تھی۔ شوبی سر جھٹک کر دوسری طرف دیکھنے کا وہ دھیرا سے متوجہ کر کے

بولی۔

"سنو.....! کچھ نیکیاں کمالو اور نہ یہاں کی طرح وہاں بھی اسی طرح مایوس کھڑے ہو گے۔"

"تم؟"

شوبی نے نیچے سے بھراٹھا کراسے سمجھ مارا، لیکن وہ اسے انگوٹھا دکھاتے ہوئے بھاگ گئی۔

"اسٹوپ!"

وہ دانت چیتا اندر آکر لاؤنج میں بیٹھا تو دوسرے کمرے سے تانیہ اور فرخندہ صاحب کی باتوں کی آواز

انگلی گئی۔ تانیہ کھڑکی تھی۔

"کہنے والے تو یہی کہیں گے ہاں بابا.....! کہ شوبی کی تربیت میں ہم سے کوتاہی ہوئی ہے۔ راجہ بھی

میں انعام دے گی۔"

"کیوں؟.....! راجہ کیوں ہمیں انعام دے گی؟.....! اس پناہ میں ہے شوبی کے باپ اور چچا کیسے

.....؟"

فرخندہ صاحب نے کہا تو شوبی کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

"خون رنگہ دکھاتا ہے تو ساری تربیت دھری رہ جاتی ہے۔ بے بسی اور ہٹ دھرمی شوبی کو دہرائے میں

لی ہے۔ میرا تمہارا کوئی قصور نہیں ہے، تم نہ بڑا سوچا کرو۔"

"کیسے سوچوں بابا.....! شوبی کو میں نے صرف جنم نہیں دیا، بالائی اولاد کی طرح ہے۔ اس کی

اولاد کر اب ہوگی تو سب سے زیادہ تکلف مجھے ہوگی۔"

تانیہ کی آواز میں ڈکھ تھا۔

"میں جانتا ہوں بیٹا.....! لیکن میں کیا کروں.....! میری تو وہ بات ہی میں سنتا۔ انا اور طے میں آ جاتا

....."

بلکہ وہ اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔ جبکہ وہ اسے نہ صرف دیکھتی بلکہ خوش بھی کر رہی تھی۔ وہ کچھ دیر کام کرتا، پھر فون پر جانے لگا۔ اس سے لگی بات اس کے بعد غلط شد اسٹھ کر چلا جاتا۔ اس وقت وہ فون پر کسی سے کہہ رہا تھا۔

”بس یار...! اس منٹ میں نکلتا ہوں یہاں سے۔“

وہ اسے دیکھتے ہوئے پورے دھیان سے اس کی باتیں سننے لگی تھی۔

”کم آن مارو...! کیا تو ہے، سید صاحبہ! پاس آؤں گا۔“

”نہیں! بیچہ خاص نہیں، وہ بس تم تیار رہنا۔“

ہاں! جہاں کم کوئی۔

”لو کے...!“

شامان نے سبل فون کان سے ہٹایا، اب اس پر نظر پڑی اور اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر گھبرا گیا تھا۔

”تم کیسا سدی ہو...؟! اپنے کام سے کام رکھا کرو۔“

”اُف...!“

وہ بری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔ جلدی سے اپنا بلکے لے کر اس سے پہلے ہی آفس سے نکل آئی تھی۔ کمر آتے ہی اس کا دل پاپا کسی کو نے میں چھپ کر خوب روئے۔ لیکن یہ خیال کسی کے پوچھنے پر کیا جواب دے گی، اسے روئے بھی نہیں وہ سدا تھا۔ جلدی سے صند ہاتھ جو بکریں میں آئی تو وہاں سے کھڑے دیکھ کر گھبرائی۔

”یہ آپ کیا کر رہی ہیں امی...؟ کیا پھر پلار پر مٹنے کا ارادہ ہے؟...؟ جھوڑیں یہ سب، میں کروں گی۔“

”جی...!“

”جی... اتم خود بھی ہوئی آئی ہو۔“

”کوئی نہیں سمجھی ہوئی، آپ چلیں، اندر چلیں۔“

اس نے کہتے ہوئے نہ ہلکا بند کر دیا۔

”بیٹا...! بیٹھ بیٹھ کر تھک گئی ہوں۔ بس دو چار روٹی ڈال لوں پھر۔“

”باکل نہیں...! انا با آ جا نہیں پھر میں روٹی ڈال دوں گی۔“

وہ ہر دقت کا یہ کو بھیجے ہوئے اندر لے آئی۔

”سنو...!“

”یہ اس کا ہاتھ بڑا کر پوچھنے لگی۔“

”تم آفس میں پریشان تو نہیں ہوتی...؟“

”نہیں تو بڑا بڑا کیوں...؟“

وہ کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں دیکھنے لگی تھی۔

”جہاں رہے انا مانا پریشان ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں، چنانچہ تم کام کر پاؤ گی کہ نہیں...؟“

”یہ نے بتاؤ تو دوس پڑی۔“

”انا تو بس ابھی تک مجھے پتی ہی سمجھتے ہیں۔ آپ انہیں سمجھائیں، میں گرجو بخش کر چکی ہوں۔“

”ہاں ہے انہیں۔“

”یہ اس کا گل جھک کر مسکرائی تھی۔“

”اچھا...! آپ آرام سے بیٹھیں، میں ذرا اور پر جا رہی ہوں۔ جب سے آفس جوائن کیا ہے، مردہ لی

سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔“

”ہاں...! اور بھی شکایت کر رہی تھی۔“

”جھک ہے۔! میں جا رہی ہوں۔“

وہ جھک میں کہتے ہوئے بیڑھیاں پھلانگ آئی تو پہلے فون سے ملاقات ہو گئی۔

”السلام علیکم تھی...!“

”وہیکم السلام...! بڑے دنوں بعد آئی ہو۔ امی کیسی ہیں...؟“

فون نے جواب کے ساتھ سوال کر دیئے۔

”امی اب کافی بہتر ہیں۔“

اس نے رد لی کہ کاشا میں ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے جواب دیا تو فون نے کچھ کر لی۔

”رد لی کرے میں ہے وہ ہیں بلی جاؤ۔“

”جی...!“

وہ سر ہلاتی ہوئی رد لی کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس پر ہلکی گئی۔

”بڑی جواب ہو تم...! اسی انتظار میں رہتی ہو کہ میں تمہارے پاس آؤں، تم نہیں اسٹیکس کیا...؟“

”نہیں...! جہاں گھر میں دو جو ہر اور جتا ہے ناں، اسے میرا آنا پسند نہیں ہے۔“

رد لی نے کہا تو وہ دیکھ کر لی۔

”شوٹی کا تو وہاں خراب ہے۔“

”اچھا چھوڑو...! یہ بتاؤ تمہاری جاب کسی جا رہی ہے؟...؟ مزا آ رہا ہے...؟“

رد لی نے پوچھ تو وہ ہر اسامت بنا کر لی۔

”کیا مزا آ رہا ہے یار...؟ یہ بھی کوئی جاب ہے...؟“

”کیا مطلب...؟“

رد لی کے نونے پر وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

”ٲاؤ ناں کیا ءوا ہے؟“

روڈی نے اس کا ٲاٲہ بلا کر اسرار کیا تو دہ شش و شش گھر کر بولی۔

”ٲیلے ءءه کر ءو، کسی کو ٲاؤ گی نہیں، سیرا مطلب ہے، سیری ٲاب کی نوعیت..... بس مجبوری سے کر رہی ہوں، ءور نہ.....“

”ءو ہو.....! بس کس کو ٲاؤ گی.....؟ ٲلو پھر بھی ءءه کرتی ہوں۔“

روڈی کو جاننے کی جلدی تھی، ءور انوک کر ءءه کر کیا تو ءءه رے زک کر ءه کہنے لگی۔

”اصل میں میرے ٲاس ڈگری کے علاءه اور کچھ نہیں تھا۔ زکوئی کرس نہ تجرہ، اس لے ٲیلے تو مجھے رٲٲکٹ کر ڈیا، لیکن پھر اس نے مجھے ایک اور ٲاب آفری، ءور کہا کہ اس ءوران میں آئینشل کام بھی سیکھ سکتی ہوں۔“

”ءو تو فیکہ ہے، تم اصل بات ٲاؤ۔ کیا ٲاب آفری اس نے.....؟“

روڈی کے ہر سیری ٲر ءہ ءولی سے ٲاؤے لگی۔

”ٲاس کا ایک بیٹا ہے ءور وہ کسی لڑکی سے محبت کرتا ہے۔ ساءه اس سے ساءه بھی کر ٲاٲتا ہے، لیکن ٲاس

نہیں ٲاٲنے ءور انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں ان کے بیٹے کو اس لڑکی کے ٲنگل سے نکالوں۔“

”!!!!!!“

روڈی ٲٹنے لگی تو دہ ءانت میں کر بولی۔

”ٲس کیوں رہی ہو.....؟“

”تو ءور کیا کرؤں.....؟ مرسہ کی ٲاب ہے۔ ءو یسے ٲاس کا بیٹا ہے کہسا.....؟“

روڈی نے مظلوظ ہو کر ٲو چھا تو دہ ٲر کر بولی۔

”شرٲی سے بھی بڑا۔“

”خیر.....! سوبی اٲا ٲرا تو نہیں ہے۔“

اس نے اٲنی ٲریشانی میں روڈی کی بات محسوس نہیں کی، ءور ٲو چھنے لگی۔

”تم ٲاؤ اس سلسلے میں، میں کیا کر سکتی ہوں.....؟“

”کچھ نہیں.....! آرام سے آئینشل کام سیکھتی رہو۔ تجرہ بھی ہو جائے گا، پھر کہیں ءور اٲلائی کر ءو۔“

روڈی نے بے نیاز سے سے کئہ ءنے ٲکا کر مشورہ ءیا تو دہ ءے بکھی رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆

اس نے ساءه ءو خوب شاٲنگ کرائی تھی۔ پھر ٲائز ءر کے اءر مگر لوٹا تو آگے علی احمد اٲنی بیوی زءیہ کے

ساءه یسے اس کے اٲٲار میں ہی ٲٹنے سے ءو دیکھتے ہی ٲو چھنے لگے۔

”کہاں ٲیلے گئے تھے۔“

”جی..... ءو..... ایک ءوست آ رہا تھا ءءن سے، اسے رے سیکر نے ٲلا گیا تھا۔“

ءو ءءر سے خائف ہو گیا تھا۔

”کون سا ءوست.....؟“

علی احمد کے مشکوک اءزاز ٲر ءو ءر بڑو کر بولا۔

”آٲ نہیں جانتے سے۔“

”اچھا.....! کوئی نیا ءوست ہے کیا.....؟“

حزبہ کر ٲر ءہ ٲر چر گیا۔

”ؤیہ.....! بس کیا بھوٹ بول رہا ہوں.....؟“

”یہ میں نے کب کہا.....؟ میں تو ٲو چر رہا ہوں، کوئی نیا ءوست ہے جسے میں نہیں جانتا.....؟“

علی احمد شاٲا سے بکھنے کے سوا میں نہیں تھے، جب ہی زءو ٲر آٹھ کھڑی ہوئی۔

”میں کسا ناگولی ہوں۔“

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“

ءو باراضی سے کئہ کر ٲنے کرے میں آ گیا۔ کئہ ءر ٲیلے ءو ساءه کے ساءه جتنا خوش تھا، اب اسی ءءر

اس کا سواؤ آف ہو گیا تھا۔ ءو ءرؤں سمیت بیٹے ٲر ءراز ہوتا ہے کہ زءیہ کے آنے ٲر ایک ءر آٹھ بیٹھا ہے۔

”شامی بیٹا.....! جس میں اپنے ڈیڈی سے محبت نہیں بولنا ٲاٲتا تھا۔“

زءو بیٹے آنے ہی زری سے نؤ کا، لیکن ءو بکھ اور ہا تھا۔

”سچ بول کر مجھے کون سا ءءخل جائے گا.....؟ یوں بھی ڈیڈی سب جانتے ہیں، پھر مجھ سے سوال کیوں

کرتے ہیں.....؟ کہاں جا رہے ہو.....؟ کہاں سے آرہے ہو.....؟! میں کوئی ٲو نہیں ہوں۔“

”بیٹے نہیں ہو تو پھر کھیتے کیوں نہیں.....؟“

زءو بیہ زب ہوئی تھی۔

”سب سمجھتے ہوں، آٲ لوگ ٲاٲس کیا سمجھا نا ٲاٲے ہیں مجھے.....؟ ڈیڈی نے بکھن میں مجھے اٲنی انگلی

جھائی تو پھر بھول میں تھے کہ میری اٲنی بھی کوئی سوچ ہو سکتی ہے۔ ءو ٲاٲے ہیں میں ساری زءدگی ان کی انگلی تمام کر

ٲن رہوں، ثواب میں ان کے ساءارؤں ٲریش چل سکتا..... مجھے اٲنی زءدگی بیٹنے ءوں۔“

ءو اٲنا ٲنی شامی ہو کر بول رہا تھا۔

”مضر ءو جی، اٲنی زءدگی لیکن، لیکن ٲیلے سمجھ راتے کا ءیں تو کر ءو تو بھوک رہے ہو۔“

رؤ ہیہ نے کہا تو وہ مزید چلے ہوا۔

"میں بھٹک رہا ہوں۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔۔۔ اتم نے اپنے لئے جس لڑکی کا انتخاب کیا ہے اس کا بیک گراؤڈ جانتے ہو۔۔۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔۔۔ اور میں جانا بھی نہیں چاہتا۔"

اس کی بہت دھڑکی پر زور دیکھ لہڑا گیا۔

"تو پھر تم بھی سن لو یہ تمہارے ڈیڑی اور میرے لئے بھی سب سے اہم بات یہی ہے کہ اس مگر کی بہ دہی بن سکتی ہے جس کی کچھلی سات پشتوں میں کسی گندے ٹخن کی آبیروں نہ ہو۔"

"مام۔۔۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ سارہ بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"شٹ اپ۔۔۔۔۔!"

رؤ ہیہ سر جھٹک کر چلی گئی تو اس نے سارے کام طے میں کئے تھے، یعنی جوتے اتار کر پیچھے، کپڑے بدلے، بھر منہ سر لپیٹ کر مو گیا تھا، اور اگلے دن وہ کسی موش آفس آیا تھا کہ مشال کو اپنی نیکل پر کچھ تلاش کرتے دیکھ کر مزید بیکو گیا۔

"آپ میری نیکل پر کیا کر رہی ہیں۔۔۔۔۔؟"

"سر۔۔۔۔۔ اوہ۔۔۔۔۔ سر۔۔۔۔۔! باتیں۔۔۔۔۔ میں نے سوچا۔۔۔۔۔"

وہ اس افتاد پر پریشان ہو گئی تھی۔

"دیکھیں، بس۔۔۔۔۔!"

وہ وارننگ کے انداز میں اٹھ اٹھا کر کہنے لگا۔

"آپ اپنے دماغ کو زحمت نہ دیں تو اچھا ہے، کم از کم میرے معاملات میں۔۔۔۔۔ نہیں یہاں سے۔"

"جی۔۔۔۔۔؟"

وہ خائف ہو کر اپنی سینٹ پر آ بیٹھی۔ مگر ان کیوں اسے اسے دیکھا، وہ لپٹاپ میں مصروف ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد لپٹاپ مزم جائے کیڑے لے کر آیا تو مشال نے فوراً آنکھوں میں سے لے لی اور اسے جانے کا اشارہ کر کے کفرے شالمان کی نیکل پر رکھی۔ پھر کپ سیدھے کر کے پوچھنے لگی۔

"سر۔۔۔۔۔! شکر تھی لیں گے۔۔۔۔۔؟"

"دیکھ جج۔۔۔۔۔!"

شالمان نے ہلارادہ اسے دیکھا تھا۔ مشال نے کپ میں چائے بنا کر بھر کر اسے متنبہ کیا۔

"سر۔۔۔۔۔! چائے۔"

وہ متوجہ نہیں ہوا تب کہنے لگی۔

"سر۔۔۔۔۔! آپ کے آنے سے پہلے آپ کے لئے فون آیا تھا۔"

اس نے ابھی بھی خوش نہیں لیا تو وہ مزید کہنا ہو گئی۔

"سر۔۔۔۔۔! سارا کا فون تھا، کبہ رہی تھی، آپ اپنا فون آن رکھا کریں۔"

سارہ کے نام پر جیسے اس نے فوراً دیکھا تھا، پھر فوراً جب سے اپنا فون نکال کر آن کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"خالہ۔۔۔۔۔!"

شونی کپڑے تیز کرتی تھیں کہ کپڑا کر پوچھنے لگا۔

"اس دن ۱۱:۱۵ بجے کبہ رہے تھے۔۔۔۔۔؟ میرا مطلب ہے، میرے باپ اور چچا کے بارے میں۔۔۔۔۔؟"

"جب تم سن چکے ہو تو پھر کیوں پوچھ رہے ہو۔۔۔۔۔؟"

تانیہ اندر سے جھکی ضرور تھی لیکن اس پر ناگوار رہی تھی۔

"ہاں۔۔۔۔۔! سن لیا تھا میں نے، پھر بھی آپ بتائیں مجھے۔"

شونی نے برتیرنی سے کہا۔

"مجھے نہیں پتا، جو پوچھنا ہوا اپنے باپ سے پوچھو۔"

تانیہ نے سر جھٹک کر تہہ کے ہونے کپڑے الماری میں رکھے، پھر پلٹ کر شونی سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ

روٹی کواتے دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

"السلام علیکم آئی۔"

"وہیکم السلام۔۔۔۔۔! کیا حال ہے بیٹا۔۔۔۔۔؟ ایسی کسی ہیں۔۔۔۔۔؟"

تانیہ نے کوشش سے خوش دلی کا مظاہرہ کیا۔

"جی ٹھیک ہیں۔۔۔۔۔! امی نے آپ کے لئے پیالہ کے چائے پیسے ہیں۔"

روٹی پلیٹ تانیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے مزید کہنا ہوئی۔

"یہ صرف آپ کے لئے ہیں آئی۔۔۔۔۔! آپ ہی کھائیے گا، کسی اور کو مت کلائیے گا۔"

"کوئی اور کھاتا بھی نہیں ہے سزا ہوئے پرائے۔"

وہ روٹی کا اشارہ سمجھ کر سگ کر بولا تھا۔

"شونی۔۔۔۔۔!"

تانیہ نے اسے ٹوکا تو روٹی فوراً بولی تھی۔

"ارے نہیں آئی۔۔۔۔۔! میں نے برا نہیں کیا۔"



”اچھا تم بیٹھو، میں پلیٹیں لے کر آئی ہوں۔“

ٹائیپ کہتے ہوئے چلی گئی تو وہ لی اس کی طرف گھوم کر بولی۔

”جیہ تم بوقت انگارے کیوں چباتے ہو۔۔۔؟ آرام سے پیارے بات نہیں کر سکتے۔؟“

وہ ہونٹ بھیج کر اسے گھورنے لگا، یوں جیسے کچا پانے جانے کا داروہ ڈرا خانگف نہیں ہوئی۔

”جتنا مرضی گھور لو، میری صحت پر اثر پڑنے والا نہیں ہے۔ انا تمہاری اپنی آنکھیں بھیج کر دیکھیں گی۔“

ایسے۔۔۔!“

روٹی نے اپنی آنکھیں بھیجی کیں تو وہ تھلا کر اٹھا تھا اور اس سے پہلے کاس پر جھپٹا، وہ بھاگ گئی۔

”بذخیز۔۔۔!“

وہ منہ ہی منہ میں اسے گالیاں دیتے ہوئے باہر نکل آیا۔ اس کے اندر اٹا ڈکب رہا تھا۔۔۔ نیے نے اس لی

بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ یہ کہہ کر داس بچا لیا کہ اپنے باپ سے چھو۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، باپ سے کیا

پوچھے۔۔۔؟ اب تک تو وہ اپنی ماں کو قصور واہ بھتا رہا تھا کہ وہ اسے چھو کر ہلکی گئی تھی اور اس لئے وہ اس سے بات

کبھی نہیں کرتا تھا۔

بہر حال اس دن خاصی تنگ وہ دو کے بعد وہ اپنے باپ کا نمبر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر اپنی

وقت اسے فون کر ڈالا۔

”شعب بات کر رہا ہوں، شولی۔“

اس نے کال ریسپو نہ دی تھی کہا تو اچھر سے چرنگہ کر پوچھا گیا۔

”شولی۔۔۔؟“

”گلتا ہے، ماہ و سال کی گرہ ڈنے آپ کے ذہن سے میرا نام نہ دیا ہے۔؟“

اس کے طنز پر ادھر بھاہے بھین ہوئے تھے۔

”نہیں نہیں۔۔۔! کبھی باتیں کرتے ہو پنا۔۔۔؟ تم کہیں ہو۔۔۔؟ مجھے بتاؤ، میں ابھی تمہارے

پاس آتا ہوں۔“

”جی نہیں۔۔۔! آپ کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کسی دن خود حاضر ہو جاؤں گا۔“

دور دوڑی بولا تھا۔

”کسی دن کیوں پنا۔۔۔؟ ابھی آ جاؤ۔۔۔!“

یہ قراری سے کہا گیا۔

”ابھی۔۔۔؟“

وہ سوچ میں پڑ گیا۔

”ہاں ہاں۔۔۔! ابھی آ جاؤ کوئی مسئلہ ہے کیا۔؟“

”مسئلہ قرب ہوگا۔“

اس نے کہہ کر تکل آ کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

شامان مسلسل سارہ کو فون پر منانے میں لگا ہوا تھا۔

”بی بی سارہ۔۔۔! میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔

اچھا۔۔۔! تم جی راض کیوں ہو رہی ہو۔۔۔؟ چلو غصہ تھوک دو۔

او کے بابا۔۔۔! او کے، میں شام میں آ جاؤں گا۔

ابھی نہیں۔۔۔! ابھی تو۔۔۔“

ادھر سے فون بند ہو گیا تو اس نے فون ہو کر اپنے سیل فون کو دیکھا۔ پھر بار بار سارہ کا نمبر پلٹس کیا لیکن

سارہ نے اس کی کال ریسپو نہیں کی۔ تب وہ بین ہو گیا اور لی احمد کی وارننگ کے باوجود سارہ کے پاس جانے کو

تیار ہو گیا۔ وہ دوازہ تک پہنچا تھا کہ شعلال نے ایک دم کال کیا۔

”سر۔۔۔!“

اس نے ڈک کر دیکھا تو شعلال نے جلدی سے گھبران میں سے گلاب کا پھول نکال کر اس کی طرف بڑھا

دیا۔

”سر۔۔۔! بی۔۔۔! آئی میں، آپ اپنی دوست کو گلاب دیں گے تو وہ فوراً مان جائیں گی۔“

”شیوہ۔۔۔؟“

اس نے شعلال کے اچھے سے گلاب لیے ہوئے کہا۔

”شیوہ۔۔۔!“

”جھک پو۔۔۔!“

وہ جھکے سے سر کیا، پھر جاتے جاتے ڈک کر پوچھنے لگا۔

”وہ۔۔۔! کیا نام ہے آپ کا۔۔۔؟“

”شعلال۔۔۔!“

”ہاں۔۔۔! جس شعلال۔۔۔! ڈیڈی اگر میرا پوچھیں تو کہیں گے، میں سمجھتا ہوں، او کے۔۔۔!“

وہ کہہ کر باہر نکل آیا اور چندہ منٹ میں ہی وہ سارہ کے پاس تھا۔

”بابائے۔۔۔!“

دوسارہ کے رونے چہرے پر نظر نہیں جھرا کر بولا۔

"کم آن یار۔! آ تو گیا ہوں۔"

"بہت احسان کیا ہے مجھ پر۔"

سارہ کھٹک کر بولی تھی۔

"اوہو۔! اچھا دیکھو۔"

اس نے ایک دم یاد آنے پر کھٹک کی جیب سے گلاب نکال کر سارہ کے سامنے کیا تو دیکھتے ہی لہجہ میں

بولی۔

"یہ کیا ہے؟"

"گلاب ہے، گلاب۔! میری محبت کا حسین تختہ۔"

اس نے جتنی محبت سے کہا سارہ اسی قدر عفت سے بولی تھی۔

"حسین تختہ۔! اب یہ میری اوقات ہے۔! راد پلٹے پھول توڑ کے مجھے جوش کر دے۔!؟ محبت کا

حسین تختہ۔! ہاؤ۔! نہیں چائیں مجھے ایسے حسین تھے۔"

سارہ نے پل میں گلاب مسل کر اس کے سامنے پھینک دیا تو وہ افسوس اور حیرت میں مگر گیا۔

"محبت کسی جھٹکے کی جتنی نہیں ہوتی شامی۔!۔!۔!"

سارہ نے فوراً بیترددہ لہجہ میں کہا۔

"میں جانتی ہوں تیرے لئے آسمان سے تارے تو ڈکڑا کئے ہو لیکن مجھے یہ سب نہیں چاہئے۔ میں

صرف تمہارا ساتھ چاہتی ہوں۔"

"میں بھی تو یہی چاہتا ہوں کہ تم ہر وقت، ہر پہل میرے ساتھ ہو۔"

اس نے کہا تو سارہ ڈراپو چمکنے لگی۔

"مجھ پر یہ یامکن تو نہیں ہے۔"

"نہیں۔!۔! کچھ بھی یامکن نہیں ہے۔ اصل میں میرے ذہنی ذرا پرانے خیالات کے ہیں۔! نہیں

باپر وہ سلیقہ مند اور امور خانہ داری میں ماہر ہو چاہئے۔"

اس نے بتایا تو سارہ چیخا کر پڑی۔

"کیا؟ جہاں را مطلب ہے، اب میں برق اوزدھنا شروع کر دوں۔!؟ اور کمر میں دو پتہ کمر

سارے کمر میں جھاڑ لگاتی چھروں۔!؟"

"نہیں نہیں۔!۔! میرا یہ مطلب نہیں ہے۔"

وہ چٹائی گیا تھا۔

"پھر کیا مطلب ہے تمہارا۔!؟"

"مطلب، مجھے ذہنی کے خیالات بدلنے میں کچھ وقت لگے گا۔"

اس نے بات بٹائی تھی۔

"کچھ وقت۔!؟ تا کم رہتا اپنی بات پر۔ زیادہ وقت نہیں ہونا چاہئے ورنہ میری ماما مجھے کسی اور کے

الغرضت کر دیں گی۔"

سارہ نے کچھ وقت پر زور دے کر کہا تو وہ اسے نفروں کی گرفت میں لے کر پوچھنے لگا۔

"تم ہو جاؤ گی کسی اور کے ساتھ زحمت۔!؟"

"کبھی نہیں۔!۔!"

سارہ کے کھٹکلائے نے اس کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی تھی۔ پھر اس کے ساتھ اگلا وقت طے کر کے وہ

ماہی، افسانے یا تو بلی احمد اس کے روم سے نکل رہے تھے۔

وہ پریشان ہو کر دوسری سمت بڑھا تھا کہ انہوں نے پکار لیا۔

"شامی۔!۔!"

"جی ویلہ۔!۔!"

اس نے اطراف میں نظر ڈالی کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا اس کے خیال میں ڈانٹ پڑنے والی تھی۔

"شام میں سر فراز والوں کی سینک ہے تم پہنچ جانا۔"

علی احمد نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

"پہنچ جاؤں گا ویلہ۔!۔!"

"بھولنا مت۔!۔!"

علی احمد کہتے ہوئے اپنے روم میں چلے گئے تو دھڑکرتے ہوئے اپنے روم میں آتے ہی مشعل سے

اپنے۔!

"آپ نے ویلہ سے کیا کہا تھا۔!؟"

"کچھ نہیں سر۔! میں نے کہا کہ آپ ابھی باہر گئے ہیں۔"

"تھیک مجھ۔!۔! ایڈجسٹ ہو۔!۔!"

وہ مسکرا کر اپنی نیکل کی طرف جاتے جاتے پھر پلٹ آیا اور جیب سے منسلک ہوئے گلاب کی چٹائی نکال کر

مشعل کے سامنے نیکل پر ڈالتے ہوئے بولا تھا۔

"سواریس۔!۔! سارہ انہی محبت پر یقین نہیں رکھتی جو چٹکیوں میں سل دئی جائے۔"

مشعل کا چہرہ دیکھا پڑ گیا تھا اور وہ میرے سے کچھ بولی تھی جسے سن کر بھی وہ انہی کمرے کی نیکل کی

طرف بڑھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

شبلی اپنے باپ کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی پھلتی پھلنی آنکھوں کو کس قدر نظر انداز کئے انتہائی جیتی ہوئی نظر سے انہیں دیکھے جا رہا تھا۔

سنا پنا.....! میں بہت بڑا ہوں تمہارے لئے، ایک بار میرے بچنے سے ٹھک جاؤ۔

عباد نے کہا تو وہ ٹوٹی میں سر ہلا کر بولا تھا۔

”پہلے آپ میری بات کا جواب دیں۔ آپ نے میری ماں کو طلاق کیوں دی تھی؟“

”وہ..... میں..... میں مجبور تھا بیٹا۔!“

عباد بڑا غصے سے۔

”آپ مجبور تھے؟“

شبلی کے چہرے پر غصے کی لہر چلا کر دیا۔

”بیٹا میں عباد صاحب.....! میں اصل حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔“

”اصل حقیقت؟.....؟ بیٹا۔“

”موت کہیں مجھے بیٹا۔“

شبلی بدلتا جا رہا تھا۔

”میں کسی کا بیٹا نہیں ہوں۔“

”ابنا مت کہو شبلی.....! میں مانا ہوں، میں تمہارا گنہگار ہوں۔ میں نے غلط کیا تم پر، تمہاری ماں لیکن اس کے بعد یقین کرو، میں خود بھی مبین سے نہیں دوڑا بیٹا تمہارے لئے خود اچھا نہ تھا۔ تمہاری ماں کا کوئی قصہ نہیں تھا۔ اس نے تمہیں جو بتایا ہوگا، وہی سچ ہے۔“

عباد بہت عاجزی سے بول رہے تھے۔

”میری ماں نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔“

اس کے لیے میں اس کے لیے بھی تیار تھی تھی، جسے محسوس کر کے عباد پوچھنے لگے۔

”پھر تم مجھ سے بدگمان کیوں ہو؟“

”صرف آپ سے نہیں، میں اپنی ماں سے بھی بدگمان ہوں۔ آپ دونوں خود غرض تھے۔ اپنی الہ دنیاؤں میں مگن ہو گئے۔ میرا کسی کو خیال نہیں آیا۔ جب ایسے ہی والدین کی طرح مجھے چھوڑ دینا تھا تو پھر پیدا کیا تھا.....؟“

اس کے اندر غبار مچا رہا تھا۔

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو بیٹا.....؟ تمہاری ماں.....“

عباد جیسے کچھ کہہ رہی تھی نہیں سمجھ رہے تھے۔

”جیسے آپ میری ماں کہہ رہے ہیں، وہ اپنے دوسرے شوہر کے بچے پال کر ٹوٹ کر رہی ہے، اور آپ جیتنا اپنے بچوں میں مگن ہوں گے۔“

شبلی نے غصے سے سر جھکا دیا تھا۔

”نہیں بیٹا.....! ایسا نہیں ہے۔ نہ تو تم مجھے میرے کئے کی سزا دے رہے ہو نہ یہ کہ پھر مجھے اولاد کی نعمت بخشی ہی نہیں۔“

عباد اعتراض کر کے نام نہ لہرائے گئے تھے۔ شبلی کے چہرے پر ایک لٹخ کو نظر یہ مسکراہٹ چمکی تھی۔ پھر دوسرے جھک کر جانے لگا کہ عباد جیسی سے اس کے سامنے آگئے اور زبردستی اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تو پہلے اس نے جیسے کوئی راہ فرار نہ پا کر ان کے سینے میں منہ چھپا لیا تھا۔ لیکن پھر اسے لگا جیسے یہاں سے فرار ممکن ہی نہیں ہے۔

”ابو.....! ابو.....!“

وہ بہت ٹوٹ کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مشعل صبح کے لئے اپنا سوٹ پر لیس کرتے ہوئے اپنی ہی کسی سوچ میں تھی کہ ٹائیڈ کی آواز سن کر چونک کر پوچھنے لگی۔

”کچھ کہہ رہی ہیں امی؟.....؟“

”ہاں.....! میں کہہ رہی ہوں۔ شبلی ابھی تک نہیں آیا، پتا نہیں کہاں رہ گیا ہے۔؟.....؟ تمہارے دادا پریشان ہو رہے تھے۔“

ٹائیڈ کے لیے میں بھی تشویش کا ظہر ہو رہی تھی۔

”خود بخود پریشان ہوتے ہیں دادا اب تو آپ بھی۔ شبلی بچہ نہیں ہے، آجائے گا۔“

اس نے استری کا پلنگ نکالتے ہوئے کہا، پھر ٹائیڈ کی تشویش محسوس کر کے اس کا دھیان بنانے کی غرض سے بولی تھی۔

”دیسے امی.....؟ مجھے لگ رہا ہے شبلی کسی لڑکی کے پکڑ میں آ گیا ہے۔“

”شبلی نے تم سے کچھ کہا ہے کیا؟.....؟“

ٹائیڈ نے فوراً پوچھا تو وہ ہنسنے لگی۔

"نہیں...! کہا تو نہیں ہے، لیکن..."

"ہی...!"

"ٹائیے اسے ٹوک دیا۔"

"اے آپ! فضول باتیں نہ فرض کر لیا کرو۔"

"لطیفیں آپ فرض کر لیں، اگر یہاں ہوا تو..."

"مشعل..."

"ٹائیے جتنے سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ شوبی کے آنے پر فوراً اس کی طرف متوجہ ہوگی۔"

"کہاں چلے گئے تھے..."

"دیکھیں خالہ...! میں آپ کے لئے کیا لایا ہوں..."

"شوبی نے جواب دینے کی بجائے دونوں ہاتھوں میں بکڑے شاہک جبک اوپر اٹھا کر کہا تو ٹائیے کے

ساتھ مشعل اسے چہرہ پر بھی حیرت جھلکائی تھی۔

"خالہ...! یہ آپ کے لئے ساڑھی اور یہ سوٹ، اس میں آپ کی شال ہے اور یہ...! ہا! کاسوٹ۔ یہ

مشعل...! جہاز رانے لئے، اس میں تہار سے سوٹ ہیں..."

"وہ ایک ایک شاہک جبک دکھا کر کھڑا ہوا۔"

"شوبی بیٹا...! یہ سب کہاں سے آئے..."

"ٹائیے نے حیرت میں گھرے پوچھا تو شوبی لا پرواہی سے بولا۔

"پاؤز سے..."

"پاؤز سے تو آئے ہیں، لیکن پیسے... پیسے کہاں سے آئے تہار سے پاس..."

"آگے گئے تھیں سے بھی، آپ آگے کھانے سے مطلب رہیں خالہ...! جیز گئے کھڑی ہوں گی تو سر میں

چاندی اتر آئے گی..."

"شوبی اسی بے نیازی سے کہہ کر کمرے سے نکل گیا تو وہ جو حیرت میں کھڑی تھی، ٹائیے کے دیکھنے پر یک

دم حرکت میں آئی اور تمام شاہک جبک اٹھا کر تیزی سے شوبی کے پیچھے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی تمام بیگز

اس کے سامنے پھینک کر بولی تھی۔

"تم کیا کہتے ہو تہار! ان چیزوں سے میں، اوی اور ناہا نا خوش ہو جائیں گے..."

"میں کسی کو خوش کرنے کے لئے نہیں لایا۔"

"پھر..."

"وہ جتنی بھی نظروں سے دیکھنے لگی۔"

"ضرورت کی چیزیں ہیں، اگر لے آئے ہوں تو کون سی قیامت آگئی ہے..."

"شوبی کو فضا آگیا تھا۔"

"قیامت چیزوں سے نہیں، اس بات سے آئی ہے کہ تہار سے پاس اسے پیسے کہاں سے آئے..."

"اس نے کہا تو شوبی مزید چڑکیا۔"

"تہار کیا خیال ہے، چوری کی ہے میں نے یا ڈاکو ڈالا ہے..."

"اگر تم سچ نہیں بتاؤ گے تو ہم بھی تمہیں گے..."

"وہ ڈرا سے دعا کرتا تھا کہ شوبی نے شوبی کو خاموش ہو گیا تو وہ اسے جھنجھوڑنے لگی۔

"جیادو شوبی...! اوی بہت پریشان ہو رہی ہیں اور میں جب ناٹا لیا کو چھپنے کا تو وہ امی سے زیادہ پریشان

ہو گئے..."

"تو سچائی سن کر کون سا خوش ہو جائیں گے..."

"شوبی عاجز ہو گیا تھا۔"

"نہ ہوں خوش، لیکن انہیں یہ مطمئن کرنا تو ہو جائے گا کہ تم نے کوئی لٹلہ کام نہیں کیا۔ بتاؤ شوبی...! چلو،

میں کسی کو نہیں بتاؤں گی..."

"اس نے مسکراتے ہوئے انداز اختیار کیا کہ وہ چڑک بولا۔

"تاہم ہی دوس تو مجھے فرق نہیں پڑے گا۔ میں اپنے ابا کے پاس گیا تھا..."

"کب... کیا...؟ تہار سے پاس..."

"وہ بے ساختہ چبکی تھی۔"

"پاس...! اولاد یا کچانے کی ضرورت میں ہے۔ ابا نے اگر مجھے پیسہ دیے ہیں تو کوئی افسانہ نہیں کیا۔

میراق ہے ان پر..."

"ٹھیک ہے تہار! حق ہے، ہمارا نہیں..."

"وہ کہہ کر پٹلی تھی کہ شوبی اس کے سامنے آگیا۔"

"ایک بات بتاؤ شوبی...! اگر تہار سے ابا تہار سے سامنے آ جائیں تو کیا تم ان سے سزا سزا لوگی..."

"نہیں..."

"وہ بات، جبکہ اس کے کمرے سے نکلتی آتی تھی، پھر اس نے ٹائیے کو مطمئن کر دیا، لیکن خود اسے

ہو گئی تھی۔"

شامان کی خدمت سے ذریعہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کرنے؟ شامان اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اب وہ اس کی خوشیاں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی، جلدی اس کی شادی ہو اور پھر اس کے بچوں سے گھر میں رونق ہو۔ اصل میں وہ تنہائی سے بھی گھبرا گئی تھی۔

بہر حال اس وقت اس نے شامان کو اس کی خدمت سے باز رکھنے کی کوشش کی تو وہ اٹا اٹا سے سمجھانے لگا۔  
 ”آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں؟... سارہ کے گھر والے اسے میرے انتظار میں بٹھائے نہیں رکھیں گے۔ اس کی شادی کہیں اور کر دیں گے، اور آپ سن لیں، اگر سارہ کی کہیں اور شادی ہو گئی تو پھر میں کبھی شادی نہیں کروں گا، مگر کبھی نہیں۔“

”سنائی؟“

”ذریعہ نے ترپ کر ڈالا۔“

”تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو؟“

”ہاں!...! ہو گیا ہوں پاگل، اور آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟ میں جیوں یا مروں۔“

شامان نے مزید اسے ترپا دیا۔

”کیسی باتیں کر رہے ہو بیٹا...؟ میں تمہارے ڈنٹوں۔“

”بس رہنے دو میری!...! جب آپ کو اور ڈیل کی کو مجھ سے محبت تھی نہیں ہے تو پھر میرے ساتھ جرمی

ہو۔ میں جاکر کہہ رہا ہوں، مجھے سارہ ڈیل میں مہر جاؤں گا۔“

”انڈ نہ کرے۔ مجھے بتاؤ کہاں رہتی ہے سارہ؟...؟ میں اس کے گھر جاؤں گی۔ تمہارے ڈیل کی نہیں

مانتے نہ مانیں۔ میں تمہاری سارہ سے شادی کر اؤں گی۔“

ذریعہ ہنستا سے مجبور ہو گئی تھی۔

”میں جاکر کہہ رہی ہوں بیٹا...! میرا یقین کرو۔“

”ایسے نہیں کی۔! پہلے آپ ڈیل کی کو سنا لیں، پھر آپ دونوں میرا پرہیز لے کر جائیں گے اور یہ

کام چلے گا ہوتا جائے۔“

شامان نے اپنی خوشی ظاہر نہیں ہونے دی، ہنوز دیر کا اعزاز اختیار رکھے رکھا تو ذریعہ اس کا گال تھپک کر

بولی۔

”میں بھی تو جلدی تمہاری شادی کرنا چاہتی تھی، اور میں ابھی تمہارے ڈیل کی سے بات کرتی ہوں۔“

”صرف بات نہیں کرنی ہے کبھی...! انہیں سنانا بھی ہے۔“

اس نے کہا تو ذریعہ اپنا ہاتھ میں سر ملا دے ہوئے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ علی احمد ان پر کسی سے

بات کر رہے تھے۔ ذریعہ خاموشی سے بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگی۔ جب وہ رات ہوئے تو اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر

کہنے لگی۔

”کیا بات ہے بھئی؟“

”وہ... علی...! میں آپ کو شادی کا بتانا چاہتی ہوں۔ بہت اوسیشن ہو رہا ہے۔ مرنے مرنے کی

دلی کر نے لگا ہے۔“

ذریعہ بتاتے ہوئے رپا لسی ہو گئی، پھر بھی علی احمد ہنسنے لگے۔

”چھا۔!“

”علی...! پلیز اس بات کو مذاق میں نہ لیں۔ خدا خواست شادی نے اگر اپنے ساتھ کچھ کر لیا تو...؟“

اس نے کہا تو علی احمد یک دم سخت ہو گئے۔

”کچھ نہیں کر سکتا...! بعض قسمیں اوسیشن بلک سکل کر رہا ہے۔ تم اس کی دیکھیں میں مت آؤ۔“

”پھر میں کیا کروں؟... مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔“

اس کی بے بسی پر علی احمد مزید صبر کیا۔

”کیا سمجھ نہیں آ رہی؟...؟ تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر سنا کی قسمیں زیادہ فوس کر کے تو

مگر کہہ دو مجھ سے بات کرے، میں اس کے سراج لٹکانے لگا دوں گا۔“

”کار کا ڈیسک علی...! میں دن کا فساد نہیں چاہتی۔“

”پھر کیا چاہتی ہو؟“

”آپ جیسا سے شادی کو سمجھا دیں اور اگر اس کی بات بھی سن لیں تو۔“

”نہیں۔!“

علی احمد نے فوراً اٹھ لی اٹھائی تھی۔

”مجھے اس کی کوئی بات نہیں سننی اور اسے کو تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

”کیسا کیسے چلے گا علی؟“

وہ عاجز ہو کر بولی علی احمد نے کوئی جواب نہیں دیا، اٹھ کر چلے گئے تو درجہ جج رو پڑی۔

☆.....☆.....☆

بائیسے پر علی احمد نے اس کی دیکھی خاصی کا اس نے اپنی قلمی کردہ آفس ٹائم میں جب چاہے اٹھ کر باہر

نکل جاتا ہے، اور آفیس میں انہوں نے دار تک دیکھی کردہ آفسہ اس کی ایسی حرکت نظر انداز نہیں کریں گے۔

دوسرے دن کے خاموشی سے منتارہا تھا اور پھر بائیسے کے بغیر ان سے پہلے ہی آفس کے لئے نکل آیا تھا۔ وہ

نہا تھا کہ ضرور اس کی کمی نے سارہ کی بات کی ہوگی، جس کا قصدا انہوں نے اسے اس طرح دکھایا تھا۔

بہر حال اسے یہ سب منظور تھا، لیکن سادہ سے دستبردار ہی منظور نہیں تھی۔ جب ہی ساری باتیں اچھے سے جھٹک کر وہ آتش میں داخل ہوتے ہی رک ہارے ساختہ نظریں اور گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ طرف نگاہ کے پھول سچے تھے اور یوں پر پتی برتھڑے کا پورہ جگہ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوش گوار سا ۴۹ تھا کہ مشعال سامنے آکر بولی تھی۔

”چلتی برتھڑا سر!“

وہ تھک کر مشعال کو دیکھتے ہی یکدم گہرا گیا۔

”یہ سب کہا ہے؟“

مشعال نے بوکھلا کر اسٹاف کے دوسرے لوگوں کو دیکھا تو وہ ان سب کی طرف رخ موڑ کر نکلے۔

یوں۔

”کس نے کیا ہے یہ سب؟ میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔ کس نے کیا ہے یہ سب۔؟“

”ادھ میں“

”بھال کے حلق میں لٹکا ایک گئے۔“

”آپ؟“

وہ فوراً ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”آپ یہاں کام کرنے آئی ہیں یا پلنگ مٹانے؟ اپنے ساتھ باقی لوگوں کا بھی وقت خراب نہ کر لیں۔“

”جی۔ آپ۔“

”آئی ایم سوری۔!“

”شٹ اپ۔! اجائیس آپ لوگ اپنی اپنی سیٹ پر۔“

سب لوگ سر جھکا کر بولے پلے گئے۔

”نا ٹائم یہ سب۔“

وہ مشعال سے کہہ کر اپنی سیٹ پر بیٹھا تھا کہ اس کے موبائل کی بٹن جینے لگی۔ اس نے جب سے وہاں

نکلا اور اسکرین پر سادہ کا نام دیکھتے ہی کال ریسیڈ کر لی تھی۔

”جنا۔! ابھی ابھی پہنچا ہوں۔“

اس کا موبائل سخت خوش گوار ہو گیا تھا۔ سادہ سے باتیں کرتے ہوئے اس کی نظریں باہر اور مشعال،

دیکھ رہی تھیں جو جلسوں سے سہائے گئے گئے سمیت رہی تھی۔ پھر وہ سب کے گرد سے نکل گئی اور جب اندر

آکر اپنی سیٹ پر بیٹھی تو اس کی آنکھیں جگایں ہو رہی تھیں۔ شامعنان نے نہ اس کا جانا محسوس کیا اور نہ اسے دوبارہ

منارہ تھا۔

”یار۔! شام کو کھانا اس وقت آؤں سے لگتا بہت مشکل ہے۔“

اچھا پلیز۔! ناراض مت ہو۔

”ٹھیک ہے۔! ٹھیک ہے۔!“

وہ سیل آف کر کے سوچنے لگا کہ اب علی احمد سے کیا بہانہ کرے؟ ابھی صبح ہی تو انہوں نے اسے

دور تک رہی تھی۔ سوچتے ہوئے اس کی نظر مشعال پر پڑی تو اچانک اسے یہاں سوچہ گیا۔ فوراً اٹھا، لیکن پھر متحیل کر

مشعال کی بھل کر کہنے لگا۔

”بیس مشعال۔! آئی ایم سوری۔! مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔“

مشعال نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

”مشعال۔! پلیز آپ ناراض نہ ہوں۔ آئی ایم رینک رہی سوری۔! ام۔ میں نے آپ کو بہت

ہرٹ کیا۔ یقین کریں، میں بوجھتی گل کر رہا ہوں۔ آپ جانتی ہوں۔“

اس کے دیکھنے پر ایک لحظہ رک کر یوں۔

”میرا مطلب ہے، پلیس۔! ہاں بس پلیس۔“

”سر۔! آپ کیا کہہ رہے ہیں۔؟ میں بالکل نہیں سمجھ رہی۔“

وہ واقعی اس کی آخری بات نہیں سمجھتی تھی۔

”میں سمجھتا ہوں، سب سمجھتا ہوں۔ آپ اپنے پلیز۔!“

اس کے اصرار پر مشعال ابھی بھی دیکھنے کے انداز میں اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑی، اور جب آتش

سے نکل کر اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا تو دھیر اٹھ گئی۔

”سر۔! آپ۔!“

”بلیس پلیز۔!“

وہ اسے سمجھے اور بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے بیٹھنے ہی فوراً دروازہ بند کیا اور فوراً

ڈرائیو تک سیٹ پر آتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر کے سٹیکسے سے آگے بڑھا دی۔

”سر۔! آپ کہاں جا رہے ہیں۔؟“

مشعال پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے جواب نہیں دیا تو وہ رہا تو وہ رہا ہی ہو گئی۔

”سر۔! پلیز، آپ مجھے یہی انداز میں میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ پلیز سر۔! گاڑی روکیں۔“

”ریٹیکس مشعال۔! آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔؟ میں آپ کو کہیں بھاگ کر نہیں لے جا رہا۔“

اس کے دھمکتے ہوئے کہنے پر ریکس جھٹکائی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

”اسل میں میری دوسرے سارے دیکھے برتھڑے دس کرنا چاہتی ہے۔ ہم وہیں جا رہے ہیں۔“

اس نے بتاتا تو وہ لکھتی۔

”سر! میں! میرا مطلب ہے، آپ مجھے کیوں لے جا رہے ہیں؟“

”کیونکہ میں نے آپ کو ہٹ کیا ہے۔“ اب میں اس لئے آپ کو ساتھ لے جا رہا ہوں تاکہ اپنے رویے کی حثانی کر سکوں۔“

”اس کی ضرورت نہیں تھی۔“

وہ اس کی بات سن کر بڑبڑاتی تھی۔

”لیکن مجھے ضرورت تھی، اور ہاں! ڈیڑی کو چاہیے کہ ہم کہاں گئے تھے؟“

اس نے کہا، تب سارا معاملہ سمجھ کر مشعل کا دل چاہا، صاف منع کر دے کہ وہ علی احمد سے ملنا بیانی نہیں کرے گی، لیکن اس وقت وہ اس کے درم درم پر تھی، اس لئے ہونٹ سمجھ کر کھٹے سے باہر دیکھنے لگی، اور جب گاڑی رکی تب اس نے بے جا بننے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ کہاں آگئی ہے؟ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ شامان نے اسے ایک ٹیکس پر بٹھایا اور خود سارے کے پاس دوسری ٹیکس پر آگیا، جہاں سارے اس کے لئے ٹیکس سٹائنے بیٹھی تھی۔

”ایمان سے تم بہت جگہ کرتی ہو۔“

اس نے کہا تو سارے ٹیکسٹا کر بولی۔

”مڑو آتا ہے جس میں جگہ کر کے۔“

”اچھا چلو، اب جلدی سے ٹیکس کا نو۔ میں آفس میں بہت ضروری کام چھوڑ آیا ہوں۔“

اس کے کپڑے ہونے چھری اٹھا کر سارے کی طرف بدحالی تو دوڑتے ہوئے بولی۔

”کیا ہو گیا ہے شامی؟“ بدتھڑے تہا رہی ہے۔“

”اوہ!۔۔۔ بیوہ۔“

اس نے ٹیکس پر چھری چلا دی، پھر سارے کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔ پھر جلدی کرتے کرتے بھی اسے ہاں سے لگنے میں خاصی دیر ہو گئی تھی، اور ابھی راستے میں ہی تھا کہ علی احمد کا فون آگیا۔

”ڈیڈ کال فون ہے۔“

اس نے پیسہ ساتھ بیٹھی مشعل کو مطلع کیا، پھر فون پر بیوی کیا تھا۔

”جی ڈیڈ۔“

”کہاں ہو تم؟“

علی احمد نے فوراً پوچھا تو وہ اطمینان سے بولا۔

”میں!۔۔۔ ابھی آ رہا ہوں ڈیڈ۔۔۔!“

”آؤ رہے ہو، گئے کہاں تھے؟“

انہوں نے غصے سے کہا تھا۔

”وو۔۔۔ ڈیڈ!۔۔۔ مشعل کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔“

اس کے جھوٹ پر دو سگ کرا سے دیکھنے لگی۔

”مشعل کو ڈاکٹر کے پاس؟ کیا ہوا ہے مشعل کو؟“

علی احمد کے لیے میں اب قدرے تعجب نہیں تھی۔

”چاہئیں ڈیڈ!۔۔۔ اس میں فیکر آکر گر گئی تھی۔“

وہ بتاتے ہوئے مشعل کو دیکھ کر مسکرایا، لیکن دوسرے میں بھی غمی۔

”اوہ! کوئی نہیں سیرس بات تو نہیں ہے؟۔۔۔ ابھی کہاں ہے مشعل؟“

”میرے ساتھ ہے۔“ لیجئے، آپ خود بات کر لیں۔“

اس نے کہہ کر زیر دہلی سو پائل مشعل کو کھنڈا تو وہ بولکھائی اور اس کے اشارے پر سو پائل کان سے لگا کر

بولی۔

”جی سر!۔۔۔!“

”کیا ہوا ہے مشعل؟ آپ کسی طبیعت ہے تہا رہی؟“

انہوں نے پوچھا تو وہ بڑبڑاتی ہو کر بولی۔

”اب بہتر ہے سر!۔۔۔“

”اچھا ٹیکس ہے۔۔۔ ابھی تم آرام تو کر دو، آئی مین، شامی سے کہو جس میں گھر چھوڑ دے۔“

علی احمد نے کہہ کر فون بند کر دیا تو وہ ناراضی سے اسے دیکھنے لگی۔

”کیا ہوا۔۔۔؟“

”آپ کے ڈیڈ کہہ رہے ہیں، مجھے میرے گھر چھوڑ دیں۔“

”اے!۔۔۔ ابھی بات ہے۔“

وہ ہنساتا تھا۔

☆ ☆ ☆

کانیکو کو شہر پر غصہ آ رہا تھا کہ اس سے تو بات نہیں کرتا اور باپ سے ملنے چلا گیا۔ مڑے پوچھنا تو وہ کنارہ

تیا کر بھی نہیں گیا۔

”ابا ٹیکس کہتے ہیں، اپنے باپ چچا پر گیا ہے۔“

وہ بڑی کاٹنے ہوئے سوچ رہی تھی کہ شوٹی آکر اس کے سامنے بیٹھ گیا اور دو ستانہ انداز میں بولا۔

”لائیے خالہ! میں کاٹ دوں۔“

”نہیں! ابس رہنے دو۔ میں کاٹ تو رہی ہوں۔“

وہ اس کی طرف دیکھ کر بغیر بولی تھی۔

”چلیں، میں مڑ چیل دیتا ہوں۔“

شوٹی سبزی کی باسکٹ اپنی طرف کھینچ کر مڑ چلی۔ جبکہ نظریں طاقہ پر تھیں، جو خود کو بہت مصروف ظاہر

کر رہی تھی۔

”خالہ! آپ مجھ سے ناراض ہیں کیا۔؟“

شوٹی نے پوچھا تو اس نے انحصار سے کام لیا۔

”نہیں۔۔۔۔۔“

”پھر مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہی؟“

”کیا بات کر دوں۔۔۔؟ تم سننے ہو کوئی بات۔؟“

وہ ٹٹکی ہوئی۔

”کیوں نہیں سنتا۔؟ سب سنوں گا، آپ کہیں تو۔۔۔۔۔“

”کیا کہوں۔۔۔؟ تم تاؤ، کیا سنتا چاہتے ہو۔۔۔۔۔“

وہ براہ راست شوٹی کو دیکھنے لگی۔

”دی بات جس پر آپ کو غصہ رہا ہے، لیکن آپ ظاہر نہیں کر رہی ہیں۔“

شوٹی نے کہا تو دوسرے جھک کر بولی۔

”فضول باتیں نہ کر۔ کام کا وقت ہے، مجھے کام کرنے دو۔ ابھی اب آ جائیں گے، مکھانہ میں کھاؤ گا۔“

بھوکے سو جائیں گے۔“

شوٹی کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، پھر پوچھنے لگا۔

”آپ اس لئے ناراض ہیں خالہ۔۔۔! کہ میں ابو کے پاس گیا تھا۔؟“

وہ کچھ نہیں بولی، بڑی کی باسکٹ اٹھا کر کچن میں آئی تو شوٹی اس کے پیچھے چلا آیا۔

”جائیں خالہ۔۔۔! اگر آپ نہیں چاہتیں تو صبح کر دیں، میں آئندہ ابو سے نہیں ملوں گا۔“

”کیوں۔۔۔؟ میں کیوں صبح کر دوں۔۔۔؟“

وہ ٹٹک کر بولی تھی۔

”آپ منع کر سکتی ہیں مجھے، کیونکہ آپ میرے لئے میری ماں سے بڑھ کر ہیں۔ میں جج کہہ رہا ہوں

خالہ!۔۔۔! میرے لئے پہلے آپ اور نانا بابا ہیں۔ میں ہوش منہا لے کے پہلے ہی آپ کی گود میں آ گیا تھا، تو کیا آپ

کو اپنی بات پر پھر روکتی ہیں۔؟“

شوٹی جذباتی ہو گیا تھا تو اس نے بچا تھا یا اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

”شوٹی۔۔۔۔۔!“

”میں آپ کا بیٹا ہوں خالہ۔۔۔! آپ نہیں چاہتیں تو میں پھر ابا سے کبھی نہیں ملوں گا۔“

”اور نہیں بیٹا۔۔۔! میں کیوں نہیں چاہوں گی۔؟ خون کے رشتے کبھی کبھی ٹوٹتے ہیں بھلا۔۔۔؟ تم

اپنے ابو سے ضرور ملو، لیکن پہلے اپنے نانا بابا سے پوچھ لو۔ ان کا مان بڑھ جائے گا۔“

اس نے کہا تو شوٹی پوچھنے لگا۔

”نانا بابا منع تو نہیں کریں گے۔؟“

”نہیں۔۔۔! وہ کیوں منع کریں گے۔؟“

”ابھی چلیں، اب آپ اندر نہیں، مجھے آپ سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔“

شوٹی یک دم مشتاق ہو گیا تھا۔

”ہاں۔۔۔! تم چلو، میں کھانا بنا کر آتی ہوں۔“

”جلدی آجئے گا۔“

شوٹی کہہ کر کچن سے نکل گیا تو اس نے جلدی سے سبزی چڑھا دی اور ساتھ ساتھ روٹیاں بھی ڈال لیں۔

پھر خوبصورت صاحب کے آتے ہی دسترو خان بچھا دیا۔ خوبصورت صاحب کے ساتھ شوٹی بھی اچھا دھو کر دسترو خان پر آکر بیٹھا تو

دیکھنے لگی۔

”ابا! شوٹی امتحان دے لے، پھر راجہ سے ملنے ڈیٹ جائے گا۔“

”یہ تم کہہ رہی ہو یا شوٹی۔۔۔؟“

خوبصورت صاحب پوچھتے ہوئے باری باری دونوں کو دیکھنے لگے۔

”ایک بات یہ ہے نانا بابا۔۔۔! خالہ چاہتی ہیں، میں اسی سے مل اؤں تو مل آؤں گا۔“

شوٹی نے کہا تو خوبصورت صاحب قہقہے سے ہلے تھے۔

”یقیناً تمہارا ابا دل نہیں چاہتا اس سے ملنے کو۔؟“

”چاہتا ہے نانا بابا۔۔۔! ابھی یہ ہے کہ میں آپ سے ڈر نہیں ہونا چاہتا۔ آپ کہہ دیجئے گا اسی سے، مجھے

زیادہ دوا اپنے پاس نہ رکھیں۔“

شوٹی نے اعتراف کے ساتھ کہا۔

”ہاں ہاں۔۔۔! ارادہ تمہیں مجھو نہیں کرے گی، جتنے دل تم ہو سکے۔“



جانیو رابوئی، جب ہی مشعال نے اس سلام کیا تو شوبی نے اسے دیکھتے ہوئے قہقہے کا اظہار کیا۔

"ارے...! آج تم جلدی آگئی؟"

"ہاں بس...!"

مشعال کا کسی سے بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

"کیا ہوا بیٹا...؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری؟"

ثانیہ اسے دیکھتے ہی قہقہے میں مبتلا ہو گئی۔

"جی امی...! بس صبح سے سر میں درد تھا، کوئی کام ہی نہیں ہوسکا، جب ہی آگئی۔"

"اچھا آؤ، کھانا کھاؤ۔"

"ابھی بھوک نہیں ہے، پہلے تھوڑی دیر سوؤں گی۔"

مشعال کہتے ہوئے کمرے میں چلی گئی تو ثانیہ پریشانی سے خوب صاحبہ کو دیکھنے لگی۔

"دیکھو، کیا بات ہے...؟"

خوبصاحبہ نے کہا تو شوبی بول پڑا۔

"اروہ...! پہلے خالہ کو کھانا تو کھانے دیں۔"

"بس...! میں نے کھالیا۔"

وہ کہتے ہوئے اٹھ کر کمرے میں آئی اور مشعال کو بٹھے میں منہ چھپائے لیٹے دیکھ کر حیرت پریشان ہو گئی۔

"مشعال...! کیا بات ہے بیٹا...؟ کیا زیادہ درد رہا ہے۔؟"

"ہوں۔۔۔!"

"تو بیٹا...! ٹیبلٹ لے لو، چائے بنا دوں۔؟"

ثانیہ نے اس کے منہ پر سے ٹکڑے بنا کر پوچھا تو وہ تنگ پڑ کر بولی۔

"نہیں امی...! میں نے آفس میں چائے کے ساتھ ٹیبلٹ لے لی تھی۔"

"چلو، پھر سو جاؤ، تھوڑی دیر سو لیٹو تو درد میں آرام آ جائے گا۔"

ثانیہ نے جبکہ کمرے کی پریشانی چری دیکھ رہی تھی کہ مشعال نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں امی...؟ میرے پاس بیٹھ جائیں ناں۔"

وہ دراصل مسکرائی، پھر بیٹھ کر مشعال کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ مشعال نے انھیں بند کر

لیں۔

"مشعال...!"

قدروے ڈک کر کسی خیال کے تحت اس نے مشعال کو پکارا تھا۔

"جی امی...؟"

"بیٹا...! تمہیں آفس میں کوئی پرابلم تو نہیں ہے ناں۔؟"

وہ نے پوچھا تو مشعال اُٹا پوچھنے لگی۔

"کیسی پرابلم امی...؟"

"بھئی ٹو کیوں کہہ رہی ہے، کوئی ٹھک کرے تو۔۔۔"

وہ مشعال کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

"نہیں امی...! مجھے کوئی ٹھک نہیں کرتا، بلکہ کسی کو بھی کوئی ٹھک نہیں کرتا۔ آفس کا ماحول بہت اچھا

ہے۔ سب لڑکیاں بہت خوش ہیں۔"

مشعال نے بتایا تو وہ اور لڑکیوں کا سر کر اطمینان سے ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

اسے جب سے سارہ نے یہ بتایا تھا کہ اس کے لئے ایک درد بہت اچھے پر پزل آتے ہیں تو وہ بہت

پریشان ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ بھی کبہر ہی تھی کہ اس کی مراد زیادہ انتظار نہیں کر سکتیں، اس لئے وہ ان پر پزل پر فور

کر رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے فون پر وہ پھر یہی باتیں کر رہی تھی۔ اس کا وہاں حکم کیا تھا، جب ہی سیل آف کرتے

ہی اور وہاں سے کسے پاس آ کر پوچھنے لگا۔

"ممی...! آپ نے ڈیڑی سے سارہ کی بات کی تھی۔؟"

"نہیں بیٹا...! ابھی میں ان کا سوڈا کچھ دے رہی ہوں۔ کچھ دلوں سے کافی آپ سیٹ لگ رہے ہیں۔ سنا ہے

کوئی آپشنل پرابلم ہو۔"

زہرہ نے سہانہ آواز کی تھی، وہ حرج مگیا۔

"آفس میں کوئی پرابلم نہیں ہے۔۔۔! اسب ٹھیک چل رہا ہے۔"

"جیسے کیا پتا، آفس میں کتنے کسے ہو۔؟ تمہارے ڈیڑی بتا رہے تھے، زیادہ آفس میں بیٹھے ہو،

پھر کہیں صاحبہ ہو جاتے ہو۔ کہاں جاتے ہو۔؟"

زہرہ نے جتنا کہہ دئے ہوئے چھا۔

"کہاں جاؤں گا۔؟ آفس ہی کے کام سے جانا ہوتا ہے۔ ڈیڑی کو سب پتا ہے۔ خیر...! آپ یہ

باتیں آپ کو میری شادی کرنی ہے کہ نہیں۔؟"

اس کی کہت پھر ہی زہرہ یہی جہیز ہو کر بولی۔

"کیوں نہیں؟ میں تو آج ہی تمہاری شادی کرنے کو تیار ہوں، تم ہی سمجھو نہیں ہوتے۔"

”میں تجھ کو نہیں ہوتا۔۔۔؟ آپ کہنا کیا چاہتی ہیں گی؟“  
وہ جھنجھاکر بولا تھا۔

”میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم پہلے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو۔ تمہارے ڈیڑھی تہہاری شادی پر ہی ہفت  
رہا مند ہوں گے جب انہیں آفس میں تہہاری کارکردگی نظر آئے گی۔“  
زوبہ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”آئی ایم سوری می۔۔۔! میں ڈیڑھی کے معیار پر شاید کبھی پورا نہیں آ سکتا۔“  
”کیوں نہیں۔۔۔؟ کم کوشش تو کرو۔ ابھی بھی دیکھو تمہیں ذرا احساس نہیں کہ تم آفس سے لیت ہو رہے  
ہو۔ تمہارے ڈیڑھی کب کے جا چکے ہیں۔“

زوبہ نے اسے احساس دلانے کی کوشش کی تو وہ ناراضی سے سر جھٹک کر باہر نکل آیا۔ اس کا مودو مزید  
خراب ہو گیا تھا۔ آفس جانے کا بالکل بل نہیں چاہا لیکن اب اس کے ڈیڑھی کچھ زیادہ جرجر کرنے لگے تھے۔ پھر  
سارہ کو پانے کے لئے اسے کچھ تو کرنا ہی تھا۔ اندر ہی اندر تھلا تے ہوئے وہ بیگلی اسپینر کے گاڑی ڈرائیور کو روک رہا تھا کہ  
ایک جگہ اسٹاپ پر مشعال کو کھڑے کر دیکھ کر اس نے گاڑی اس کے قریب روک دی اور شیشہ کرا کر اسے نام سے پکارا تو  
وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

”آئیے۔۔۔! میں آفس ہی جا رہا ہوں۔“  
اس نے کہا تو وہ شش و پنج میں اسے دھڑا دھڑا دیکھنے لگی۔  
”کم آن کرل۔۔۔!“

اس نے پھر کہا جب وہ جیسے مجبوراً بیٹھی تھی۔

”آپ آفس ہی جا رہی ہیں ناں۔۔۔؟“

اس نے کسی خیال کے تحت پوچھا تھا۔

”جی سر۔۔۔! آج میں کچھ لیٹ ہو گئی ہوں۔“

وہ لیٹ ہونے پر عافیت تھی۔

”ہوتا ہے کبھی کبھی۔۔۔!“

اس نے سبے نیازی سے کہہ کر گاڑی کی اسپینر پر عادی اور دوسرے منٹ میں ہی آفس نکلی گیا۔ مشعال قصداً  
اس سے دو قدم پیچھے چل رہی تھی۔ اس نے دھیان نہیں دیا، بلکہ لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے وہ تقریباً اسے بھول ہی  
گیا تھا۔ وہ تو جب مشعال نے اچانک اس کا بازو تھما، جب وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا، لیکن مشعال اس کی طرف  
متوجہ نہیں تھی۔ اس کا دھیان نہ جانے کہاں تھا، اور نہ جانے کیا ہوا تھا اسے، اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ جبکہ  
اس کے بازو پر مشعال کے ہاتھ کی گرفت سخت زور پر تھی۔ اس کے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے وہ عجیب سے احساس میں

گہر مچا رہے اختیار یا اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔  
”کیا بات ہے مشعال۔۔۔؟“

”سر۔۔۔!“

”وہ چونک کر اسی قدر بولی تھی کہ لفٹ رکنے پر دروازہ کھلتے ہی دوسرے افراد باہر نکلتے تو وہ بے چین ہو کر  
بھاگ رہی تھی۔“

”ریکس۔۔۔!“

”وہ اس کا ہاتھ تمام کر لفٹ سے لگا تو اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھنے لگا لیکن کچھ نہیں پایا کہ وہ اسے  
دیکھ کر حواس کھوری تھی۔ تب اس نے پوچھنے لگا۔“

”کیا بات ہے۔۔۔؟ آپ کسے دیکھ کر پریشان ہو رہی ہیں۔۔۔؟“

”جی۔۔۔۔۔“

”مشعال! کبھی میں نہیں آیا کیا کہیے۔۔۔؟“

”سوری۔۔۔! اگر آپ بتانا نہیں چاہتیں تو۔۔۔“

اس نے کندھے اچکائے تو وہ خود پر کا پوچھنے لگی۔

”یہ بات نہیں ہے سر۔۔۔! اصل میں میں خوش نہیں جانتی، یا شاید جانتی ہوں، یا شاید نہیں۔“

”یا شاید جانا چاہتی ہیں۔“

اس نے کہا تو وہ ہانچی میں بولی۔

”جی۔۔۔!“

”ہوتا ہے کبھی کبھی ایسا، کسی کو دیکھ کر لگتا ہے جیسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے، لیکن یہ یاد نہیں آتا کہ کہاں  
دیکھا ہے۔۔۔؟ تو ایسے میں بندہ مشتعل الجھتا رہتا ہے، ہے ناں۔۔۔؟“

اس نے آخر میں تصدیق چاہی تو وہ نظریں جھکا کر بولی۔

”جی۔۔۔!“

”جیسیں آپ دوم میں جائیں، میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔“

”کہہ کر واپس لفٹ میں داخل ہو گیا تھا۔“

☆ ☆ ☆

”وہ دنیاں حسن تھے جنہیں دیکھ کر مشعال حواسوں میں نہیں رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے

پاپا کو اتنے قریب سے دیکھ رہی ہے، اور اس کا دل جا بٹھا کر دو انہیں پکارے، پھر انہیں بتائے کہ وہ ان کی بیٹی ہے۔ لیکن اتنے لوگوں کے بیچ تماشہ بننے کے خیال سے ہی خود کو روکنے کی سعی میں دو بجائے اور شامان کا بازو تھام گئی مگر، اور اسے احساس نہیں تھا۔ جبکہ شامان اپنی کوا چاک اس کا احساس ہوا تھا۔ ایسا احساس جو اس کے اندر کی دنیا تہہ ہلا کر رکھ گیا تھا۔ ایسا تو اس نے سارو کی رفاقت میں بھی محسوس نہیں کیا تھا۔

بہر حال اپنی سیٹ پر آکر بھی مشعل کم سمجھی۔ بظاہر کمپوزنگ میں پر نظر میں جمائے، لیکن اس کا ذہن دانیال جن کو سوچ رہا تھا۔ جب ہی شامان اپنی کوا سے آئے گا تو پتا نہیں چلا تھا۔ دو تو جب سو بائیں کی نوں کی، تب اس نے چونک کر شامان کو دیکھا۔ شامان اپنی جگہ کم سمجھا تھا۔

”سر.....! آپ کا فون!“

اس نے کہا تو دو چونک کر پوچھنے لگا۔

”مجھ سے کچھ کہا؟“

”جی سر.....! آپ کا فون بیج رہا ہے۔“

اس نے اس کے سو بائیں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”اوو.....!“

شامان نے سو بائیں اٹھا کر دیکھا، لیکن کال ریسیو نہیں کی۔ نوں بند ہو گئی، جب سو بائیں رکھ کر ایک فائل اٹھا لی اور اسے چیک کر کے اسے پکار کر بولا۔

”مشعل.....! یہ فائل پاس سے سائن کر دے اسے سلیم صاحب کو بھجوا دیں۔“

”جی.....!“

دو اندھ کھڑی ہوئی اور اس سے فائل لے کر علی احمد کے کمرے میں داخل ہوئے ہی ترک ہو گئی۔ سامنے دانیال حسن، علی احمد سے ہاتھ ملاتے ہوئے کھڑے تھے۔

”اچھا یار.....! میں چلتا ہوں۔“

”اوکے.....! رات میں گھر پر ملاقات ہوگی۔“

”اچھی بات ہے.....!“

دانیال حسن مسکرائے، پھر اس کے قریب سے نکل کر چلے گئے۔ دو اپنی جگہ ساکت کھڑی رہ گئی۔

”آجے مس مشعل.....!“

علی احمد نے اسے مخاطب کیا جب دو چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

”اوسے.....!“

علی احمد اپنی سیٹ پر بیٹھتی ہی بھل کر رکھا سو بائیں دیکھ کر کہنے لگے۔

”یہ شاید دانیال کا ہے۔“

”جی.....؟“

دو جھنجھکی نہیں۔

”ابھی جی صاحب یہاں سے گئے ہیں، جاؤ یہ انہیں دے دو۔“

علی احمد نے سو بائیں اس کی طرف بڑھا کر کہا تو اس کے اندر جیسے بجلی دوڑ گئی۔ فوراً سو بائیں لے کر روم سے اُٹھ کر لابی میں آئے ہی اچانک کسی خیال کے تحت دانیال حسن کے سو بائیں سے اپنے سو بائیں پر تیل دی، پھر میزری سے ان کے پیچھے جا کر پکارا تھا۔

”سر.....!“

دانیال حسن نے پلٹ کر دیکھا تو اس نے سو بائیں ان کی طرف بڑھا دیا۔

”سر.....! آپ کا سیل فون۔“

”او جھنجھکی.....؟“

دانیال حسن سو بائیں لے کر دروازہ مسکرائے تھے۔ دو انہیں جہاں تک دیکھ سکتی تھی، دو دیکھتی رہی۔ پھر واپس اپنے روم میں آئی تو پہلے ان کا نمبر سیکرٹ تھا اور اس روز گھر پہنچنے پر جب دوسرے کے لئے لیٹلی تو ٹائیپ کا ہاتھ تھام کر لاؤ سے بولی تھی۔

”اکی.....! مجھے میرے پاپا کے بارے میں بتائیں۔“

ٹائیپ نے ایک دم اسے دیکھا تو دو اس کا ہاتھ اپنے گال پر رکھ کر مزید گنجائش سے بولی تھی۔

”بتائیں ناں ای.....! میں ان کے بارے میں جانتا چاہتی ہوں۔ مجھے بتائیں دو کہاں ہیں.....؟“

”بتائیں جیتا.....! میں نہیں جانتی۔ مجھے ان کی کوئی خبر نہیں ہے۔“

ٹائیپ نے گہری سانس سمجھنے ہوئے کہا تو دو پوچھنے لگی۔

”اور انہیں خبر ہے کہ ہم کہاں ہیں.....؟“

ٹائیپ سوچے انداز میں لٹی میں سر ہلانے لگی۔

”اچھا.....؟ آپ مجھے شرم سے بتائیں، دیکھا ہوا تھا.....؟“

دو جھنجھکی۔

”بس جیتا.....؟ ہم دونوں دشمن کی سازش کا شکار ہو گئے۔ میں تو سمجھ رہی تھی، لیکن تمہارے پاپا انہیں

مجھے، اور پتا نہیں اب بھی مجھوں کے کہیں.....؟“

ٹائیپ کے زخم تازہ ہو گئے تھے۔

”دشمن کون تھے.....؟“

ٹانے کے چہرے پر کرب چھینا دیکھ کر اس نے غریب فیض لیں پوچھی۔

”وہ سن کر فیض اپنے ہی تھے جن پر تمہارے پاپا کو بہت مان تھا۔ ہاں کا وجہ دیتے تھے وہ اپنی بھانجی کو۔ وہ جو کبھی جس دوسری دنیا وال کے لئے حرف آخر ہوتا تھا، اور انہوں نے ہی اپنی بہن سدا کو دنیا ل کی زندگی میں شامل کرنے کے لئے مجھے اپنی ٹکی زندگی سے نکال دیا تھا۔“

ٹانے نے بتایا تو وہ شاکہ ہو کر پوچھنے لگی۔

”تو کیا پاپا نے ان کی بہن سے شادی کر لی تھی؟“

”ہاں۔۔۔۔۔ آخری بار جب میں نے فون کیا تھا تو سیرا بھائی نے بتایا تھا کہ دنیا ل شادی کر کے مل کے ساتھ باہر چلے گئے تھے۔“

ٹانے کی آواز بول بولی تھی۔

”پھر۔۔۔۔۔ پھر رو آئے نہیں۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے، اچھے برس بیت گئے، دوسراں میں کبھی تو آتے ہوں گے۔۔۔۔۔“

”چاہئیں۔۔۔۔۔ آئے بھی ہوں تو ہمیں نہیں معلوم۔“

ٹانے کا انداز کھویا ہوا تھا۔ اس نے اپنے اندر اٹھتے غریب سوا لوں پر بند باندھ کر پھینک بند کر لیں۔

☆ ☆ ☆

شولی اپنے ابو سے گاڑی لے آیا تھا اور اس وقت کہیں جانے کو تیار ہو کر خود کو اپنے میں دیکھ رہا تھا کہ روٹی آدھی طوفان کی طرح اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھنے لگی۔

”شولی۔۔۔۔۔ اساتے تم ذہنی ہمارے ہو۔۔۔۔۔؟“

”ٹھیک سا ہے تم نے۔“

وہ آہستہ میں اسے دیکھ کر بے نیازی سے بولا تھا۔

”کیوں۔۔۔۔۔؟ میرا مطلب ہے، کہتے ہوں کہ لے۔۔۔۔۔؟“

روٹی ہمیشہ سے اس پر اپنا حق سمجھتی تھی۔

”ہمیشہ کے لئے ہمارے ہاں، تا کہ تم سے جان چھوٹ جائے۔“

وہ اس کی طرف گھوم کر بولا۔

”اچھے ہی ماں چھوٹ جائے۔ میں تمہاری جان چھوڑنے والی نہیں ہوں۔ ذہنی تو یہ کھڑا ہے، تم اگر ماں

کے آخری کوئے میں بھی جاؤ گے تو میں وہاں بھی بیٹھ جاؤں گی۔ کیجئے سر شولی۔۔۔۔۔؟“

روٹی نے ایک سانس میں بول کر اسے چڑایا تو وہ ٹکی میں سر ہلانے لگی۔

”میں۔۔۔۔۔ اچھے تمہاری بھینس آتی۔“

”تم مجھے کی خوشی ہی نہیں کرتے۔“

روٹی ایک دم جذباتی ہو گئی تھی۔

”کوئی اتنی مشکل تو نہیں ہوں میں۔ تم اکاؤنٹنگ میں سر کھاتے ہو۔ سیدھا سادہ ایسٹائنس کا سوال

تمہاری سمجھ میں نہیں آتا، حیرت ہے۔“

”میرے تو مجھے بھی ہے کہ آخر جنہیں مجھ میں کیا نظر آتا ہے۔۔۔۔۔؟ میں پھر اسٹاک اکاؤنٹنگ۔“

”اب میں کیا کروں۔۔۔۔۔؟ مجھے تمہارا اکاؤنٹنگ ہی اچھا لگتا ہے۔“

وہ بے ساختہ بولی تھی۔

”اچھا۔۔۔۔۔؟“

وہ اپنی گدی کھانے لگی۔ ہونٹوں میں محسوس کی جانے والی سکراہٹ دہلی تھی۔

”ہاں۔۔۔۔۔! اور یہ تم اسے بن نہیں کر کہاں ہمارے ہو۔۔۔۔۔؟“

روٹی نے پوچھا تو وہ نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے ہوئے پوچھنے لگی۔

”پٹو کی۔۔۔۔۔؟“

”کہاں۔۔۔۔۔؟“

روٹی نے فوراً پوچھا تو وہ اٹھ کر بولا۔

”سوال جواب نہیں دینا ہے تو چلو نہیں تو میں مارا ہوں۔“

”ایک منٹ۔۔۔۔۔! میں اسی سے کہہ آؤں۔“

وہ غلط میں بھاگی تھی اور وہ ٹانے سے کہہ کر باہر نکل آیا۔ کچھ دیر بعد روٹی آئی تو اسے گاڑی میں بیٹھنے دیکھ

کر حیرت میں گھر گئی۔

”اب جلدی بیٹھو۔“

اس نے روٹی کی طرف اشارہ کر دیا تو وہ کھول کر کہا تو وہ بیٹھنے ہی پوچھنے لگی۔

”یہ گاڑی کس کی ہے۔۔۔۔۔؟“

”اپنی ہے۔“

اس کی بے نیازی پر وہ تنک کر بولی۔

”اپنی سے مطلب۔۔۔۔۔؟“

”مطلب میرے باپ کی ہے۔ باپ کی چیز اپنی ہی ہوتی ہے، کبھی۔۔۔۔۔؟“

اس نے کچھ ہی اسپینے سے گاڑی آگے بڑھائی تھی۔



اس وقت وہ ان کا نمبر دیکھتے ہوئے اسی شش درج میں جلیبی تھی۔ شہمان ابھی آفس نہیں آیا تھا۔ اس نے ایک نظر اس کی خالی جینز کو دیکھا، پھر ایک دم دانیال حسن کا نمبر پیش کر کے تنکلی فون کا ن سے لگا لیا۔ دوسری طرف تیل جاری تھی۔ پھر ان کی آواز ابھری تھی۔

"ہیلو۔۔۔!"

"ہیلو۔۔۔!"

اس کے ہونٹوں نے سب سے آواز نہیں کی تھی۔

"ہیلو۔۔۔! ہیلو۔۔۔!"

دانیال حسن موجود کر رہے تھے۔ اس نے گھبرا کر لاک کاٹ دی۔ اسے اپنے چہرے سے بھاپ نکل رہی تھی۔ محسوس ہو رہی تھی کہ جبکہ ہاتھ ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ کچھ دیر ٹھنڈے ہاتھوں سے چہرہ دھو چکانے کے بعد اس نے دوبارہ انہیں کال کی تھی۔

"ہیلو۔۔۔!"

ان کی آواز سننے سے وہ بول پڑی۔

"مشعال بات کر رہی ہوں۔"

"جی ہاں بی بی! آپ نے شاید راجہ نمبر ڈائل کیا ہے۔"

انہوں نے کہا تو وہ ان کے سلیبے ہوئے سلیبے میں کھوکھو کر گیا ہوئی۔

"جی نہیں۔۔۔ اچھے دانیال حسن صاحب سے بات کرنی ہے اور یقیناً وہ آپ ہی ہیں۔"

"جی ہاں۔۔۔ میں ہی دانیال حسن ہوں۔ کہئے۔۔۔!"

انہوں نے اس کی بات آپک کر کہا تو وہ سنبھل کر کہنے لگی۔

"میرا نام مشعال ہے، مشعال حسن، اور میرے دلہیت کے خانے میں آپ کا نام لکھا جاتا ہے، یعنی دانیال حسن۔ کتنی عجیب بات ہے، جس شخص کو میں نے دیکھا نہیں، جسے میں جانتی نہیں، اس کے نام کے بغیر میرا تعارف ہی مکمل نہیں ہوتا۔"

"آپ۔۔۔ ج۔۔۔"

اور دانیال حسن قانگڑاٹے میں تھے۔

"کیا نام بتائی تم نے اپنا۔۔۔؟"

"مشعال۔۔۔!"

اس نے نام بتانے کے ساتھ ہی تیل فون آف کر دیا۔ اس کا دل بڑی زور زور سے ہرک رہا تھا۔ ایک ساتھ متعادل کیفیات تھیں۔ اس نے سر جھٹک کر اپنی نظریں کھینچ کر اس کے پردہ میں دیکھا۔ لیکن کچھ سمجھ نہیں آیا تو دونوں

ہاتھوں میں سر قدام کیا۔ جب ہی ملازم نے آکر اس کا کچ دیا تو وہ بمشکل خود پکڑ پکڑا کر اس کے دم میں آئی تو وہ جیسے اس کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ دیکھتے ہی بولے۔

"آؤ مشعال!۔۔۔! بیٹو۔۔۔"

"جی۔۔۔!"

وہ سامنے بیٹھ کر شکر نظر ملے سے انہیں دیکھنے لگی۔

"ہاں۔۔۔! اب بتاؤ، کیا رپورٹ ہے۔۔۔؟ آئی مین، شہمان کے معاملے میں تم نے اب تک کیا

کیا۔۔۔؟"

انہوں نے پوچھا تو وہ جزیرہ ہو کر بولی۔

"آئی ایم سوری سر۔۔۔! کسی کے پرنٹل میں زبردستی ایلو الو ہونا عجیب بھی ہے اور مشکل بھی، کچھ دقت

گئے گا۔"

"ہوں۔۔۔!"

علی احمد بڑا سوچ انداز میں اسے دیکھنے لگے۔

"سر۔۔۔! کیا اس کے بعد میری جاب ختم ہو جائے گی۔۔۔؟"

اس نے پوچھا تو وہ چمک کر بولے۔

"نہیں۔۔۔! انتہائی جاب کیوں ختم ہوگی۔۔۔؟ بلکہ میں تمہیں پرست کر دوں گا۔ آفس کا کام تو تم کافی

حد تک سمجھتی ہو۔"

"جی۔۔۔!"

"اچھا۔۔۔! یہ بتاؤ تمہارے ساتھ کیا پرابلم ہے۔۔۔؟"

انہوں نے پوچھا۔

"جی۔۔۔؟"

"کبھی نہیں۔"

"میرا مطلب ہے گھر میں تمہارے والد کیا کرتے ہیں۔۔۔؟"

ان کی وضاحت پر اس کا دل چاہا، انہیں بتانے کے اس روز جو دانیال حسن ان کے آفس آئے تھے وہ ان

کی بی بی ہے، اور پھر ان سے دانیال حسن کے بارے میں پوچھے۔ لیکن اس کے بعد اپنی پوزیشن سوچ کر وہ ان کی سر بلا

کر بولی تھی۔

"جانتی نہیں سر۔۔۔! میں نے اپنے والد کو نہیں دیکھا۔ میری بہائش سے پہلے ہی وہ دوسری شادی کر کے

باہر چلے گئے تھے۔"

"اوہ.....! اور کتنے بہن بھائی ہیں تمہارے۔؟"

انہوں نے افسوس کے اظہار کے ساتھ پوچھا۔

"کوئی نہیں سر۔!"

سیدھا سا جواب تھا علی احمد کچھ دیر اُسے دیکھتے رہے، پھر کہنے لگے۔

"تم بہت بہادر لڑکی ہو، یقیناً اپنی اسی طرح۔ میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں کسی کی مدد کی ضرورت پڑ سکتی

ہے۔ لیکن اگر کبھی ایسا ہوتا تو بلا جھجک مجھ سے کہہ دیتا۔"

"جھجک ہو.....!"

وو قصد اسکرانی تھی۔

پورا اس شام گھر آتے ہی دو الماری میں سے دانیال حسن کی تصویر نکال کر دیکھنے لگی۔ ان سے بات

کرنے کے بعد اب اس کا دل ان سے ملنے کو چھلنے لگا تھا۔ تصویر میں جس طرح دانیال اور ثانیہ کے چروں پر

مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ ایسے ہی وہ بھی مسکرا نے گی کہ چاک ٹائی کی پکڑ پر اس نے بوکھلا کر الماری تو بند کر دی،

لیکن تصویر ہاتھ میں روٹھی۔

"یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے.....؟"

ثانیہ نے یوں ہی پوچھا تھا۔

"یہ..... میں..... یہ دیکھ رہی تھی۔"

اس نے تصویر دکھائی تو ثانیہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

"اصل میں ای.....! میں نے ابھی کچھ دن پہلے ایسا ہی چرو دیکھا تھا۔ شاید یہی تھے۔"

اس کی توجہ پر ثانیہ نے سر ہلچلے میں پوچھا تھا۔

"کہاں دیکھا تھا.....؟"

"بیمز میں، میرا مطلب ہے، آفس جاتے ہوئے لوگوں کی بیکل میں نظر آئے تھے۔"

"اس کا مطلب ہے دانیال نہیں ہیں.....؟"

ثانیہ کی خوشگلی سن کر اس نے فوراً غے نازی کا لہاو اوڑھ لیا۔

"کہیں بھی ہوں، ہمیں کیا.....؟ کوئی فرق نہیں پڑتا میں امی۔۔۔! دو اگر اپنی دنیا میں خوش ہیں تو ہم

بھی سکون سے ہیں۔ اسے برسوں میں انہیں اگر ہمارا خیال نہیں آیا تو ہم کیوں پروا کر س.....؟"

"کیا واقعی تمہیں پروا نہیں ہے.....؟ کیا تمہارا دل نہیں جانتا ہے باپ سے ملنے کو.....؟"

ثانیہ نے ایک دم اس پر گرفت کی تھی۔ وہ ڈھسکی۔

"امی!"

ثانیہ کے سینے میں منہ چھپا کر دوسک رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

اسے جب ثانیہ کے سونے کا یقین ہو گیا جب وہ بہت احتیاط سے ابھی تھی اور وہ پاؤں کمرے سے نکل کر شوٹی کے کمرے میں جھانکا اور اسے اسٹری ٹیبل پر بیٹھے دیکھ کر اندر داخل ہوئی تو آہٹ پر شوٹی نے چونک کر اسے دیکھنے ہوئے پوچھا۔

"کیا بات ہے.....؟"

"وو..... تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

اس نے کہا تو شوٹی اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا بات.....؟"

"میلے وعدہ کر دو تم امی سے نہیں کہو گے۔"

اس کی بات پر شوٹی مسکونک ہو گیا۔

"ہیں.....؟ ایسی کیا بات ہے جو تم خالہ سے چھپا رہی ہو.....؟"

"ہں.....! ہے ایک بات، تم وعدہ کرو ناں.....!"

وہ زور سے شوٹی کی ٹانگی میں سر ہلانے لگا۔

"پہلے بات بتاؤ.....!"

"شوٹی.....! اچھا تمہیں میری قسم کسی کو مت بتانا۔"

"اچھا جس کیوں پھیلا رہی ہو.....؟ میں خالہ کو بلا تا ہوں، خا....."

شوٹی نے منہ کھولا تھا کہ وہ اس کے بازو پر منگا کر بولی۔

"پاگل ہو گئے ہو.....؟ سوری ہو امی۔"

"اور نا نا.....؟"

"وہ بھی سارے ہیں۔"

"تو پھر جاؤ صبح بات کریں گے۔"

شوٹی واپس ٹیبل پر جا بیٹھا۔

"نہیں.....! میں ابھی بات کر رہی کی، ورنہ مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

وہ جارحانہ انداز میں شوٹی کے پاس آئی تو وہ دونوں بازو پیٹے پر باندھ کر بولا۔

"جو کہتا ہے، جلدی کہو.....!"

"وہ بات یہ ہے کہ میں نے اپنے بپا کو دیکھا ہے۔"  
اور دانی سے شروع ہو گئی۔

"بہت قریب سے دیکھا ہے اور مجھ ان کا نہیں بھی مل گیا تھا، پھر میں نے انہیں خون بھی کیا تھا، لیکن ان کی بات نہیں سنی۔"

"پھر؟"

"پھر تم تار، میں کیا کروں؟"

"وہ اچھی تھی اور اس کی انہیں سمجھتے ہوئے ہی منوں کیسے لگا۔"

"گنا کیا ہے؟ اگر تہہ داروں اپنے پیاسے لٹے کا چاہتا ہے تو ضرور ملے۔"

"دل تو چاہتا ہے شوبی۔ لیکن میرے اندر یہ خوف بھی ہے کہ ان کے دوسرے بچوں کے سامنے میں

نظر انداز ہو جاؤں گی۔ تب مجھے ڈرنا ہو گا۔"

"وہ آزدگی میں گھر گئی تھی۔"

"تو پھر انتظار کرو۔ میرا مطلب ہے، اگر انہیں تم سے ملنے کی ترپ ہوگی تو وہ خود تہہ دارے پاس آئیں گے۔"

شوبی نے کہا تو وہ کسی سے پوچھنے لگی۔

"کیسے آئیں گے؟ انہیں تو بتا ہی نہیں ہے کہ ہم کہاں رہتے ہیں؟"

"یہ بتا کر ان کا کام ہے۔ ان کی گن بھی ہوگی تو وہ ضرور تم تک پہنچ جائیں گے، ابھی؟"

شوبی نے دھیرے سے کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

"چلو اب جاؤ، خود ہی سوچاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔"

شوبی کہنے کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے دروازے تک لے آیا تو وہ وہاں ہی ہو گئی۔

"جاؤ شاہزادہ!..."

مزید شوبی نے اسے پکارتے ہوئے دروازہ بند کر دیا تھا۔

"آف!..."

وہ منہ میں اسے کہتے ہوئے اپنے کمرے میں آئی اور وہم سے اپنی جگہ پر فہم گئی تو دانی نے جو اسے بتا دیا وہ اسے اٹھ کر چاہتے ہوئے بھی دیکھا تھا اور اب پل آتے دیکھ کر مزید پریشان ہو گئی تھی اور اسے اپنے آپ پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اتنی بے خبر کیسے رہی؟

"میں یہ کیسے بھول گئی کہ شوبی میرا بیٹا نہیں ہے۔ نہ شحال اس کی سگی بہن ہے۔ کبھی سوچا ہی نہیں میں نے کہ یہ دونوں اب بڑے ہو گئے ہیں۔ مجھے ان پر نظر رکھنی چاہیے۔ خدا قسم اس کو کچھ بھی تو ہوگی۔"

دانی نے حد خائف ہو گئی تھی۔ روزیہ و نظروں سے شحال کو دیکھا، وہ سگی تھی اور اس کی آنکھوں سے لیزہ آ رہی تھی۔ صبح وہ پھر وہی روزمرہ کے کام کرتی رہی تھی کہ خدیجہ صاحب نے اسے پکار کر پوچھا۔

"دانیہ! تم مجھے پریشان لگ رہی ہو۔ کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں اب۔۔۔۔۔ اس لیے میں ہی شحال اور شوبی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"وہ بے دھانی میں سوچ بول گئی۔"

"شحال اور شوبی؟"

خدیجہ صاحب سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ہاں اب۔۔۔۔۔"

"وہ ایک دم ان کے پاس بیٹھ گئی۔"

"میں یہ سوچ رہی تھی اب۔۔۔۔۔ کہ شحال کی شادی شوبی کے ساتھ کی تو ہو سکتی ہے۔"

"بالکل ہو سکتی ہے، اگر شحال اور شوبی کی مرضی ہو تو۔"

خدیجہ صاحب نے تائید کے ساتھ کہا تو وہ فوراً بولی۔

"کیوں نہیں ہوگی مرضی؟ ساتھ ملے بڑے ہیں، ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے کے

بغیر رہ بھی نہیں سکتے۔"

"ہوں؟!"

خدیجہ صاحب سوچنے لگی تو وہ ان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"اب۔۔۔۔۔ آپ راہبہ سے بات کریں ناں۔"

"ہاں۔۔۔۔۔ راہبہ سے بھی بات ہو جائے گی، پہلے شوبی اپنے ہیروں پر تو کھرا ہو جائے۔"

خدیجہ صاحب نے کہا تو وہ بے صبری سے بولی۔

"ہو جائے گا اب۔۔۔۔۔! اتنا دن دے لے تو پھر صاحب ہی کرے گا ناں۔"

"باب اسنے آ رہا ہے تو نہیں مل جاتی بیٹا! پھر ابھی تو تم نے شوبی کو دعائی چلے پرائے اس کا دیا ہے۔"

اگر اس کا وہاں دل لگ گیا تو پھر وہاں نہیں آئے گا۔"

"تو کیا ہوا اب؟... شادی ہو جائے تو پھر شحال بھی اس کے ساتھ ہی چلی جائے گی۔"

دو گویا تہیہ کر چکی تھی۔ خدیجہ صاحب اثبات میں سر ہلانے لگی۔

☆ ☆ ☆

وہ کچھ سوچ کر ہی مامے خراب علیہ میں سارہ کے پاس آیا تھا اور وہ بھی غاصبیت، جب ہی وہ اسے



دیکھتے ہی ہڑ گئی۔

”عد ہے سنا ہی.....! کن کا سون میں اچھے ہوئے ہوتے؟ کیا مجھ سے زیادہ اہم ہیں تمہارے

کام؟“

وہ افسردہ شکل بنا کر کڑی میں سر ہلانے لگا۔

”پھر سبیل کیوں آف کر رکھا تھا.....؟ اور یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے.....؟ مائی گاؤ شادی۔ 1

لو کر اس کے فضول سے لڑ کے لگ رہے ہو۔“

سارہ نے اس کے طے پر سر پینٹ کر کہا تو وہ اسی افسردگی سے بولا۔

”بس.....! انا کارو، ہو گا دی بنے کی نو بہت شائے۔“

”کیا مطلب.....؟“

سارہ ہنوز حیرتھی۔

”مطلب یہ میری جان.....! کہ میرے ڈیڑی نے مجھے اپنے برفس سے الگ کر دیا ہے۔“

اس نے بتایا تو سارہ کو شاک لگا تھا۔

”سنگ.....! کیا.....؟ مگر کیوں.....؟“

”کیونکہ تم مجھے کام نہیں کرنے دیتی.....! ففس نام میں ہوتی ہو.....! شادی تو ناراض ہو جاتی ہو اور تمہاری

ناراضی کے ذریعے میں کام چھوڑ کر بھاگا چلا آتا ہوں۔ ڈیڑی میرے روز روز کے بہانوں سے نگھ آگئے تھے۔ آخر

انہوں نے مجھے نکال ہی دیا۔“ ڈش ہو جاؤ اب تم۔ اب میرا سارا وقت تمہارے لئے ہے۔“

وہ پھٹ پڑا تھا۔

”اسی لئے میں کبھی تمہی کر شادی کراد۔“

سارہ نے چٹ کر کہا تو وہ سانس کھینچ کر بولا۔

”ہاں.....! اب تو یہی کرنا پڑے گا۔ چلو ابھی کر لیتے ہیں شادی۔“

”کیا.....؟“

وہ چیخ گئی۔

”میں کچھ کرتا جو نہیں ہوں۔“ ففس نام میں کام چھوڑ کر تمہارے پاس آ جاتا ہوں۔ میں کیا کروں۔؟

جب تک تمہیں دیکھ نہ پاؤں، میرا دل ہی نہیں گزرتا۔“

اس نے سسکین چٹکی بنائی تو سارہ ہنسنے لگی۔

”وہ تو ٹھیک ہے سنا ہی.....! لیکن کام بھی تو ضرور ہے۔“

”ہاں.....! کام بھی کر دوں گا۔ میں نے ابھی سے جاب کی کوشش شروع کر دی ہے۔“

”جواب.....؟ پائل ہو گئے ہو کیا.....؟ تمہیں جاب کی کیا ضرورت ہے.....؟ آئی مین، تمہارے ڈیڑی کا

ادب بڑا بڑا ففس ہے۔“

سارہ نے نوکتے ہوئے کہا۔

”ہاں.....! لیکن ڈیڑی کا ہے؟، میرا تو نہیں۔“

”تمہارا کیوں نہیں.....؟ تمہارے ڈیڑی کا سب کچھ تمہارا ہی ہو گا ناں۔“ جاب نہیں تو.....“

اس کے دیکھنے پر سارہ ہونکھلا کر خاموش ہو گئی تھی۔

”ہانک نہیں.....!“

وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

”میں اب ڈیڑی سے کچھ نہیں لوں گا۔ وہ کیا سمجھتے ہیں، میں ان کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا.....؟ سب کر سکتا

ہوں، مگر کے کھانا ڈالوں گا۔ پھر تم میرے ساتھ ہو میرے بیٹے کے لئے تمہاری محبت ہی کافی ہے۔“

”اوو شادی.....! تم جہاں جاتی ہو رہے ہو۔ زندہ رہنے کے لئے صرف محبت ہی کافی نہیں ہوتی، پیٹ

کھانے کو مانگتا ہے۔ محبت سے پیٹ نہیں بھرتا۔“

وہ ہنسنے لگی تھی۔

”اوہو.....! پیٹ کہاں سے آ گیا.....؟“

وہ دھڑ دھڑ کر بول رہا تھا۔

”سارا مسئلہ یہی ہے کہ شادی.....! اسے ہر حال میں وہ وقت کی روٹی چاہئے۔“

سارہ نے زور دے کر کہا، پھر مچی وہ اطمینان سے بولا۔

”ہاں تو وہ روٹی کس کی ہو گی؟ آؤ می تم کھانا ڈالو می، یہ ساری تم ہی کھا لینا ڈش.....؟“

”شٹ اپ.....!“

”کم آن پلار.....! اور سوچو، کتنا مزہ آئے گا جب میں وہ بھر مزدوری کے بعد تمہارا بار گھر آؤں تو تم

ہاٹ کے پردے کے ساتھ مچی میرا انتظار کر رہی ہو گی، پھر میرے ہاتھ ڈھلاؤ گی.....“

”اس کے بعد ہم چار پائی پر بیٹھ کر ہال روٹی کھائیں گے.....؟“

وہ سنگ کر بولی تھی۔

”اوہ.....! محبت میں وال روٹی شادی، ستر خوان کا مزدور تھی ہے۔“

اس کے حیرے پردے پر سناٹ ہو گئی تھی۔

”محبت ہو گی جی ہاں.....؟“

”کیا مطلب.....؟“

وہ ایک دم اسے دیکھنے لگا۔

"بس.....! چھوڑ دیے فضول باتیں اور جا کر اپنے ڈیڑی سے سو رہی کرو۔"

"وہ نہیں مانیں گے۔"

اس نے مایوسی کا اظہار کیا۔

"تمہیں انہیں سنانا ہے شامی! کسی بھی طرح نہاؤ۔ مجھے بھی دیر ہو رہی ہے۔ بھی انتظار کر رہی ہوں

گی۔ ٹھیک ہے، میں چلی ہوں۔"

وہ آخر میں جلت دکھائی ہوئی چلی گئی اور درختوں کی دیوار پر کھڑا ہو گیا تھا۔

پھر کتنے دن گزر گئے۔ سارہ نے اسے فون ہی نہیں کیا، جس سے وہ خاصا سڑب ہو گیا تھا۔ اسے کم از کم یہ تو پوچھنا چاہیے تھا کہ وہ اپنے ڈیڑی کو مٹانے میں کامیاب ہوا ہے کہ نہیں؟ یا وہ یہ سوچ رہی تھی کہ ڈیڑی کو مٹانے کی خوشخبری وہ اسے سنائے گا.....؟ وہ ایسی ہی باتیں سوچنا تھا۔ اس وقت وہ بار بار اپنا سیل فون اٹھا کر چیک کر رہا تھا۔ ملازم چائے کی ٹرے اس کی ٹیبل پر رکھ کر گیا تو اس نے مشعال کو پکار لیا۔

"جی سر....."

وہ فوراً متوجہ ہوئی تھی۔

"پلیز.....! چائے بنا دیں۔"

اس نے کہا تو مشعال اٹھ کر اس کی ٹیبل پر آگئی، اور کپ میں چائے ڈال کر اس کے سامنے رکھی تو وہ

پوچھنے لگا۔

"میرا کوئی فون تو نہیں آیا تھا.....؟ آئی میں، میرے فون آئے سے پہلے.....؟"

"نہیں.....! آج تو کوئی فون نہیں آیا۔"

"اچھا.....!"

وہ سوچنے لگا، پھر مشعال کے کپارے پر چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ایک بات پوچھوں سر.....! آپ برا تو نہیں مانیں گے.....؟"

"نہیں، پوچھیں.....!"

اس نے کہا تو مشعال قدرے جھجک کر بولی۔

"سر.....! اور.....! آپ کی دوست سارا..... میرا مطلب ہے، سارا صرف آپ کی دوست ہے یا اس

کے کچھ یاد.....؟"

"آپ کو کیا لگتا ہے.....؟"

اس نے اٹلا مشعال سے پوچھا تو اب وہ ہولت سے بولی تھی۔

"سر.....! مجھے لگتا ہے، آپ اس سے سادی کرنا چاہتے ہیں۔ ایسا ہی ہے ناں سر.....؟"

"ایسا ہی ہے۔"

وہ مسکرایا تھا۔

"پھر دیکھیں کہ وہ ہے جس سر.....؟ میرے خیال میں آپ کے ساتھ کوئی پرابلم تو نہیں ہو سکتی.....؟"

مشعال نے کہا تو دم گھبرائی سانس کھینچ کر بولا۔

"سب سے بڑی پرابلم، میرے ڈیڑی نہیں مان رہے۔ انہیں لگتا ہے، سارا اچھی بیوی نہیں بن سکتی اور

انہیں یہ بھی لگتا ہے کہ سارا وہ کچھ سے نہیں، میرے اٹلیٹس سے زیادہ ہے۔"

"آپ کو کیا لگتا ہے.....؟"

مشعال نے بے ساختہ پوچھا اور اس کے دیکھنے پر گڑبڑا گئی تھی۔ شامان نے چائے کپ رکھ کر انہم دیکھا، پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"نام آف ہو گیا۔ چلیں میں آپ کو بھی ڈراپ کر دوں گا۔"

"جی.....؟"

وہ خائف ہو گئی۔

"چلیں مشعال.....! باقی باتیں راتے میں کریں گے۔"

اس کے دوستانہ انداز پر مشعال اچھے ہوئے ایک بات لکھا کہ اس کے پیچھے چل پڑی تھی۔ پھر راتے میں

اسے یہ بات شروع کرنی پڑی۔ وہ ہانے کس سوچ میں تھا.....؟

"سر.....! آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"کون سی بات کا.....؟"

"دعویٰ جو آپ کہہ رہے تھے کہ سارا آپ سے نہیں، آپ کے اٹلیٹس سے زیادہ کرتی ہے۔ میرا مطلب،

کیا آپ کو بھی ایسا ہی لگتا ہے.....؟"

دراپٹی بات نہ ہر اک سے دیکھنے لگی تھی۔

"نہیں.....! مجھے ایسا نہیں لگتا، اور میں اپنے ڈیڑی پر ثابت کر دوں گا کہ سارا وہ کچھ سے محبت ہے۔"

اس کے فون لکچ میں عزم جھلک رہا تھا۔

"کیسے ثابت کریں گے.....؟"

وہ پوچھے بغیر وہ نہیں سکی تو جانے کس خیال سے دو اپنے آپ مسکرایا، پھر بولا تھا۔

"میں نے سارا سے کہا ہے کہ مجھے ڈیڑی نے اپنے بزنس سے الگ کر دیا ہے۔"

"ایسا کیوں کہا آپ نے.....؟"

اب یہ سب جانا اس کی مجبوری تھی۔

"یہ دیکھنے کے لئے کہ سارو کو میری پرواہ ہے یا ڈیڑی کی دولت کی؟"

اس نے بنا تاؤ وہ اپنی جگہ جڑ جڑ ہو کر بولی۔

"یہ آپ نے اچھا نہیں کیا سر۔"

"کیوں؟"

شہمان نے بے ساختہ گردن ہونٹ کر اسے دیکھا تھا۔

"کیونکہ اگر آپ کے ڈیڑی کی بات سچ ہوگی تو آپ کو بہت اچھ ہوگا۔ مشعال نے کہا تو دوا ایک دم گاڑی

کو ربیک لگا کر ہلا۔

"جنیں! اچھے دکھ نہیں ہوگا۔"

"دکھ نہیں ہوگا۔"

دو جرح اور افسوس میں گھر گئی۔

"جس کی محبت پر آپ اتنا بھروسہ کر رہے ہیں، وہ اگر آپ کی آزمائش پر پوری نہ اُتری تو آپ کو دکھ

نہیں ہوگا۔ اپنی محبت پر جانے کا دکھ بھی نہیں ہوگا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا سر۔ اگر آپ کا اپنا دل مجھ

سے خالی ہے اور جہاں سر سے محبت ہی نہیں ہے وہاں آزمائش کیسی؟ براست مانے گا سر۔ ایسا تو یہ گور

ہوں کہ سارو سے تعلق توڑنے کا اقرار آپ اسی کے سر رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسا مت کیجئے۔ اسے آزمانے سے پہلے

اپنے دل میں جھانک لیں۔"

وہ اپنی چلی جا رہی تھی اور دوستانہ لہجے میں اسے دیکھتے دکھا کر چاک مشعال نے چوک کر اچھر زور دکھا۔

پھر ڈیڑی کا دروازہ کھول کر بولی۔

"یہاں سے میرا گھر تر ہے، میں چلی جاؤں گی۔"

پھر اُترنے سے پہلے اسے دیکھ کر بولی تھی۔

"ایک بات اور، جیت کا مزہ جب ہی آتا ہے شہمان ملی! جب بار جانے کا ڈر بھی ہو۔"

اس کے ساتھ ہی وہ اتر کر تیز قدموں سے اپنی چل میں پڑی۔ شہمان ملی نے جب تک اس پر

نظر نہیں لگائی تھیں، جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوئی۔

☆ ☆ ☆

میرا اور بچوں کو ان کی ضرورت ہوگی۔ لیکن سب سے پہلے وہ اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔

اس لئے اس نے ایسا ردیہ روا رکھا تھا کہ وہ مشکل میں نہ پھریں گے تھے اور اس دوران انہوں نے

فوری بہت کوشش کی تھی کہ کسی طرح تانہ تک رسائی ہو جائے، لیکن شاید ان کی قسمت میں ہی نہیں تھا جو دو ماہیں

گھٹ گئے تھے۔

اور اب وہ مستقل طور پر باہر کی دنیا کو خیر باد کہہ آئے تھے تو یہاں اپنا کوئی نہیں تھا۔ ان کا آبائی گھر بھی

میرا فروخت کر کے بچوں کے ساتھ جانے کہاں جا رہی تھی؟ کتنے ہاؤس سے اس سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ جب

تک دوای گھر میں تھی، وہ اس کے دروازے سے دل برداشتہ ہونے کے باوجود اپنا فرض سمجھ کر سینے میں ایک دو ہارنوں

کر کے اس کی اور بچوں کی خیریت معلوم کر لیتے تھے۔ پھر اسی گھر کے نمبر سے انہیں معلوم ہوا تھا کہ دو گھر کسی اور نکا ہو

چکا ہے تو اس کے بعد سے ان کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔

بہر حال یہاں آکر پہلے تو دوا اپنے لئے رہائش کے انتظام میں لگے رہے تھے، اور جب مکان نہ ہو گیا تب

نئے سرے سے انیس اور فوہ صاحب کو کھانا کرنے کے ساتھ پرنس کے سلیٹے میں پرانے دوستوں سے رابطہ کرنے

میں لگے۔ مگر علی احمد کے فرض بھی دو پرنس کے سلیٹے میں ہی گئے تھے اور انہیں پتا بھی نہیں چلا تھا کہ جن کی کشش

انہیں دوبارہ دہلی پہنچانی ہے، وہ ان کے اتنے قریب نہ ہو سکتی ہے۔

اور پھر مشعال کو نے تو ان کی اندر کی دنیا تباہ و بالا کر دی تھی۔ اسنے برسوں میں دوا اس کرب سے

میں گڑے تھے جس سے اب اوجھار ہے۔ تھے یہاں کہ دو دوا اپنی پچان کر دوا کا خوش ہو گئی تھی۔ وہ دن میں کتنی بار

اسے خون کرتے تو ابھر پاتوں کا سہل آغل ملتا تھا بل جاتی بھی تو دو کال رسیوٹیکس کر رہی تھی، اس وقت بے مقصد

ڈرائیو کرتے ہوئے وہ دل شکست سے سوج رہے تھے۔

"میری بیٹی نے مجھے ڈھونڈ لیا، میں اسے کہاں ڈھونڈوں؟ وہ میرا خون بھی رسیوٹیکس کر رہی۔"

لیکٹ؟ ہاں، مجھے اسے ٹیکٹ سمجھنا چاہئے۔ ادا گاؤں۔ ایسے خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آتا؟؟

انہوں نے فوراً ریل فون کال کر لیجنا کہ پ کے سہل کیا تھا۔

"مشعال بیٹا! ایک بار مجھ سے، اپنے باپ سے مل لو۔"

☆ ☆ ☆

خواب صاحب نے پھر رابطہ سے بات کر رہے تھے۔ تانبہ بڑے شوق سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ جب انہوں

نے اللہ حافظہ کر کے فون پر نہ کہ توڑ پھینکی سے بولی۔

"ابا! آپ نے راجہ سے بات تو کی نہیں؟"

"نہیں! بات۔"

خوبصاحب نے ناہی کھینچنے کے انداز میں اسے دیکھا تو دو چہرہ نکلا گئی۔

"نیچے.....! اپنی جلدی بھول گئے.....؟ ابھی اس دن تو میں نے کہا تھا کہ راجہ سے مشعال اور شونی کی

بات کر لیں۔"

"ہاں.....! وہ تو مجھے یاد ہے۔"

"پھر آپ نے راجہ سے کہا کیوں نہیں.....؟"

اس کے شاکی ہونے پر خوبصاحب اسے ٹوک کر کہنے لگے۔

"تمہیں اپنی جلدی کیا ہے.....؟ پہلے بچوں سے تو پوچھ لو، اور صرف بچوں ہی سے نہیں، ان کے باپوں

تک بھی بات پہنچانی پڑے گی۔"

"باپوں تک.....؟"

اسے جیسے کرفٹ لگا تھا۔

"ہاں.....! عہد اور دنیا بچوں کی لپٹوں کے نیچے ان کے بغیر نہیں ہو سکتے۔ تم نے اگر مشعال اور

شونی کو پالیں تو اس کے بڑا کر دیا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب صرف تم ہی ان کی دلی دوا ہو، اور اپنے سر پر ج

چا ہوگی، کر دگی۔ ایسا تو میں بھی نہیں سوچتا۔"

خوبصاحب نے نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ جیسے سے انکڑ مٹی۔

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں اب.....؟ عہد، دنیا بچوں کے ہونے کے بغیر کون سے حقوق ہر سے

کھے ہیں جو آپ ان کا حق قرار دے رہے ہیں.....؟"

"جانتا نہیں رہا، سمجھا رہا ہوں تمہیں.....! دیکھو جیتا.....! ابھی تو یہ گھر کی بات ہے۔ فرض کرو، اگر مشعال کی

شادی غیروں میں کر دینی پڑے تب اس کے باپ کا پوچھا جائے گا کہ نہیں.....؟ یا تم اسی ڈر سے چادر ہی ہو کر بس فوراً

مشعال کی شادی شونی کے ساتھ ہو جائے.....؟"

خوبصاحب کی آخری بات نے اسے پریشان کر دیا۔

"نہیں اب.....! مجھے ایسا کوئی ڈر نہیں ہے۔ مشعال کا باپ کوئی چرچا نہیں ہے، جس کے بارے میں

بتاتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہو۔"

"پھر کیا بات ہے جو اس اچانک تم پر بچوں کی شادی سوار ہو گئی ہے.....؟"

خوبصاحب ہنوز نرم تھے۔

"اب میں آپ کو کیا بتاؤں اب.....؟ مجھے عجیب واہموں نے گھیر لیا ہے۔"

دوا دینے آپ میں اُلجھ کر بولی تھی۔

"کیسے دوا ہے.....؟"

"پتا نہیں.....!"

وہ زچ ہو کر اس کے پاس سے اٹھ آئی اور کچھ کچھ میں نہیں آیا تو مشعال کو پکڑ لیا۔

"مشعال.....! میری بات سنو.....!"

"جی امی.....!"

مشعال پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"بیٹا.....! اب تم بڑی ہو گئی ہو..... تمہیں خیال کرنا چاہئے۔"

اس نے کہا تو مشعال سادگی سے پوچھنے لگی۔

"کس بات کا امی.....؟"

"ہر بات کا۔"

پھر نظروں چڑا کر بولی۔

"اور یوں وقت سے وقت مٹاؤ کہ شونی کے کمرے میں نہ چلی جایا کر دو۔"

"امی.....! یہ آپ کی کیا کہری ہیں.....؟"

مشعال وہ حیرت کے ساتھ انہیں بھی گویا۔

"فلاؤ نہیں کہہ رہی ہوں میں..... تمہیں خود احساس ہونا چاہئے۔ پتی نہیں ہو اب تم.....!"

اس کے کھڑے پر مشعال چمکی۔

"جانتے، بڑی ہو گئی ہوں میں اور آپ بھی بڑھی ہو گئی ہیں، جب ہی انا سیدھا سوچنے لگی ہیں۔ حد

بے شونی کے کمرے میں نہ جاؤں سمجھا جائے گا وہ مجھے.....؟"

آخر میں مشعال سر ہٹ کر اپنے آپ بولے ہوئے چلی گئی تو دوسرے پکڑ کر دھیں بیٹھ گئی۔

☆.....☆.....☆

دو تھک گیا تھا۔ اس کی ساتھیوں نے جتنی جتنیں مسلسل مشعال کی باتیں گونج رہی تھیں۔

"میرا امت ماننے کا گھر.....! میں تو یہ بھی ہوں کہ سارا ہے تعلق توڑنے کا الزام آپ اسی کے سر رکھنا

چاہتے ہیں۔ ایسا امت کیسے گھر.....! اسے آزار دینے سے پہلے اپنے دل میں سمجھا لیں۔"

"اور پھر.....؟"

"جیت کا سر تو سہی آتا ہے، جب بار جائے گا ڈر بھی ہو۔"

اور اس نے غلامیوں کہا تھا۔ وہ مسلسل تین دنوں سے خود کو نول رہا تھا، اور پھر ایک نتیجے پر پہنچ کر ہی اس

نے غور سارہ کو نوٹ کیا تھا اور اسے اس کی ذرا ت جبکہ پہنچنے کا کبیرہ خود بھی دیا تھا تو پہلے سر ملے پری اس کی

آنکھوں میں دیکھ کر پوچھنے لگا۔

”ایک بات بتاؤ سارہ..... تمہارے اندر ہارنے کا ذریعہ ہے۔“

”کیا مطلب؟“ صاف بات کہو، کیا کہنا چاہو رہے ہو۔“

سارہ جو یہ سننے کو تیار تھی کہ اس نے اپنے ذہنی کو سنا لیا ہے، اس بات پر الجھ کر رہی تھی۔

”صاف بات ہی تو کر رہا ہوں۔“ کہیں یہ خیال پریشان نہیں کر رہا کہ اگر میں تمہیں نہ ملتا تو کیا

ہوگا۔“

اس کی وضاحت پر سارہ چکر کر رہی تھی۔

”نہیں۔۔۔ اس ایسی فضا دل میں نہیں سوچتی۔“

”کیوں نہیں سوچتی؟“ محبت میں ایسے اندیشے تو ہوتے ہیں۔۔۔ ملنے سے پہلے چھڑنے کا خوف، اس

کے بعد ہی ملنے کا سزاوارتہ ہے۔“

پھر مجھے وہ کہو گیا تھا۔

”جیت کا طرہ جی آتا ہے، جب دہانے کا ذریعہ ہو۔“

”اف شامی.....! اس کو کوئی ذہنی نہیں رہنے لگے ہو تم۔“

سارہ نے جھٹکا کرنا کہ تو چوکنے کے ساتھ ہی اس کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی تھی۔

”ہاں!۔۔۔! شاید وہ کوئی اور ہی ڈانچا ہے، جہاں محبت اندیشوں میں پروان چڑھتی ہے۔ بالکل اسی طرح

جیسے کانٹوں کے کچھاب۔ میں اس ڈانچا میں جانا چاہتا ہوں۔ تم چلا کی میرے ساتھ۔“

اس نے آخر میں سارہ کی آنکھوں میں جھٹکا، پھر آہستہ سے اپنی سر میں بلا کر گویا ہوا۔

”لیکن میں.....! تم نہیں، کیونکہ تمہارے درمیان سب کچھ ہے سوائے محبت کے، اور جو دل محبت سے

مٹا لی ہوں، وہ زیادہ دیر تک ساتھ نہیں چل سکتے۔“

”یوں کیوں نہیں کہتے کہ تمہارا مجھ سے دل بھر گیا ہے۔ کوئی اور بھی مانی ہے جس نے محبت کی جھوٹی

پگنی دھاتی، تاکہ تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔“

سارہ بری طرح تھکا گئی تھی۔ وہ ہونٹ بھیج کر دوسری طرف دیکھنے لگا تو وہ اس کا بازو سمیٹ کر بولی۔

”سچائی سے منہ کیوں موڑ رہے ہو شامی؟“

”سچائی وہ ہے جو میں نے بیان کی ہے۔ ہم دو دن ایک دوسرے کو فریب دے رہے تھے۔ شکر کرو کہ

مجھے کسی برسے وقت سے پہلے احساس ہو گیا اور نہ زندگی ابھرنے لگی ہو جاتی۔“

اس نے کہا تو سارہ چیخ پڑی۔

”شت اپ شامی!۔۔۔! تم میری توجہ کر رہے ہو۔“

”جیس.....! مجھے اگر تمہاری توجہ کرنی ہوتی تو آواز ہنسی کی سونپی پر پہلے میں خود کو نہ رکھتا۔ آرام سے

انعام تمہارے سر رکھ دیتا کہ تم میرے ساتھ نغمہ نہیں ہو۔“ جیس بھگے شمس کے ہمارے انٹینس سے ہمارے۔“

وہ بہت ضبط سے بول رہا تھا۔

”تمہارا انٹینس.....؟ کیا ہے تمہارا انٹینس.....؟ اپنے ذہن سے ہٹ کر تم کیا ہو.....؟“

سارہ نے جیسے ہوئے لہجے میں طرکیا جب بھی دو آرام سے بولا تھا۔

”کچھ بھی نہیں.....! ذہن سے ہٹ کر میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ تو ہٹاؤ، اب جیس میرا ساتھ منظور

ہے۔“

سارہ یک دم پکڑ گئی۔ کچھ کچھ میں نہیں آیا۔

”ف..... تم تو پاگل ہو۔“

یہ کہتے ہوئے وہ حیرت مندوں سے اپنی گاڑی کی طرف پردہ ملی تو اس نے اسے ڈوب تک جاستے ہوئے نہیں

دیکھا فوراً اپنی گاڑی میں بیٹھ کر گھر کی راہ لی تھی۔ اب اسے ادھر ادھر نہیں سمجھتا تھا۔ کچھ پانے کے لئے کھانا بھی پاتا

ہے۔ سب سے پہلے شمس آواز دہی گاڑی کے لئے دو ٹوک تیار کر رہا تھا۔

پھر اسی رات اس نے ایک آخری کوشش بھی کی۔ اپنے دل کی ساری گلیاں نکال ڈالیں کہ کہیں سارہ کی

محبت تو جیس کی گلا رہی یا اس کے اندر کوئی حلال۔ لیکن ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ گویا وہی کچھ تھا کہ اس کے اور سارہ کے کچ

سب کچھ تھا سوائے محبت کے۔

بہر حال دو اطمینان سے ہو گیا اور پھر جس نے اسے اپنے اندر جھانکنے پر اکسایا تھا، اسے اپنا کارنامہ

سمانے کے لئے مجبور ہو کر جلدی فلسفے کی تھی۔ اس وقت مشال نہیں آئی تھی۔ اسے یہ بھی پتا نہیں تھا کہ وہ کس وقت

آتی ہے۔ دو تو کبھی بھی آیا اسے سوچ رہی پلایا۔ آج صبح بارہواں سے پہلے موجود تھا اور اس کا انتظار کر رہا تھا۔ دوپٹا

نہیں لیٹ ہو گئی تھی اس کا غم یہ تھی کہ وہ کس بجے دو دروم میں داخل ہوئی تو وہ بے اختیار اپنا ریٹ واقع پر ٹام

دیکھنے لگا۔

”سوری سر.....! میں آج کچھ لیٹ ہو گئی ہوں۔“

مشال اس کے غم دیکھنے سے تھک گئی کہ وہ اس پر لیٹ ہونا چاہتا رہے۔

”کچھ نہیں، بہت زیادہ۔۔۔!“

دو اسے دیکھ کر بولا، پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

”اور انٹینس Rull کے مطابق لیٹ آنے والے کو سزا دی جاتی ہے۔“

”جی.....؟“

وہ قدرے غافل ہو گئی تھی۔

"جی! اب آپ بتائیں، کیا سزا دی جائے آپ کو۔؟"

وہ بظاہر خمیدہ تھا۔ مشعال خاموش رہی تو خود ہی کہنے لگا۔

"عجلیں، میں خود آپ کی سزا جھجکا کر رہا ہوں۔"

"سوری سر۔۔۔!"

"کو سوری۔۔۔! آپ کی سزا ہے دو قتی۔"

اس نے کہا کہ ایک دم مشعال کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تو وہ قدرے پریشان ہو کر اس کے بندھے ہوئے

ہاتھ کو دیکھنے لگی۔

"عجلیں، اگر آپ مجھ سے دو قتی نہیں کرنا چاہتیں تو۔۔۔!"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے مشعال نے اس کا ہاتھ قلم لیا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"خفینک یو۔۔۔! اب آپ بیٹھے کچا نہیں، میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ جانے کیا سوچ چکا تھا، اسے حیران چھوڑ کر غلیٹ میں روم سے نکلا اور علی احمد کے روم میں داخل ہوا تو

وہ اسے دیکھتے ہی بولے۔

"کیا ہوا۔۔۔؟ کیا پھر بار بار کوئی کام آیا؟ ہمیں تعجب۔۔۔؟"

"کام تو نہیں آیا۔۔۔! وہ۔۔۔۔۔! بس مشعال کو اپنے ساتھ لٹی پر لے جانا چاہتا ہوں۔"

اس نے بولتے سے کہا تو علی احمد کی ہلکی سی ادھر ادھر سے آنکھیں

"کیوں۔۔۔؟ مشعال کو کیوں۔۔۔؟"

"میری مشعال کے ساتھ دو قتی ہو گئی ہے ڈیڑھ۔۔۔! وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"میں جانتا ہوں، مشعال اچھی لڑکی ہے۔"

علی احمد کا لہجہ آتشیں تھا۔

"پھر آپ منع کیوں کر رہے ہیں۔۔۔؟"

"میں نے کب منع کیا ہے۔۔۔؟ ہیں، مشعال سے پوچھ لو۔ وہ جانتا ہے تو ٹھیک ہے۔"

انہوں نے کہا تو اس پر پھر گلت سورا ہو گئی۔

"تھینک یو۔۔۔!"

وہ "خفینک یو" کہتے ہوئے تیزی سے نکلا تھا۔ علی احمد کے چہرے پر مسکراہٹ چمکنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

نکل رہا تھا کہ ٹائیٹ نے پکار لیا۔

"شوٹی۔۔۔۔۔!"

"جی خالہ۔۔۔!"

وہ پلٹ کر ٹائیٹ کے پاس آ گیا۔

"میں ہاں میرے پاس بیٹھو، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

ٹائیٹ نے صوفے پر اپنے قریب ہاتھ مار کر کہا تو وہ ٹائیٹ دیکھتے ہوئے بیٹھ گیا۔

"جی خالہ۔۔۔! کہنے کیا بات ہے۔۔۔؟"

"وہ۔۔۔ جیلا۔۔۔! اس قسم سے یہ پوچھنا چار سی جی کر تم اپنے ابو سے ملتے ہو۔۔۔؟"

ٹائیٹ نے کہا تو وہ کھنکھارنے لگا۔

"جی۔۔۔! بیٹے میں ایک بار ملنے چلا جاتا ہوں۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔! مجھے کیوں اعتراض ہوگا۔۔۔! ابھی بات ہے ضرور ملا کر دو، اور ہاں۔۔۔! مجھے ان کا خون

غیر درجہ ہمارے ڈاڈا بات کریں گے۔"

ٹائیٹ نے اسے حیرت میں ڈال دیا۔

"ڈاڈا! ابو سے بات کریں گے۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔! کہہ تو رہے تھے۔"

"کیا کہہ رہے تھے؟ ڈاڈا۔۔۔! ابو سے کیا بات کرنی ہے انہیں۔۔۔؟"

اسے یقین نہیں آ رہا تھا یا وہ شکوک ہو گیا تھا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس کہہ رہے تھے کہ اب شوٹی کا جو بھی معاملہ ہوگا، اس کے باپ سے پوچھ

کر لے کریں گے۔"

ٹائیٹ سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔

"میں سمجھا نہیں خالہ۔۔۔! امیر اکون سا معاملہ ہے۔۔۔؟"

وہ الجھا اور ڈاڈا سے جھنجھلا گئی۔

"ارے۔۔۔! کوئی ایک معاملہ ہے، تمہاری آگے تعلیم، ڈیٹن جانا، پھر شادی۔ ان سارے معاملات میں

تمہارے ابو کی رضامندی بھی شامل ہونی چاہئے۔ یہی کہہ رہے تھے تمہارے ڈاڈا۔"

"بس روہن دے جی خالہ۔۔۔! اچھا! کبھی جان کو آجی مجھنٹ میں مت پھنسا کیں۔ آپ کچھ کہیں گی، ڈاڈا! کچھ

کہو، اور میرے ابو کچھ اور پھر میں کسی کی مانوں گا۔۔۔! مجھے معاف کریں۔"

اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

شوٹی نے روٹی سے کہا تھا کہ وہ اسے یہ خبر سنی ہے کب کرے گا، اور ان وقت وہ وہیں جانے کے لئے

”میرے لئے جو آپ سوچیں گی، مجھے وہی منظور ہوگا۔“

”سچ کہہ رہے ہو شوہلی؟۔۔۔؟ میں جو سوچوں گی، جو چاہوں گی۔۔۔؟“  
وہ ایک دم ہڑجوش ہو گئی۔

”بالکل.....! آپ کہیں گی، پھانسی چڑھ جاؤ تو چڑھ جاؤں گا۔“  
اس نے کہا تو ثانیہ دل گئی۔

”اللہ نہ کرے۔ خبردار جو ایسی بدفالیں منہ سے نکالی تو، توبہ کر دو۔“  
 ”توبہ تو یہ.....!“

وہ کان پکڑ کر ادھنی آواز میں توجہ کا در و کرتے ہوئے جیسے جان چھڑا کر وہاں سے بھاگ گیا۔

★ ★ ★

وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ خائف نظروں سے اطراف کا جائزہ لیا، پھر شامان کو دیکھ کر کہنے لگی۔

”سہ..... آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟... مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ اگر میرے کسی جاننے والے کو لیا تو سببیں میری جانب فٹم۔“

”ریٹیکس متعال.....! ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ اگر تمہارا کوئی جانے والا آ بھی گیا تو میں سنبھال لوں گا۔ کچھ نہیں سنبھال پڑیں، اور پلٹیں.....! اب یہ سزا دہرا کہنا چھوڑ دو۔ ہم نے دوجی کی ہے۔ دوستوں میں مختلف نہیں“۔

اُس نے خود تکلف کی دہوار گردی تھی۔

”اچھا، اوو، سارو نہیں آئی؟“

اسے یقین تھا کہ وہ اسے سارہ کی وجہ سے ہی یہاں لایا ہے۔

"سارہ کیوں آئے کی.....؟"

شاعمان نے کہا تو اس نے نا بھی میں پوچھا۔

یوں.....؟ آپ نے اسے نہیں جانا.....؟  
 "شعبہ....." (اس نے اس کے پاس سے گزرتا ہوا تھا۔)

وہ کہہ کر بڑھکا اور اچھٹا جھوٹا ہوا لہجہ بولتا رہا۔

”نہ مجھ کو نہیں کہیں۔۔۔“

شائمان نے ویٹر سے فارغ ہو کر

”نہیں..... ویسے آپ کا پرستل میسر ہے۔“

”اس وقت بھی میرا پرسل میٹر تھا، جب میں سارو کی آزمائش کرنے جا رہا تھا، پھر تم نے مجھے آئینہ کیوں دکھایا تھا؟“ نہ کیوں کہا تھا کہ میں پہلے اپنے اندر جو تکالیف لوں.....؟“

شہرمان نے فوراً جتایا تو وہ ابھی بے ساختہ ہوئی تھی۔

”تو کیا آپ نے“

”ہاں! میں نے اپنے دل کی سادی کھپایا کھنگال ڈالیں، کوئی بہت دھیرے دھیرے جس نے ہاتھ لگا دیا تھا۔“

اے اپنی آواز دُور سے آتی ہوئی لگی تھی۔

“کیا.....؟“

شہمان نے اسے اپنی نظروں کی طرف سے دیکھا اور وہ پہچانی۔

"میرا مطلب ہے، آپ نے مارو سے کیا کہا۔"

تعمہ.....؟

شہسمان نے یوں ہاتھ اٹھاے جیسے نصیحت کے ساتھ وہ یہ موصوعہ بھی سمجھاتا چاہتا ہے۔  
خاموش ہو گئی۔ لیکن اس کے اندر عجیب سا شور مچنے لگا تھا۔ پھر اس کے لئے وہاں ٹکڑے بھر رہ گیا۔

”میں چلوں گی سر.....! آئی! ہم سو رہی، میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

وہ کہنے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

دو اس کے چہرے کی بدلتی رنگت سے پریشان ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”نوسر۔۔۔! آپ زحمت نہ کریں، میں چلی جاؤں گی۔“

وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل آئی اور اس سے پہلے کہ شاہنشاہ

بھی کھڑے ہوئے وہاں میں ہم بند ہوئے۔ اس کا دل بھی کھڑے ہوئے اور وہاں سے چلے گئے۔  
 ساتھ اس نے قوسوں پر بندھے، بندھی توڑ ڈالے تو پھر اسے احساس نہیں ہوا کہ وہ کتنی دیر سے یہاں کھڑی  
 ہے۔ جب آنسو غریبہ کے جسم سے جب اس نے منہ پر پانی کے چھپکے کے مادے اور نیپ بندکے کے دوش روم سے نکل  
 آئی۔ سامنے کو نظر نہیں آتا تو بالائی کھول کر دوسرا توڑ نکل رہی کہ وہ نیپہ پھر کر پوچھنے لگی۔

”مبھال.....! الماری میں کیا سٹاؤں کر رہی ہو.....؟“

“*ف*”

اس نے زور سے الماری کا پتہ بند کر دیا اور تانیہ کو دیکھ کر ناراضی سے بولی۔

”کہا ہو گیا ہے امی...؟ یہ کیسی گھریں پاؤں لی ہیں آپ نے؟ میں کیا کر رہی ہوں؟ کب اس

کھڑی، کہاں بیٹھی ہوں۔؟ پچھلے تو بھی آپ نے نہیں ٹوکا۔“

”تو ابھی کیا کہا ہے میں نے؟“ یہی تو پچھا ہے تاں کہ کیا تلاش کر رہی ہو۔۔۔“

تانیہ کو بھی غصہ آ گیا۔

”کیا تلاش کروں گی میں؟“ غرا نہ چھپا رکھا ہے تاں آپ نے الماری میں، وہی تلاش کر رہی تھی۔“

کبھی کا غصہ کبھی نکل رہا تھا۔

”دامغ تو نہیں شراب ہو گیا تمہارا؟“ یہ کیسے بات کر رہی ہو تم۔۔۔؟“

”آپ کی انمول سوچوں سے میرا دامغ خراب ہوا ہے۔“

وہ سر جھٹک کر جانے لگی کہ تانیہ نے اس کا بازو پکڑ کر سمجھ لیا۔

”کیا انمول سوچا ہے میں نے؟“ بتاؤ۔“

”مجھے نہیں پتا۔“

وہ اپنا بازو چھڑا کر پرے ہٹ گئی، اب اس کا چہرہ دیکھ کر تانیہ ٹھٹھکی۔

”کیا ہوا ہے تمہیں؟“ درد ہی ہو گیا۔۔۔؟ کیوں درد ہی تھی؟“ بتاؤ۔“

اس کی آنکھیں پھر لہر لہو گئیں۔

”آپ کو کیا۔۔۔؟ بس آپ میری گھڑی کریں۔“

”میں تمہاری گھڑی کروں تو اور کون ہے تمہاری فکر کرنے والا۔۔۔؟“

تانیہ نے ڈکھ سے اسے دیکھا، پھر یک دم نرم پڑ کر کہنے لگی۔

”بیٹا۔۔۔! میں نے کوئی غلط بات تمہیں کہی تھی تم سے، جو تم نے دل پر لگائی، ٹھیک ہے، شبلی اور تم ساتھ

بیکھے ساتھ بڑے ہوئے ہو، لیکن اب۔۔۔“

”اب کیا۔۔۔؟ بتائیں اب کیا ہوا ہے۔۔۔؟“

اس کے لہجے میں غم تھا۔

”اب میں تم دونوں کی شادی کا سوچ رہی ہوں۔“

تانیہ نے بڑے آرام سے اس کے سر پر جمے ہمارا تھا۔

”سگ۔۔۔ کیا۔۔۔؟“

وہ مدد دہش لگ رہی تھی۔

”ہاں۔۔۔! مجھے یہی مناسب لگ رہا ہے کہ میں تم دونوں کی شادی کر دوں۔“

تانیہ اپنی دھن میں تھی۔

”یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کر رہی ہیں امی؟“ آپ نے یہ سوچا کیسے؟ کبھی بہن بھائی کی مٹائی بھی

ہوئی ہے۔۔۔؟“

”مجھے بہن بھائی نہیں ہونے۔“

تانیہ نے کہا تو وہ پھٹ پڑی۔

”تو یہ بات آپ کو کس پہلے بھائی جانے تھی، کبھی میں ہی۔ اس وقت تو بس ایک ہی رشتہ پر زور تھا۔

بہن بھائی، بہن بھائی۔“

”تو جتنا۔۔۔! معصوم بچوں کے ساتھ ایسی ہی باتیں کی جاتی ہیں۔ یہ تو نہیں کہا جاتا کہ بڑے ہو کر تم

ادلوں کی شادی ہوگی۔“

اس کے سینے سے پریشان زور کا تانیہ بے جا رہی سے بولی تھی۔

”بس کریں امی۔۔۔! میں مر جاؤں گی، اگر آپ نے ایسا سوچا بھی۔“

درو پڑی۔

”آپ نے تو مجھے میری نظروں میں گرا دیا ہے۔ شبلی سے کا تو وہ کتابت ہو گا کہ آپ ہم دونوں پر

ٹھک کر رہی ہیں۔“

”میں شک نہیں کر رہی ہوں بیٹا۔۔۔! تم۔۔۔! معصا۔۔۔! تم روتی نہیں بیٹا۔۔۔!“

تانیہ اس کے رونے پر پریشان اور پرکھلا بھی گئی تھی۔ آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگایا تو وہ اور شدت سے

رونے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ لیب ٹاپ پر مصروف تھا کہ موبائل کی آواز سنائی دی۔ لیکن اس نے اپنی مصروفیت ترک

نہیں کی اور موبائل اٹھا کر کان سے لگایا۔

”ہیلو۔۔۔؟“

”تم نے میرے ساتھ فائل کیا ہے شادی۔۔۔!“

دوسری طرف سارہ تھی۔

”جو کہ دیا ہے تم نے مجھے، اور یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ دو سال مجھے شادی کی آس میں رکھ کر اب کہتے ہو،

ہمارے سب کچھ ہے سوائے محبت کے۔ محبت نہیں تھی تو میری خون کا لڑ پر بھاگ بھاگ کر کیوں آتے تھے۔۔۔؟“

”سارہ۔۔۔! دیکھو تم مجھے غلط مت سمجھو۔“



وہ صبح سے بات کرنا چاہتا تھا، لیکن سارہ غصے میں تھی۔  
 "میں آپ جیسے سچ بکھی ہوں۔ تم ایک نمبر کے فرائز دار میں مجھیں چھوڑیں گی نہیں۔"  
 سارہ نے دھمکی کے ساتھ فون بند کر دیا۔  
 "ہائینس۔۔۔!"

اس نے سوبائل بیچ پر ہینک دیا۔ کام سے بھی جی اُچاٹ ہو گیا۔ لب: پ رکھ کر اس نے ناٹم دیکھا، ابھی صرف سب سے پہلے تھے۔ اتنی جلدی تین دنے والی نہیں تھی۔ لیکن اب کرنے کو بھی کچھ نہیں تھا۔ اس نے بے ہوشی سے لی دی کارپٹ سوٹ کنٹرول اٹھایا تھا کہ زورہ اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر بولی۔  
 "شادی۔۔۔! تمہارے لئے کد تیار ہے۔"

"اچھا۔۔۔!"  
 وہ بے ساختہ مسکرایا۔  
 "آجائیں گی؟ کیا گنڈ بھڑ ہے۔۔۔؟"  
 "خوش ہو جاؤ۔"  
 زورہ اندر آتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں نے تمہارے بڑی کو تنہا لیا ہے۔ وہ تمہاری سارہ کے ساتھ شادی پر اگلی ہو گئے ہیں۔"  
 "کیا۔۔۔؟"  
 وہ پریشان ہو گیا۔  
 "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"  
 "وہی جو تم جا رہے تھے۔ لیکن تم خوش کیوں نہیں ہوئے؟ پریشان کیوں ہو گئے ہو۔۔۔؟"  
 زورہ اس کی پریشانی سے الجھ گئی۔  
 "کیونکہ مجھے سارہ کے ساتھ شادی نہیں کرنی۔"

اس نے زورہ سے کہا تو زورہ یہی کہ جھرت فطری تھی۔  
 "ہیں۔۔۔؟ سارہ کے ساتھ شادی نہیں کرنی۔۔۔؟ کل تک تو تم اس کے بغیر نہیں سکتے تھے۔"  
 "کل تک۔۔۔؟ کل گزر گئی۔۔۔! اور کل کے ساتھ سارہ بھی میری زندگی سے نکل گئی۔"  
 "لیکن کیوں؟ میرا مطلب ہے، کیسے؟ کیا اس کی کہیں اور شادی ہو گئی ہے؟ تاہم

شادی۔۔۔ کیا ہوا ہے۔۔۔؟"

زورہ نے مزید الجھ کر پوچھا تو وہ اسے کدھوں سے تھما کر بولا۔  
 "یہ سب چھوڑیں گی۔ یہ جانتیں آپ کو خوشی نہیں ہوئی۔۔۔؟"

"خوشی۔۔۔؟"  
 زورہ نے کندھے سے اچٹکے، جیسے اس کی کچھ میں کچھ نہ آ رہا ہو۔ پھر اسے دیکھ کر بولی۔  
 "ہاں۔۔۔! ہے تو خوشی کی بات۔ تم نے مجھے نئی مصروفیت دے دی۔"  
 "نئی مصروفیت۔۔۔؟"  
 وہ سمجھا نہیں۔

"ہاں۔۔۔! اب میں تمہارے لئے لڑکی تلاش کروں گی۔ لیکن پہلے میں تمہارے بڑی کی کو بتا دوں۔"  
 زورہ یہ چاک بڈ جوش اور کجالت میں چلی گئی تو وہ کسی خیال سے مسکرایا تھا۔  
 ☆۔۔۔☆۔۔۔☆

رات اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ یہ باب جاری نہیں رکھے گی اور ابھی بھی اس کا آفس جانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن اسے رچ رچاؤں تو دینا تھا، اور یہی سوچ کر کہ آج درجن دن دے آئے گی، وہ منہ چاہتے ہوئے بھی تیار ہو گئی۔ پھر ریک آٹا کر اس میں کرایہ دہیرو جبکہ کر رہی تھی کہ شادی میں اسے کاکپ لئے آگیا۔  
 "آفس جاری ہو۔۔۔؟"

"ظاہر ہے، اور کہاں جاؤں گی۔۔۔؟"  
 وہ اپنی مصروفیت ترک کرنے کو تیار ہوئی۔

"ہاں۔۔۔! ظاہر ہے، اور کہاں جاؤ گی۔۔۔؟"  
 شادی نے کہہ کر آواز کے ساتھ چائے کاکپ لیا تو درنگ کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا۔۔۔؟ کیسے کیوں دیکھ رہی ہو۔۔۔؟"  
 شادی نے تالبا سے تنگ کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔

"دیکھ رہی ہوں، آج تم ہواؤں میں اُڑ رہے ہو۔ کوئی کمال نہیں ہے باپ کے پیسے پر اترا۔۔۔! خود کماؤ بھر کر مرنے کو۔"

وہ اسے بے نظارہ سنا کر باہر نکل آئی۔ اس کے اندر کسی ایک بات کا غصہ نہیں تھا، بہت ساری باتیں تھیں، جب ہی وہ بات بات چیت سے اٹھ کر رہی تھی، اور اس کے اندر خود اپنے ساتھ بھی جنگ جاری تھی۔ ول الگ بنات پر آ رہا تھا، اور زمین سوچنے سمجھنے سے عاجز۔ جب ہی وہ خود کو سمجھا نہیں پاری تھی۔ بس چاہتی تھی، پلک جھپکنے میں ہر منظر سے غائب ہو جائے، اور جتنا وہ بھانگنا چاہ رہی تھی، ای قدر اسے تلخ حقائق کا سامنا تھا۔

ابھی اپنے روم میں داخل ہوئی تھی کہ عجب سے لازم کپکڑ بولا۔

"میں۔۔۔! آپ کو باس بار پھرے ہیں۔"

وہ بے ہوشی سے بیٹھ ٹھیکل پر رکھ کر اس کے روم میں داخل ہو کر بولی۔

"السلام علیکم سر۔۔۔!"

"وعلیکم السلام۔۔۔!"

علی احمد نے جواب کے ساتھ اسے پیٹنے کا اشارہ کیا تو وہ ان کے چہرے سے ان کے سوؤ کا اندازہ کرتے ہوئے بیٹھ گئی۔

"ویری گند مفعال۔۔۔!"

اس کے پیٹنے ہی علی احمد سے سرواڑہ کر بولے۔

"تم نے وہ کام کر دیا ہے جو میں نہیں کر سکا۔"

"جی۔۔۔؟"

"کچھ نہیں۔"

"آئی ایم سوچی مفعال۔۔۔! شہان نے سارہ کو گولڈ ہائے کہہ دیا ہے اور اس کا سارا کرڈٹ جیسے جاتا ہے۔ میں اور میری سسر تو اس میز میں بالکل نا کام ہو گئے تھے۔"

"لیکن سر۔۔۔! میں۔۔۔"

اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن علی احمد نے اسے بولنے ہی نہیں دیا۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی جلدی شہان کو سارہ کے پٹنکل سے نکال لو گی۔ کیونکہ وہ سارہ کے خلاف کچھ سننا ہی نہیں چاہتا تھا۔ تم نے پتا نہیں کیسے۔۔۔"

"سر۔۔۔! میں نے کچھ نہیں کیا۔"

وہ یہ بات چیت کر رہا تھا جتنی جی لیکن اس کی آواز ہی نہیں ٹھیک رہی تھی۔

"سر۔۔۔! میں نے شہان کو اکسا با ضرور تھا لیکن سارہ کے خلاف نہیں۔"

"پھر۔۔۔؟"

علی احمد نے پوچھا ضرور لیکن غالباً انہیں جواب سے غرض نہیں تھی، جب ہی ٹیلی فون کی بیل پر انہوں نے فوراً ریسپونڈ کیا تھا اور بات کرتے ہوئے اس میں نظر انداز کر دیا جسے وہاں موجود ہی نہ ہو۔ وہ کچھ دیر بے بسی سے بیٹھیں دیکھتی رہی، پھر اٹھ کر اپنے روم میں آگئی اور بیٹھنے ہی کیپوڑا آن کر کے ہاتھ پر اٹن لیلو پ پ کرنے لگی۔ لیکن بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے وہ صند بھاری تھی۔ لفظ گولڈ ہو رہے تھے۔ پھر بھی اس نے پروا نہیں کی۔ لیلو ہاپ کر کے پرنٹ آؤٹ لکھا، پھر لکھنے میں ڈال کر سو پنے لگی۔

"کیا واقعی میں۔۔۔! شہان کو سارہ سے الگ کیا ہے۔۔۔! نہیں نہیں۔۔۔! میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی ہے۔ میں نے تو صرف شہان کو خود کو ڈرمانے کو کہا تھا، کیونکہ مجھے کسی لڑکی کی تو جین منکر نہیں تھی۔"

"بیٹو۔۔۔!"

شہان کی آواز پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کہاں تم جھیں۔۔۔؟"

اس نے پوچھا تو وہ بس ٹنگی میں سر ہلا سکی۔

"اگر کچھ سوچنا پاتی رہ گیا ہو تو میں چاہا جاتا ہوں۔"

اس نے کہا تو وہ جبکی سکر اسٹ کے ساتھ بولی۔

"آپ کیوں جاتے ہیں سر۔۔۔؟ جانا تو مجھے ہے۔"

"نہیں۔۔۔؟ نہیں کہاں جانا ہے۔۔۔؟"

"پتا نہیں۔۔۔!"

وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بس۔۔۔! مجھے جانا ہے۔"

"مفعال۔۔۔!"

"سر۔۔۔! ہلیئر آپ مجھ سے کچھ نہ پوچھیں۔ میں کچھ نہیں بتاؤں گی، اور میں کیوں بتاؤں آپ کو۔۔۔؟ میری مرضی میں جہاں بھی جاؤں۔ آپ کون ہوتے ہیں مجھے روکنے والے۔۔۔؟"

"وہاں بھی مجھے سنا کر ٹھکی۔ اسے خود پر بالکل افسانہ نویس رہا تھا۔ ایک انڈا کر تیزی سے ٹنگی تھی۔"

"مفعال۔۔۔!"

شہان ان اسی تیزی سے اس کے ساتھ ساتھ جیسر کی میز میلان اترتے ہوئے بلڈنگ سے نکلا تھا کہ لہا لکھ رہا تھے آگنی۔ حیرت سے وہوں کو دیکھا، پھر محاورات سے مفعال کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی۔

"تو اس کے لئے تم نے مجھ سے محبت نہ ہونے کا بھانڈا کیا تھا۔۔۔؟ شٹ۔۔۔! ایک معمولی لڑکی کی خاطر مجھے۔۔۔!"

"نٹ اپ سارہ۔۔۔! تم ہماری تو جین کر رہی ہو۔"

اس نے مفعال کا ہاتھ کر پیٹنے سے سارہ سے کہا تو وہ سٹگتے لیجے میں بولی۔

"ہماری۔۔۔؟ میں نے جیسوں تو کچھ نہیں کہا کبھی۔۔۔!"

"مجھے کہو یا اسے، ایک ہی بات ہے، اور ہلیئر۔۔۔! بہت جاؤ ہمارے واسطے۔۔۔"

"تم مجھے دانتے سے نہیں بتا سکتے شامی۔۔۔! میں کوئی بے جا جان پھر نہیں ہوں جسے تم ٹھوکر مارتے ہوئے لڑ رہا ہو۔"

شہان نے ہونٹ بھیج کر خود پوچھا پوچھنے کی کوشش کی، کیونکہ اس کے ہاتھ میں مفعال کا ہاتھ کانپ رہا

تھا۔

”کیا سمجھتے ہو، میں اتنی آسانی سے ہار مان لوں گی۔۔۔؟ وہ بھی اس معمولی لڑکی کے مقابلے میں۔۔۔؟“  
ہرگز نہیں۔۔۔! اسے تو میں اس کی اوقات پر لا کر چھوڑ دوں گی۔“

سارو انگارے چہا رہی تھی۔

”جانتی ہو اس کی اوقات کیا ہے۔۔۔؟“

وہ مضطرب لفظ چہا چہا کر بولا تھا۔

”شہان علی کے دل میں سب سے اونچے مقام پر بیٹھی ہے، یہ جہاں تمہاری نظریں بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ چلو مشعل۔۔۔!“

اس کے ساتھ ہی وہ مشعل کو کھینچتے ہوئے گاڑی تک لایا اور جب گاڑی کا دروازہ کھولا تب مشعل نے

ایک دم جیسے ہوش میں آکر اس کی گرفت سے ہٹا ہاتھ چھڑایا تھا۔

”آئی ایم سوری مشعل۔۔۔! میری وجہ سے تم ہرٹ ہو گئی۔“

وہ کچھ نہیں بولی، البتہ آنسو رانی سے ہلکے گئے تھے۔

”ہلیز مشعل۔۔۔! تم اس کی باتوں کو میری سیس مت لو۔ وہ غصے میں پاگل ہو رہی تھی۔ آئی ایم سوری۔“

یار۔۔۔! میں معافی مانگ رہا ہوں ناں تم سے، اور جہاں یقین دلاتا ہوں۔ معمولی تم نہیں، معمولی سارو ہے، اور اس

نے خود ثابت کر دیا ہے۔ تم ہلیز دوست۔ مجھے تمہارے آنسوؤں سے تکلیف ہو رہی ہے۔“

وہ اس کے رونے سے پریشان ہو کر روئے چلا جا رہا تھا۔

”دیکھو، اس طرح تمہارا گھر جانا ٹھیک نہیں ہے۔ تم گاڑی میں بیٹھو۔ سر راتنا شہت بناؤ، ہلیز۔“

وہ آخر میں جھنجھلا کر اسے ساتھ سے کچڑا گاڑی میں بٹھانا چاہتا تھا، لیکن وہ بجلی کی تیزی سے پیچھے ہٹ

گئی۔

”تاشا آپ نار ہے ہیں مسز شہان! ہلیز آپ جا نہیں یہاں سے۔ مجھے آپ کے ساتھ نہیں چاہا

تو نہیں جانا بس۔۔۔!“

وہ غصے سے کہہ کر تیز قدموں سے دوسری سمت چل پڑی۔ اس کا ضدی انداز بتا رہا تھا کہ وہ نڈرے کی د

پٹ کر دیکھے گی، اور ایسا ہی ہوا۔ وہ پہنچی جلی گئی۔ اسے خود چاہ نہیں تھا، وہ کہاں جا رہی ہے۔۔۔؟ آنسوؤں کے لہ

راستہ زحمت دار تھا۔ اسے نہ آنسو صاف کرنے کا ہوش تھا نہ انداز ٹریفک کا، اور وہ یاد کر رہی تھی، پھر کسی گاڑی ا

پر ایک بڑی زور سے چڑھائے تھے۔ اس کی ساتھیوں میں مختلف آوازیں گونجتی ہوئی تھیں، اور پھر خاموشی چھا

دیجر خاموشی۔

”معد ہے راجہ۔۔۔! اس کی بھی کیا معر رفت۔۔۔؟ پھر ذہنی کوئی دنیا کے آخری کونے میں نہیں ہے۔ لوگ

تو آخری کونے سے بھی آتے جاتے ہیں۔ تم ہو کر آنے کا نام بھی نہیں لیتیں۔“

تاشا اس وقت فون پر راجہ سے بات کرتے ہوئے بہت شامی ہو رہی تھی۔

”کیا تمہارا دل بھی نہیں چاہتا ہم سب سے ملے۔؟ سال بھر کا شوبہ کو چھوڑ کر گئی تھیں، اب ماشا مان

وہ حیران ہو گیا ہے۔ کیا تمہارا دل اس کے لیے بھی نہیں تڑپا۔۔۔؟“

”کیوں نہیں تڑپا۔۔۔؟ لیکن میں کیا کروں۔۔۔؟ شیراز میری ہر بات مانتے ہیں، لیکن جہاں پاکستان

جانے کا کہتی ہوں، مصافحہ منع کر دیتے ہیں، اور پھر کہتے ہیں ان کا موڈ آف رہتا ہے۔“

راجہ نے اپنی مجبوری بتائی۔

”محبب ہیں شیراز بھائی۔ جلد غصہ آئیں، تمہیں تو بھیج دیں۔“

اس نے کہا تو راجہ فوراً بولی۔

”ہاں۔۔۔! اس بات کے لیے میں انہیں آہستہ آہستہ کنوئس کر رہی ہوں۔ اچھا، یہ تاشا، شوبہ کیسا

ہے۔۔۔؟ تم نے اس کی شادی راوی کا سوچا کرتی تھیں۔۔۔؟“

راجہ نے بات بدلنے کوئے شوق سے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔! آج کل تو میں بس یہی سوچ رہی ہوں۔ شوبہ جلدی سے اپنے بیروں پر کھڑا ہوتی میں اس کی

شادی کروں۔ شادی پر تو آؤ گی ناں۔۔۔؟“

”پاکل آؤ گیں، اور چاہے ابھی میں نے تمہیں اسی سلسلے میں فون کیا ہے کہ اگر تم مناسب سمجھو تو شوبہ

اور مشعل۔۔۔“

راجہ قصداً خاموش ہو گئی تھی اور وہ نہیں پڑی۔

”ہاں۔۔۔! سوچا تو میں نے بھی نہیں تھا، لیکن۔۔۔“

”لیکن کیا۔۔۔؟“

راجہ نے پوچھا تھا کہ لائن کٹ گئی

”نو۔۔۔!“

اس نے کرپل پر ہاتھ مارا، پھر خبر ڈال کر نے لگی تھی کہ خوب صاحب آتے دیکھ کر باقی باتیں بعد کے

لئے اٹھا رکھیں، اور یہ پیور رکھ کر خوب صاحب کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”السلام علیکم۔۔۔!“

”خوش رہو۔۔۔! اس کا فون تھا۔۔۔؟“

خوبصاحب نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

”راہِ کار!“

اس نے ایسا قدر کیا تھا کہ خوبصاحب پوچھنے لگے۔

”مگر تم نے نوئی اور مشال کی بات کی؟“

”اے شے! اتفاق سے ادھر راہِ کار کی جی جا رہی تھی۔ لیکن ہم گلا سوج رہے تھے۔“

اس نے کہا تو وہ نہ کہنے کے انداز میں بولے۔

”کیوں؟“ اس میں کیا غلط ہے؟ اچھا ہے، مگر کی بات مگر میں نے ہو جائے گی۔“

”ہاں۔۔۔ لیکن مشال اور نوئی کسی نے رشتے پر تیار ہوئے نہیں ہیں۔“

”تم نے بات کی بچوں سے۔“

خوبصاحب نے فوراً پوچھا تھا۔

”جی۔۔۔ مشال سے بات کی تھی، اور با۔۔۔ اوہ تو مجھے سے ہی اکڑ گئی۔ بہت روئی، کہنے لگی، کہیں

بہن بھائی کی بھی شادی ہوتی ہے۔“

”اچھا۔۔۔!“

خوبصاحب ہنسنے ہوئے بولے۔

”تم نے پردہ نشی ایسی کی ہے۔ خبر۔۔۔ اچھی بات ہے۔“

”اچھی بات تو ہے! لیکن اب یہ تائیں، ان کی شادیاں کیسے ہوں گی۔۔۔؟“

وہ اچانک غور مند ہو گئیں۔

”کیسے ہوں گی؟“

خوبصاحب کے اطمینان پر وہ زچہ ہو گئی۔

”ابا۔۔۔! میرا مطلب ہے، اچھے رشتے ہوں گے، جب ہاں۔۔۔!“

”مگر پاپس کیوں ہوتی ہو۔۔۔؟ جب اللہ و منظور ہوگا، پھر بھی نہیں سچا، سب کام ہو جائیں گے۔“

”اٹھا، اٹھا۔۔۔! چلیں آپ آرام کریں، میں ملکی سے کھانا بنا دوں۔“

وہ کہتے ہوئے آنکھ کھڑی ہو گئی۔

☆☆☆☆

اسے اور اس سے متفرک کر دیا تھا۔

”لیکن ہاں سے پہلے کیا ہوا تھا۔؟“

وہ سوچنے لگا۔ لیکن کچھ سمجھ میں آیا تو اگلے کراس کی ٹیبل پر آگیا کہ شاید اس کے لئے کوئی سچ جھوٹی

ہو اور سچ تو نہیں، اس کا ریزاں لیز تھا۔

”ریزاں۔۔۔؟ مشال نے ریزاں کیوں دیا۔؟“

وہ اچھے بولے لیزر ٹیک کر علی احمد کے سامنے آکر ان سے پوچھنے لگا۔

”ڈیڈی۔۔۔! مشال؟“

”ہاں۔۔۔! آئی ہے، مشال، اچھے آدم ہیں ہوگی۔“

علی احمد نے کہا تو وہ ان کی لالچی پر متوجہ ہوا۔

”مشال آدم ہیں نہیں ہے ڈیڈی۔۔۔! اور ریزاں جھوٹی ہے۔“

”واٹ۔۔۔؟ بٹ۔۔۔!؟ مجھ سے تو اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔“

علی احمد نے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

”آپ کے پاس آئی تھی وہ۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔! ابھی کچھ دیر پہلے نہیں بیٹھی تھی وہ۔۔۔ میں نے اس کے کام کو سنا تھا۔ پھر اس نے ریزاں

کیوں دے دیا۔؟“

علی احمد کو خود کچھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس طرح کیوں چلی جاتی۔؟

”جی۔۔۔!“

وہ جب سے مو بائل نکالتے ہوئے ان کے روم سے نکل آیا۔ پھر کتنی دیر وہ بار بار اس کا نمبر لرائی کرتا رہا،

لیکن ادھر اس کا سبب فون آف تھا۔

☆☆☆☆

اس نے کسمپا کر آکھیں کھولی تھیں، لیکن ذہن ماؤف تھا، جب ہی سمجھ نہیں پائی کہ وہ کہاں ہے۔؟

ذہنی نظریں ادھر ادھر جھنکی ہوئی ایک جگہ جا کر ٹھہر گئیں تو پھر اچانک اس کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا۔

”پاپا۔۔۔؟“

وہ جھٹکے سے اٹھی اور وہ پورے رگی دانیال اور ڈیڈی کی تصویر کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ جب ہی عقب سے

آواز آئی۔

”ٹھیک جگا۔۔۔! تمہیں ہوش آگیا۔“

اس نے کتنی ذریعہ مشال کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر پریشان نفس لوٹا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا،

تھا کہ اسے اچانک کیا ہو گیا ہے۔؟ وہ اس سے کیوں ناراض ہو گئی ہے۔؟ مزید سارہ نے اس کی توجہ نہ

وہ فوراً ہلکی چلی۔

"شاید جہاڑی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، تم وہاں روز پرگئی تھیں۔"

دانیال حسن نے کہا تو اس وقت اس کے ذہن سے ہر بات نکل گئی، بس ایک بات کہ وہ اپنی پناہ گاہ میں

آگئی ہے۔

"پاپا.....!"

وہ بھاگ کر اس کے سینے سے جا گئی۔

"پاپا.....! میں مشعال ہوں، میں مشعال ہوں پاپا.....! آپ کی بیٹی، مشعال.....!"

"مشعال.....!"

دانیال حسن نے ایک دم اسے ہاتھوں میں سمجھ لیا۔

"سمیری بیٹی، مشعال.....!"

"پاپا.....!"

دوہری طرح رو رہی تھی۔

"سمیری جہاں.....! میں بہت برا ہوں، مجھے معاف کر دو، میں جہیں ڈھونڈنے میں کام ہو گیا۔ میں

ڈنیا کا کام ترین شخص ہوں۔"

وہ اپنی ناک کی پٹی پیمانی سے رو رہے تھے۔

"تمہیں پاپا.....! ایسا نہ کہیں۔"

دور تر پ گئی۔

"بری قومیں ہوں جو میں نے آپ کو اتنا سنا پاپا، آپ کا فون ریسیڈ نہیں کیا۔"

"میری سمیری سزا تھی اور چائیں بیٹا.....! آپ کی امی مجھے معاف کر دیں گی کہ نہیں.....؟ کہیں ہیں آپ کی

امی.....؟ آپ مجھے ان کے پاس لے چلو۔"

"چلیں.....!"

وہ فوراً تیار ہو گئی۔

"لیکن بیٹا.....! پہلے آپ یہ جوش لیا لو۔"

انہوں نے اسے صوفے پر بٹھایا اور پھر جوش کا گلاس اسے تھما کر پاجھنے لگے۔

"کیا ہو گیا تھا آپ کو.....؟"

"چائیں پاپا.....! چائے تک پکڑا گیا تھا۔"

وہ نظریں چا کر بولی گئی۔

"کڑوری سے ہوتا ہے، آپ جوش پیئے اور جب تک آپ یہ شیم کر رہے، میں فریٹس ہو کر آتا ہوں، پھر چلے

جس ٹھیک.....!"

اس نے اثبات میں سر ہلایا تو دانیال حسن اٹھ کر کمرے میں چلے گئے۔ جب جوش پیئے ہوئے اسے

اپنا کب خاصوشی کا احساس ہوا۔ اس نے اپنے اطراف دیکھتے ہوئے اندازہ لگا دیا کہ جہاں وہ ٹپٹھی ہے، وہ کمرہ وسط

میں ہے۔ پھر بھی ادھر ادھر کہیں سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔

"امی نے تو بتایا تھا، پاپا شاہی کر کے باہر چلے گئے تھے۔"

اس نے سوچا، جب ہی دانیال حسن آ کر پوئے۔

"چلیں بیٹا.....؟"

"جی.....!"

وہ گھاس ٹھیل کر پکڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور خود کو روکنے روکنے بھی پوچھ گئی۔

"پاپا.....! گھر میں اور کوئی نہیں ہے کیا.....؟"

"اور کون ہو گا بیٹا.....؟ ہاں، اب آپ اور آپ کی امی آجائیں تو پھر یہ گھر خالی ہو جائے گا۔"

انہوں نے کہا پھر اسے اپنے ہاؤس کے صفحے میں لے کر چل پڑے۔

کچھ دیر پہلے وہ بہت دل گرفتہ تھی اور کہیں زور بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن اب دانیال حسن کے ساتھ

جیسی وہ خود کو بہت مضبوط لگ رہی تھی۔ پھر تقریباً بیس منٹ کی ڈرامائیکے بعد اس نے اپنے گھر کے سامنے گاڑی

ڈروائی تو دانیال حسن اسے یوں دیکھنے لے جیسے پانچور ہے ہوں۔

"میں باہر ہی سے تو نہیں لڑا یا جہاں کا.....؟"

وہ کبھی یا نہیں لیکن سکرانی ضرور، پھر آتر کر بولی۔

"آئیے گاں پاپا.....!"

دانیال حسن آتر کر اس کے پاس آگئے تو وہ ان کا ہاتھ قہام کر سیدھی اندر آگئی۔ پھر سیٹنگ روم میں ان کا

ہاتھ چھو کر آگے بڑھ کر پکارنے لگی۔

"امی.....! امی.....!"

"آ رہی ہوں بیٹا.....!"

تاہم یہ کہتے ہوئے کمرے سے نکلتی تھی کہ اس کے پیچھے دانیال حسن کو کھڑے دیکھ کر وہیں ساکت ہو گئی۔

جبکہ اس کے ذہن میں جھکڑے چلے گئے تھے۔ مشعال نے پلٹ کر دانیال حسن کو دیکھا، ان کی نظریں غائب پر تھی

تھیں۔ جب مشعال قصداً درمیان سے ہٹ کر کمرے میں چلی گئی۔

".....!"

واپس ہوا جس نے پکارا جب بوش میں آتے ہی اس کے اندر نظر بھر گیا تھا۔

”کیوں آئے ہیں آپ...؟ کیا کوئی ڈر لگتا رہا تھا؟“

”نہیں...! اس نے رقم دیکھ لے لی تھی۔“

ان کی آواز پر بھل گئی۔

”اپنے رقم؟“

جانب کے کچے میں حدود پر کڑواہٹ تھی۔

”ہاں...! اتنا ہمارے زخموں پر تو شاید وقت سے کھڑے بنادی ہوگی، لیکن میں...! میں سے اپنا فیو بیو جو

لے کر در پھر رہا ہوں۔“

انہوں نے کہا تو دوسرے نے جھنجھکی۔

”در در تو میں ہوئی ہوں وہاں حسن...! آپ تو خوشی سے تیری زبان سے چلے گئے۔ یہ ہائے کو بھی

میں نے رکھے تھے کہ اللہ نے آپ کو بچی دی ہے! جیسا...؟ کیونکہ آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔“

”میں نہیں جھگڑاؤں میں نہیں جانتا...! کیونکہ اگر مجھ پر سب بھائی اور ساری حقیقت نہ کھینچی تو شاید یہی ج

ہوتا۔“

”شاید...؟“

وہ طرز پر ہنسی تھی۔

”ہاں شاید...! کیونکہ جی یہ ہے کہ جب میں نہیں دھمکتے دھمکتے تھک گیا اور پھر مجھے یہ معلوم

ہوا کہ سب راجہ کے ساتھ وہی چلے گئے تو تب میں بھی باپس ہو کر یہ ملک چھوڑ گیا تھا۔“

ان کی بات پر اس نے منہ مڑا تو وہ اس کے قریب چلے آئے۔

”میرا بھتیجہ کروڑیہ...! اس کے بعد جو چاہے مرادو... میں ہر سزا کے لئے تیار ہوں۔ لیکن مجرمانہ دے

لے لے لے بھگت عاف کر دیتا۔“

انہوں نے عاجزی سے کہا۔

”معاف کرو بھئی۔“

خوبصاحب جانے کب وہاں آن کھڑے ہوئے تھے، جانیے فوراً ان کی طرف گھبرائی تھی، جبکہ وہاں نے

انہیں دیکھ کر سر جھکا لیا تھا۔

”صبح کا بھولا شام میں لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔“

خوبصاحب کہتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے تو وہ ایک مہتمم میں جبر و جبرپا کر... پندی۔

”جانیے!“

وہاں حسن نے بے ڈنڈی سے اسے کندھوں سے تھام لیا اور اگلے بل وہاں کے سنبے سے لگی روڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

”علی...! میں تو جی بچ بھلا گئی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا ساری کی کہاں بات کروں؟ شاید صاحب

کے ہاں جاکر سب جہاں کے ہاں، اور بھئی تو کھیل صاحب کی بھی بہت چاری ہے۔“

زہد نے کی بھلاہٹ پر علی احمد اسے محفوظ دے رہے تھے۔

”آپ بتائیں ہاں پہل کہاں سے کروں؟“

زہد نے خود کو بے بس محسوس کرتے ہوئے کہا تو دو دو راہوں ہائے اٹھا کر ہو گئے۔

”جی...! مجھے معاف رکھو۔ یہ خدا کا حکم ہے، اگر نہیں سمجھ میں آتا تو شامی نے پتہ دیا۔“

”شامی تو بات مذاق میں آڑا رہا ہے۔ سمجھتا ہے وہ کیا کہتا...؟“

”کہا کیسے...؟“

”کے گا، جی...! اپنی جہاں بتائیں، پھر آئیں، بند کر کے ایک پرچی اٹھائیں، جس کا نام بھگت، پہلے اسی

کے پر پڑاؤں لے جائیں۔“

زہد نے انداز میں بول رہی تھی۔ علی احمد بے ساختہ قہقہہ لگا کر شہ تو دوسرے جا رہا ہوئی۔

”علی...! چلیز، چلی سر نہیں۔ میں اب جلدی شامی کی شادی کرنا چاہتی ہوں۔ اس کے بچہ کھانا پاتی

ہوں۔ اگر اس کی ساری سارا کا معاملہ ہو تو اب تک شامی کے دو بچے جہاں کھیل رہے ہوتے۔“

”یہ تو ہے۔“

علی احمد تائیدی انداز میں سر ہانے لگے۔

”پھر بتائیں ہاں میں کیا کروں...؟“

”دیکھو، جو بات تم مجھ سے کہہ رہی ہو وہ شامی سے کہو کہ اب تک اسے دو بچوں کا باپ بن جانا چاہیے

تھا۔ پھر تم اس سے کہو، بلکہ پھر مست، بتاؤ کہ تم جہاں کے ہاں اس کا پر پڑاؤ لے کر، کہ جباری ہو۔“

علی احمد نے سنجیدہ ہو کر کہا تو وہ بلا ارادہ بولی تھی۔

”اور اگر اس نے منع کر دیا تو۔“

”منع کرے تو دوسرا پر پڑاؤ اس کے سامنے رکھ دیتا۔ کسی ایک پر تو وہ باپ بھرے گا۔“

”یہ ٹھیک ہے۔! میں ابھی اس سے بات کرتی ہوں۔“

وہ بکر کا آنکھ کھڑی ہوئی۔ علی احمد نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ ہاتھ سے انہیں رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے

”شامی...! شامی...! پکارتی ہوئی اس کے کمرے کی طرف بھاگ گئی اور اندر داخل ہو کر بھی پکارا، اس نے کسی



"ہیلو...!"

"مشعل...! کیا ہو گیا ہے تمہیں...؟ کیا میری باتیں اتنی بری لگی ہیں کہ تم نے ریاضن شامان چھوٹے ننھی بولا تو اس نے اس کی بات کاٹ دی۔"

"نوسر! میں نے آپ کی وجہ سے ریاضن نہیں دیا۔"

"پھر...؟"

وہ ڈھبلا پڑ گیا تھا۔

"ہاں! مجھے ریاضن کی بات تھی۔ آئی ایم سوری۔! میں جاب جلدی نہیں دے سکتی۔"

وہ سبوتا سے بولی تھی۔

"تو کب ہے...! میں وجہ نہیں پوچھوں گا۔ ہٹ آئی ایم سوری نو! کہ میں آپ کا ریاضن

Except نہیں کر سکتا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ میں نے آپ کو ایک نہیں کیا تھا۔ آپ کو اپنا ریاضن ایک لبر پاس کو دینا ہوگا۔"

اس نے کہا تو وہ جڑ بڑ ہو کر بولی۔

"نوسر! آپ میرا لبر پاس کے پاس بھجوا دیں۔"

"دور! مشعل! اب جاب کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے، اب اس وجہ جانے پڑے گا۔"

نہیں لیں گے۔"

"نیک ہے! میں آ جاؤں گی۔"

اس نے کپڑے اتار کر اس کاٹ دی اور اسے جانے کا سوچ کر ریاضن کی طرف اشارہ کیا۔

☆ ☆ ☆

"جلی جاؤں گی امی! آخر پہلے بھی تو جاتی تھی اب میں جاؤں۔؟"

ٹامیہ نے سرگراہی میں سر ہلایا تو وہ خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئی۔ گوکہ اندر سے وہ پریشان تھی لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ کسی مقام پر کمر درمیں پڑے گی۔ جب سی اپنے تئیں اعتماد سے اس میں داخل ہوئی۔ پھر دم میں آکر ہار پڑا۔ انہیں لیڑا تو اس کی گری تھی کہ شامان کی آواز پر نیکل پر اوپر اُھر کر تکتا اس کا ہاتھ دکھ گیا۔

"ہیلو...!"

"السلام علیکم...!"

وہ ایک نظر اس پر ڈال کر پھر نیکل دیکھنے لگی۔

"ہمارا نام ہو...؟"

شامان نے نیکل پر دونوں ہاتھ جو کر پوچھا۔

"ضمیں...!"

اس نے اپنی مسرت حرکت نہیں کی۔

"آؤ باقی بات ہو...؟"

"میں کا مطلب نہیں ہوتا ہے۔"

"آؤ پھر میری طرف دیکھو...!"

شامان نے کہا۔ اس نے سر اٹھا کر کے دیکھا تو وہ جلدی سے جیب سے گلاب نکال کر اس کے سامنے

قرتے لگا۔

"میں نے اپنا غار دھلی دوست گلاب دیں گا تو دوش ہو جائے گی۔"

وہ جلدی نظر میں گلاب پر طہر گئیں۔ جب چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا تھا۔

"میرا خیال تھا۔"

وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

"شاد ہے میں نے تمہارا دفاع کرنے کے لئے سارا سے کہہ دیا تھا کہ تم شامان کی سی کے دل میں سب سے اونچے مقام پر پہنچی۔ دو دنوں پھر مجھ پر اوراں ہوا کہ میںی کچ ہے، اوراں سے برا کچ یہ ہے کہ تم پہلی لڑکی ہو جس کے سامنے میں سے اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ میرے دل کی ماری گھوٹوں میں دھیرے دھیرے سنبھل سنبھل کر تھک رہی تھی وہ تم ہو تم ہو تم مشعل!"

وہ گھم گھم جاتی تھی۔ شامان نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ پھر گلاب اس کے سامنے رکھ کر دم سے نکل گیا، اب اس نے ان کے چہرے کو دھڑا دھڑا بکھا، پھر پہلے ریاضن لیڑا تو وہ ہڈ کر ہاں تک پہنچا۔ اس کے بعد بائیں کیا خیال آیا کہ لیڑیوں سے انہیں لپٹ کر دم میں آئی تھی او جیسے نوہ سے گئی چھپا کر گلاب اپنے پاس میں ڈالا تھا، لیکن



پھر داسے چھوئے اور اس میں کسی محبت کی خوشبو اپنے اندر اُتار دے۔ سنے گریز کرنے لگی۔ گو کہ دل بھی تر سب دینے لگا تھا لیکن وہ خائفانہ بھی۔ جیسے غلی اُتارنے کہا تھا۔

”تم نے وہ کام کر یا مشعال.....! جو میں نہ کر سکا۔ شامان نے سارہ کو گلو بائے کبیدہ با ہے اور اس کا سارا کرڈیلٹ چھین جاتا ہے۔ میں اور میری سسر تو اس سیر میں بالکل ناکام ہو گئے تھے۔“

پھر سارہ قہمی۔

”تم مجھ دانتے سے نہیں بٹا سکتے شامی.....! میں کوئی بے جاں چڑھ نہیں ہوں جسے تم شکر مارتے ہوئے گزر جاؤ گے۔ کچھ کچھ جود میں اتنی آسانی سے ہاروں لوں گی.....؟ وہ بھی اس معمولی لڑکی کے مقابلے میں.....؟ ہرگز نہیں.....! اسے تو میں اس کی اوقات پر لا کر چھوڑوں گی۔“

یہ باتیں مسلسل نہ صرف اسے پہنچتی تھیں، بلکہ اپنے آپ میں مجرم بھی بنی ہوئی تھی۔ گو کہ سچ بھی تھا کہ اس نے شامان کو سارہ کے خلاف نہیں اُکسایا تھا۔ لیکن غلی احمد تو یہی سمجھتے، بلکہ انہیں یقین تھا وہ پھر وہ یہ بھی کر سکتے تھے کہ شامان کو سارہ کے پھلنے سے کھال کر اس نے اسے اپنے دام میں گرفتار کر لیا۔ اس خیال سے ہی اس کی درجہ کا بپ جاتی تھی، جب ہی وہ شامان کا فون ریلے نہیں کر رہی تھی۔ وہ دن میں کتنی بار اسے کال کرتا تھا اور وہ اس کا نمبر دیکھ کر کانوں میں اُگھایاں ٹھونس لیتی، اور اس کے نکست پڑے بغیر Delete کر دیتی۔ گو کہ اس کے بعد اسے فور سے لڑنا پڑتا تھا، لیکن وہ اپنی عزت نفس داؤ پر نہیں لگا سکتی تھی۔

بہر حال اپنے ماں باپ کے ساتھ وہ خوش تو تھی، لیکن پور بھی دو تھی۔ کیونکہ اس کے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا۔ اس وقت سارہ چپ چاپ سی بیٹھی تھی کہ وانیل حسن اس کے پاس بیٹھ کر کہنے لگے۔

”بھئی.....! کیا بات ہے.....؟ ہماری بیٹی کنگے سے یہاں آکر پور ہو چکی ہے.....؟“

”اصل میں کبھی فارغ نہیں رہی ناں، دکالچے کے بعد جانب چاہنے لگی تھی۔“

”تایہ۔۔۔ اسے دیکھتے ہوئے کہا تو در وانیل حسن خود میں تادم ہو کر اس سے بولے۔

”تو تینا.....! آپ ابھی بھی تفس جو ان کر سکتی ہو۔ آئی میں دمیر آفس۔ کیوں تایہ.....! اگر تیار ہی

اجازت ہو تو مشعال میرا آفس جوائن کر لے.....؟“

”اور.....! اس میں میری اجازت کی کیا ضرورت ہے.....؟“

تایہ نے فہم کر کر کہا تو وہ اس سے بولے۔

”ہنس، تو کل سے آپ میرے ساتھ چلو گی، ٹھیک.....؟“

اس نے تایہ کو دیکھا، پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اور ہو.....! مجھے تو ابھی ایک منگ میں جانا تھا۔“

وانیل حسن اچانک بات نہ پڑا کھ کھڑے ہوئے تو تایہ بھی اٹھ گئی۔

”ٹھیک ہے.....! آپ منگ میں جائیں، میں مشعال کے ساتھ مارکیٹ جاؤں گی۔“

”ہاں بھئی.....! میری بیٹی کو ابھی شامی چنگ کر دانا، جو یہ کہے۔ لڑکے بیٹا.....!“

وانیل حسن اس کا کال تک کر گلت میں پلے گئے تو تایہ اس سے بولی۔

”چلو بیٹا.....! جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“

وہں کا بالکل دل نہیں چاہا تھا، لیکن تائیک کی خاطر اٹھ گئی، اور پھر تائیک کی بد نظری اسے شامی میں دیکھی

لمبی پڑی۔ تائیک بہت شوق سے اس کے لئے سونوں کے ساتھ چینگ جیولری اور سینڈلر وغیرہ دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی ماں پر پیار کے ساتھ رقم بھی آنے لگا۔

”کتنا ترسی ہے یہ عورت.....!“

”ہنس کر بس امی.....!“

آخر وہ تھک گئی۔

”کچھ بعد کے لئے بھی اُٹھ رہیں۔“

”ہیں.....؟“

تایہ نے اس کو چہرہ دیکھا۔

”چلو ٹھیک ہے.....! پھر کیوں دن آج نہیں گئے۔“

”لایے.....! یہ مجھ سے دیں۔“

اس نے تایہ کے ایک ہاتھ سے شامی بیڑو لے لئے، پھر دونوں مال سے ٹھیکس توڑا تھوڑے انہیں دیکھتے ہی گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

”جینو بیٹا.....!“

تایہ نے اس سے کہا تاجب ہی کسی نے پکارا تھا۔

”مشعال.....!“

تایہ نے فور الٹ کر دیکھا، پھر اس سے پوچھنے لگی۔

”کون ہے.....؟“

”چائیس امی.....! میں نہیں جانتی۔ آپ نہیں ناں.....!“

اس نے کہتے ہوئے زبردستی تایہ کو ٹھٹھایا، پھر خود بیٹھی تھی کہ شامان قریب آکر کہنے لگا۔

”مشعال.....! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔ جائیز.....! ہر دن کے لئے میری بات سن لو۔“

”مجھے کچھ نہیں سننا۔“

اس نے گاڑی کا دروازہ کھینچ لیا۔

’مسائل!..! پلینز۔‘

”چلو حقیقتاً۔۔۔!“

وہ ڈرامہ نویس سے کہہ کر اصرار دھڑے شاہرے سنبھالنے لگی، جبکہ دھیان کا یہ کی طرف تھا برہنہی اس وقت کی کسی جیسے رہ جانے والے شامان کو داور کا ناٹا ڈرامہ تو یہ کہ جب سے خاموشی تھی لیکن گھبراتے ہی اسے ہزمت ہڈا کھینچا تو وہ عاجزی سے بولی۔

”ای!..! پلینز، مجھے سے کچھ مت پوچھنے گا۔“

”تم سے نہ پوچھوں تو کہاں سے پوچھتی کہ دوں ہے۔۔۔؟ اور تمہیں کیسے جانتا ہے۔۔۔؟“

”ابہتے ندرے سے منہ سے کیا تو وہ اپنے آپ میں اچھلنے لگی۔

”مسائل!..! اصرار میری طرف نہ کیو۔ میں تباہی میں ہوں، تم پہلے پر، بلکہ مجھے نہیں ہرگز کی ذمہ۔۔۔“

کی۔۔۔؟“

”مجھے کوئی براہ کرم نہیں سنا!..!“

”تو پھر اسے دیکھ کر پریشان کیوں ہو گئی تھی؟ یہ کیوں کہا کہ تم اسے نہیں جانتی۔۔۔؟ ناؤ بیٹا۔۔۔“

کون خواہ۔۔۔؟“

”تاہی سے نرمی اختیار کی کہ اب، وہ اس طرح اچھلتے ہوئے بولی۔

”ای!..! جہاں میں جا کر رہی تھی، ہاں کے پاس کا پلاٹا ہے۔“

”تمہیں شک کہتہ تھا۔۔۔؟“

”تاہی کے مشکوک انداز پر، اذیت دیتی۔

”نہیں ای!..! اب کبہ ناٹا نہ سمجھیں۔۔۔ منہ سے کسی اس نے شک نہیں کیا تھا۔“

”پھر تم نے اس کی بات کیوں نہیں سنی؟“

”مجھے بتا ہے، اسے کیا بات کرنی تھی؟ یہی سمجھا کہ اس اپنی باب پر دانیس نہاں۔۔۔“

اس نے کہا تو نا۔۔۔ پھر نرم پڑی۔

”تو جانتا۔۔۔؟ تم آرام سے اس سے کہ سکتی ہو کہ تمہیں اب باب کی ضرورت نہیں ہے۔“

”اور اس کے بعد یہ بھی مانا پڑے گا، کیونکہ تھے میرے پاپا میں گئے جہاں۔۔۔ بس کہیں ای!..! ہر بات

برایک سے کہنے والی نہیں ہوتی۔“

وہ کہہ کر تباہی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھتی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے مارچئی گولے کو ڈرامہ نویسوں میں اُڑتے دیکھا، پھر روٹی پر نظر میں نظر نہیں۔ اس کی آنکھوں میں شام اُتر آتی تھی۔۔۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ اس کے ذہنی جانے سے آداس ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا، وہ اسے کیسے یقین دلائے کہ وہ جس کوڑے دلوں کے لئے جا رہا ہے۔ چند لمبے اسے دیکھا، پھر اس کا دھیان مٹانے کی خاطر اسے اس کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔

”دیکھو وہ بال کے ٹکڑا چاہتے کہاں جا کر رہے گا۔۔۔؟ میں بتا سکتا ہوں۔ جس رفتار سے وہ چل رہا ہے،

اس سے لگتا ہے کہ کوئی تکبہ ہی جاپائے گا۔۔۔؟“

آخر میں اس کی آنکھوں میں ہلکا سا اس نے کوئی حرکت نہیں کی تو، چہنچہا گیا۔

”کیا ہو گیا ہے بار۔۔۔؟ میں کوئی ہمش کے لئے تو نہیں جا رہا، جو تم نے بتا تھا کہ وہ سوگ سناٹا شروع کر دیا

ہے۔ دیکھو اب وہ نامت شروع کر دیتا۔ مجھے لڑکیوں کے آنسو پوچھنے کا تجربہ نہیں ہے۔“

”تم بہت برے ہو۔“

وہ اس کے رونے انداز پر مسکراہٹ ہونوں میں دبا کر پوچھنے لگا۔

”لڑکیوں کے آنسو پوچھنے نہیں آتے، اس لئے۔۔۔؟“

”آنسوؤں کی ٹوہری کیوں آئے۔۔۔؟ اس سے پہلے ہی دلا ساق میں دسہ سکتے۔۔۔؟“

روٹی نے شاکی ہو کر کہا تو وہ پہلے ہنسا، پھر ایک دم جمید ہو گیا۔

”جانتاؤں، اگر ای میرے انتظار میں دن نہ گن رہی ہو تو میں تو اس بھی لپٹا جاتا ہوں کی کہ دیتا اور پھر

تمہیں ساتھ لے کر جاتا۔“

روٹی اس کے لیے کی چٹائی میں کھوئی۔

”اور کیا سنا چاہا ہو تو۔۔۔؟ مجھے سمجھتے ہو دعوے کر کے نہیں آتے۔ کیا ضروری ہے کہ میں زبان سے

کہوں کہ میں تمہارے لیے نہیں رو سکتا۔۔۔؟ تم ساتھ میں ہو گی تو میرا کہیں دل نہیں گئے گا۔۔۔؟ پاپ۔۔۔! تمہیں گئے گا

دل۔ اس لئے اسے تمہارے پاس چھوڑنا پڑے گا۔۔۔؟ سنہال کر دکھا، کہ کوئی ہاں سنہال کر۔۔۔؟“

”میں۔۔۔! تو زچہ ذکر کچھ سے میں ڈال دوں گی۔“

وہ کہتی ہوئی چل پڑی۔

”تم سے سبکی امید ہے۔“

وہ تیز قدموں سے اس سے آگے چل پڑا، اور اسے سدھا گھر لے آیا تو وہ بڑکی۔

”سوری۔۔۔! ایسی روٹی ہوئی شکل کے ساتھ میں کھا نہیں کھا سکتا۔۔۔! چلو سیدھی اوپر جاؤ اور خیر دار جو ج

مجھے نہی توف کرنے آئی تو۔۔۔؟“

اس کے رعب سے کہنے پر وہ اسے اٹھائی، کھاتی، روٹی، دھیان چڑھ گئی تو وہ مر جھٹک کر اپنے کمر۔

میں آگیا۔ ابھی اسے اپنا سوٹ کبھی بیک کرنا تھا۔ جلدی جلدی وہ چار سوٹ الماری میں سے نکالے، پھر شینے تک باکس وغیرہ بیک کرنا تھا کہ خوبصورت صاحب کے گنگناہنے کی آواز آنے لگی۔ ان کی بڑی آواز میں عجیب سا رد و تھا۔ سوٹ کبھی چھوڑ کر کمرے سے نکل آیا۔ خوبصورت صاحب موصوفے کی بیک پر سر رکھ گنگنا رہے تھے۔

”بھیسے آئی جانا میں کون؟“

”انا انا!۔۔۔!“

اس نے دھیرے سے پکارا تو ”چونک کر اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

”کیا بات ہے۔۔۔؟ تم ابھی تک سوئے نہیں؟“

”آپ بھی تو جاگ رہے ہیں۔“

”کہتے ہوئے ان کے ہر وہل کے پاس جینٹلمین۔“

”ہاں۔۔۔! اب اس عمر میں فیلڈ کم ہی آتی ہے۔ خیر۔۔۔! یہ تازہ صبح جہادری لٹاؤ کس وقت ہے۔۔۔؟“

”گھبراہ بجے۔۔۔!“

”جس۔۔۔؟ گھبراہ بچے۔۔۔؟ اور تم ابھی تک جاگ رہے ہو۔۔۔؟ پھر صبح گیارہ بجے تک پڑے سوئے

رہو گے۔“

”اچھا ہے انا انا!۔۔۔! لٹاؤ بس ہو جائے گی۔ میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جاتا چاہتا انا!۔۔۔!“

وہ ان کی گھبراہٹ کے خیال سے ہاتھی پریشان ہو گیا تھا۔

”چینا۔۔۔! وہاں جہادری ماں۔۔۔۔“

”ماں سے زیادہ آپ کو میری ضرورت ہے۔“

وہ زرا بول پڑا۔

”آپ کہہ دیں امی سے، اگر وہ اتنا ہی میرے لئے ترچہتی ہیں تو خود آ جائیں گی۔ میں نہیں جاؤں گا۔“

”شوٹی بیٹا۔۔۔! اچھوڑ دوں گی تو بات ہے۔ ماں کے صبر اور اٹھارہ کوسرے صدمت آزماؤ بیٹا۔۔۔! چلو اب سو

جاؤ صبح جلدی اٹھنا ہے۔ جاؤ سناؤ!۔۔۔!“

خوبصورت صاحب نے اسے بچوں کی طرح پکڑا تو وہ دھسے لہجے میں بولا۔

”آپ اپنا خیال رکھیں گے امی؟“

”بالکل رکھوں گا۔ جہادری شادی سے پہلے مرنے والی نہیں ہوں میں۔ وہاں آؤ گے تو ہمیں جینٹلمنوں

کا۔۔۔“

خوبصورت صاحب نے کہا تو اس نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا۔

”کلی بات۔۔۔؟“

”بالکل سچی۔۔۔!“

خوبصورت صاحب نے اس کا ہاتھ قلم کر چوم لیا۔

☆۔۔۔☆۔۔۔☆

دانیال حسن نادر نے کرکٹ کو دنیا بھر الماری سے ان کا کوٹ نکال رکھی تھی۔ پھر ان کی طرف گھوم کر پوچھنے

مگی۔

”دانیال۔۔۔! کمال بھائی کیسے ہیں۔۔۔؟ ابھی بھی وہیں رہتے ہیں یا کہیں اور شفٹ ہو گئے

ہیں۔۔۔؟“

”کمال بھائی تو دس سال پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔“

دانیال حسن نے اس کے ہاتھ سے کوٹ لیتے ہوئے بتایا تو اسے دھچکا لگا تھا۔

”کھٹ۔۔۔ کیا۔۔۔؟ کیسے۔۔۔؟ آپ کہاں تھے۔۔۔؟“

”امرک۔۔۔! یہاں ہوتا تو کیا کر لیتا۔۔۔؟ سانس پوری ہو جائیں تو پھر ساری تدبیریں دھری کی

دھری رہ جاتی ہیں۔“

ساتھ گزری دس سال ہو گئے تھے، جب ہی وہ نارٹی بتا رہے تھے۔ جبکہ یہ شاگرد تھی۔

”بہت افسوس ہوا۔۔۔! سیما بھائی اور بچے کہاں ہیں۔۔۔؟“

”چشمیں۔۔۔۔!“

وہ اب آئینے کے سامنے کھڑے بالوں میں برش کر رہے تھے۔

”کیا مطلب، پتا نہیں۔۔۔؟“

دانیال حسن نے برش رکھ کر اسے دیکھا پھر کہنے لگے۔

”بھائی کے بعد تقریباً چار پانچ سال میں سیما بھائی اور بچوں سے رابطے میں رہا۔ اس کے بعد انہوں

نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ وہ کینیڈا جا رہی ہیں۔ اب پتا نہیں کینیڈا میں ہیں یا کہیں اور۔۔۔؟ مجھ سے بہر حال انہوں

نے رابطہ نہیں کیا، اس لئے مجھے نہیں معلوم۔“

وہ خاموش ہو رہی تو پوچھنے لگے۔

”مشعال تیار ہے۔۔۔؟“

”ہاں شاید۔۔۔!“

”چلو۔۔۔! پھر تم ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ۔“

”ہاں! شوٹی بھی ذہنی چارہ ہے ہاں، ماسے سی آف کر کے بھر میں کچھ دیر لپا کے ساتھ رہوں گی۔“  
وہ کہنے ہوئے ان کے ساتھ کر کے سے بھل کر آئی تو آگے مشعل تپا کر کھڑی ہوئی۔

”اچھا، پھر میں اجازت۔“  
انہوں نے ٹائید کو دیکھا تو اس نے مسکرا کر اشارت میں سر ہلا دیا۔  
”چلو بیٹا۔!“

”اللہ حافظ! اے۔۔۔!“  
مشعل اسے ہاتھ بلانے والا دیکھ کر دانیال حسن کے ساتھ چل پڑی، اور دب آفس پہنچی تو آفس دیکھ کر دو خوش ہوئی۔

”پاپا۔۔۔! آپ کا آفس بہت شاندار ہے، جہاں میں جاب کر رہی تھی، اس سے بھی زیادہ شاندار۔“  
مشعل نے خاصے جوش سے کہا تو وہ دب سا خند مسکرائے۔  
”آپ چاہو تو دوسرے روم دیکھو اور اسٹاف سے بھی مل لو۔ پھر جو آپ کرنا چاہو، جہاں بیٹھنا چاہو۔“  
”بیٹھوں کی تو میں آپ کے پاس ہی پاپا!“  
وہ فوراً لی تھی۔

”ایز یو لائلک۔۔۔!“

”اوکے۔۔۔! میں آپ کے اسٹاف سے مل آؤں۔“

وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی تو بیٹھنے ہی انہیں یاد آ کر ذرا غصہ اٹھ گیا تو وہ کہتا تھا۔ جب یاد دہانی کے لئے انہوں نے علی احمد کو نوٹ کیا، پھر ملازم کو یاد کر کے کہنے لگے۔

”دیکھو، مسئلہ علی احمد آ رہا ہے، انہیں احرام سے یہاں لے آنا۔“

”جی سر۔۔۔!“

ملازم چلا گیا تو انہوں نے اس نئے پرائیویٹ کی فائل نکال لی جس پر انہیں علی احمد کے ساتھ نام کر دیا تھا۔

پھر تقریر یاد دہانی سے علی احمد روم میں داخل ہوتے ہی بولے تھے۔

”واؤ۔۔۔! سینگل تو تم نے ابھی کر لی۔“

”جی ہاں۔۔۔! بھئی۔“

انہوں نے اٹھ کر علی احمد سے مصافحہ کیا، پھر انہیں بیٹھنے کو کہا، جب ہی مشعل اندر آئی تو وہ اسے دیکھ کر

بولے۔

”پہلے اس سے ملو، یہ مشعل ہے۔“

”مشعل۔۔۔؟“

علی احمد چونک کر مشعل کو دیکھتے ہوئے دب سا خند بولے تھے۔  
”ناہتا ہوں۔“

”تم مشعل کو جانتے ہو۔۔۔؟“

دانیال حسن نے قدرے حیرت سے پوچھا تو مشعل بول پڑی۔

”جی پاپا! میں ان ہی کے آفس میں جاب کر رہی تھی۔“

”پاپا۔۔۔؟“

علی احمد نے سوچا کہ انہوں نے دانیال حسن کو کیا تو وہ مسکرا کر بولے۔

”ہاں ٹی۔! مشعل میری بیٹی ہے۔“  
”جی تو اب پتا ہے کہ میں اچھی بھلی کے لئے نکلتا تو پاؤں، لیکن

اب اللہ کرشمہ ہے۔“

”اللہ کا شوق ہے، لیکن مجھے تم سے برا لگتا ہے۔“

علی احمد نے کہا تو وہ سمجھے نہیں۔

”مجھے۔۔۔؟“

”بالکل۔! تم نے سارے اچھے، ساری پڑا ہاں میرے ساتھ شیئر نہیں اور خوشی اکیلے بہنم نہ

۔۔۔؟“

علی احمد کا شکوہ دیا تھا۔

”نہیں۔! میں تمہیں تانے دلاتا تھا۔“

”میں رہنے دو۔! اوپے حیرت ہو رہی ہے۔ تمہاری بیٹی میرے پاس تھی پھر بغل میں اور

اندازاً شعر میں۔ مجھے اگر بتا ہوتا مشعل تمہاری بیٹی ہے تو میں اسی وقت تمہیں اطلاع کر دیتا۔ خیر۔۔۔! یہ تاؤ،

پاپا کی کسی چیز۔۔۔؟“

علی احمد کو اچانک یہ یاد خیال آیا تھا۔

”فیک ہیں، ابھی ہیں۔“

”واؤ مجھے مشعل کو دیکھ کر ہی اندازہ ہو گیا تھا۔ جس طرح انہوں نے مشعل کی تربیت کی ہے، اس

سے پتا چلتا ہے کہ وہ کتنی سلیبی ہوئی خاتون ہیں۔ میں نے مشعل سے بھی کہا تھا کہ وہ ایک اچھی ماں کی بیٹی ہے۔

یوں مشعل۔۔۔؟“

آخر میں علی احمد نے تصدیق کے لئے مشعل کو دکھا تو وہ جبراً مسکراتی تھی۔

”جی بالکل۔!“

"شامی! آخر تم کیا کہتے ہو؟ تمہارا قصد کیا ہے؟ خدا خدا کر کے سارہ سے جاں پھولی  
تھی! پھر اب یہ مشعل کہاں سے آگئی؟"

زودیہ اس کے بہانوں سے عاجز آگئی تھی، اور ابھی وہ یہی کہی کہ شہمان نے اُن کے لئے کوئی نام  
لے دیا ہے، جبکہ وہ بے حد عجیبہ تھا۔

"نئی تو میں سوچ رہا ہوں مئی...! اگر مشعل اب کیوں آئی...؟ اسے تو بہت پہلے آ جانا چاہئے تھا۔"

"کیا...؟ کیا مطلب ہے تمہارا...؟"

"آپ ابھی طرح سمجھ رہی ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں...؟ مزید یہ بھی سن لیں کہ اگر ڈیڈی نے مشعل  
کے بارے میں کچھ نہ لکھا تو میں یہ مگر چھوڑ دوں گا۔"

اس کے فحش لہجے پر زودیہ چکرانی خورد، لیکن پھر اس پر کڑھتی۔

"تمہارا دماغ شراب ہے۔ اس سے پہلے تم سارہ کے لئے ایسا کہتے تھے۔"

"نہیں! میں نے سارہ کے لئے مگر چھوڑنے کی بات کبھی نہیں کی تھی، اور اسے آپ محض میری دھمکی  
مت سمجھیں۔ میں مشعل کے لئے جاں بھی دے سکتا ہوں۔"

"شامی!..."

زودیہ غائب ہوگئی۔

"بیٹا!...! تم کیوں ایسی باتیں کرتے ہو، جنہیں اپنے ڈیڈی سے ضد ہے کیا جو بات وہ پسند نہیں کرتے،  
تم اسی پر کیوں اڑ جاتے ہو...؟"

"ضد مجھے نہیں، ڈیڈی کو مجھ سے ہے۔ جیسی تو وہ میری پسند رکھتے کہہ دیتے ہیں۔ سارہ کا مانعہ ان انہیں  
پسند نہیں تھا اور ڈیڈی مجھے گا، مشعل کے بارے میں کہیں مجھے معمولی جاب کرنے والی معمولی لڑکی۔"

اس نے اپنے آپ سوچ لیا تھا۔

"تو بیٹا!...! اس میں میرا کیا قصور ہے...؟ مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہو تم...؟ میرا جرم ہے  
کہ میں جنہیں چھٹا چھوڑنا دیکھنا چاہتی ہوں، لیکن شاید میری قسمت میں ہے یہی نہیں۔"

وہ رو ہنسی ہوگئی، تب ہی علی احمد کے آنے پر وہ ان سے بولی۔

"آپ دونوں باپ بیٹا بول چاہے کریں۔ میں اب کچھ نہیں بدلوں گی۔"

"کیا ہوا ہے...؟"

علی احمد اس اچانک اتفاق پر چٹپٹا گئے۔

"وہی، میری شادی...؟"

شہمان نے سر جھکے تھا۔

"تو بیٹہ!...! کیوں اپنی گی کو پکڑو رہے ہو...؟ صاف تاؤ تمہیں شادی کرنی ہے کہ نہیں...؟"

انہوں نے کچھ تو زودیہ پر رابولی۔

"کیوں نہیں کرنی...؟"

"ہاں ڈیڈی...! کیوں نہیں کرنی...؟"

اس نے زودیہ کا ہونٹ لٹک کرنے کے لئے اپنا مودہ دلا تھا۔

"تو پھر کیا سوچا ہے تم نے...؟ میرا مطلب ہے، تمہاری مئی نے جو لڑکیاں بتائی ہیں، تو کسے سبک دے کر  
...؟"

انہوں نے پوچھا تو وہ قدرے کڑک کر بولا۔

"ان میں سے تو ڈیڈی...! کوئی نہیں ہے۔"

"پھر...؟"

وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"آپ اسے جانتے ہیں ڈیڈی...! وہ مجھے پسند ہے۔"

"کس کی بات کر رہے ہو...؟"

"مشعل، اور آپ سن لیں۔ وہ نہیں تو کوئی نہیں۔"

وہ کہہ کر زک نہیں، لیکن قدموں سے باہر نکلیں کیا تھا۔ تب زودیہ ان کا بازو تھام کر پوچھنے لگی۔

"آپ جانتے ہیں مشعل کو کون ہے...؟"

"ہاں! وہ..."

علی احمد نے ہونٹ پر ہونٹ کر زک دیکھا، پھر بتانے لگے۔

"مشعل میرے دوست، انڈیا کی بیٹی ہے۔ جنہیں شاید یاد ہو، تین سال پہلے انڈیا اور اس کی بیوی  
...! نے ہم نے انہیں ڈنر پر بھی بلایا تھا، مگر وہ امریکہ چلے گئے تھے۔"

"ہاں ہاں...! سمجھے یا وہ۔ مشعل ان کی بیٹی ہے۔ تو پھر آپ کو کیا اعتراض ہے...؟"

زودیہ نے یاد دہانے پر فوراً پوچھا تو وہ سوچ کر کہنے لگے۔

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں، البتہ مشعل... میرا مطلب ہے، شامی سے پہچو، کیا مشعل بھی اسے  
پڑھ کرتی ہے...؟"

"نہیں! مطلب...؟"

زودیہ اب بھی تھی۔

”تم پوچھو اس سے، اور یہ بھی کہو کہ پہلے وہ خود مشعال کو پرچہ ڈکرے۔ وہ انگریز کرے گی، جب ہم باقاعدہ اس کا پرچہ پزل لے کر جائیں گے۔“

انہوں نے زور دے کر کہا تو زو یہ حرج اٹھی تھی۔

”آپ کا مطلب ہے مشعال انگریز نہیں کرے گی۔؟“

”میں شیور نہیں ہوں۔“

وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تو زو یہ اپنی صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔

☆ — ☆ — ☆

وہ بہت پریشان ہو گیا تھا۔ مشعال اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھی اور دوسری ڈیلی شادی پر اسرار کر رہے تھے۔ اس کی کچھ باتیں نہیں آتا تھا، کیا کرے؟ تو یہ طے تھا کہ وہ اپنی زندگی اپنے دل میں مشعال کے علاوہ اور کسی کو جگہ نہیں دے سکتا تھا۔ یہ بات اس نے غل احمد سے بھی کہہ دی تھی اور وہ چونکہ بھڑکا نہیں تھا، اس لئے ان کے رول سے بے خبر تھا۔

”چائیس انہوں نے نمی سے کیا کہا ہوگا۔؟“

رات وہ جی سوچتے ہوئے سویا تھا۔ پھر صبح کافی دن چڑھا تھا، جب زو یہ اس کے کمرے میں آئی اور اسے بے خبر سوئے دیکھ کر کھڑکی سے پردے کھینچتے ہوئے اسے یاد کر بولی۔

”شامی! اویکو، کتنا دن چڑھا گیا ہے۔ دو کسنا ضرور لیجئے آئیں نہیں کھولیں، تو زو یہ اس کے پاس آئی تھی۔“

”کیا ہو گیا ہے بیٹا۔؟ یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔؟ کبھی کبھہ کھا کر تو نہیں سوئے تھے۔؟“

”کچھ سے کام نہیں ملے گا می! اٹھنا ہوتا تو ایک ہی بارز ہر کالوں گا۔“

وہ کہتے ہوئے بیڈ سے اتر گیا۔

”شامی! آئیں لیکن باتیں کرتے ہو۔؟ اچھا یہ تاؤ تہار می مشعال سے بات ہوئی۔؟“

زو یہ فوراً اصل بات کی طرف آگئی۔

”نہیں! او میرا فون ہی آئیڈ نہیں کر رہی۔“

وہ دارو دروب سے اپنے کپڑے نکالتے ہوئے بولا۔

”کیوں۔؟“

”چائیس!۔“

”پھر کیسے بات کرنے کی جیٹا۔؟ تہار سے ڈیلی کبہ ہے جی، پہلے تم مشعال سے بات کرو۔“

زو یہ نے کہا تو وہ سمجھا نہیں۔

”میں مشعال سے بات کروں۔؟ کیا بات کروں۔؟“

”میری کہ تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔“

”یہ آپ سے ڈیلی نے کہا ہے۔؟“

اس نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں! او کبہ ہے، تھے مشعال انگریز کرے گی تو پھر ہم تہار پر پزل لے کر جائیں گے۔“

زو یہ نے بتایا تو وہ کچھ ٹھٹھ گیا۔

”ڈیلی نے میرا کیوں کہا ہے۔؟ کبھی انہوں نے تو۔۔۔“

”شامی!۔“

زو یہ ٹوک کر کہنے لگی۔

”تم اپنے ڈیلی کی کو الزام دینے کی بجائے اپنے آپ کو دیکھو۔ جنہیں اپنی محبت پر مجروح نہیں ہے۔“

مشعال تہار فون آئیڈ نہیں کرتی، تم سے بات نہیں کرنا چاہتی اور تم ہو کہ۔۔۔“

”او فونمی!؟ آپ ناراض کیوں ہو رہی ہیں۔؟ میں کروں گا مشعال سے بات۔“

اس نے کہا تو زو یہ اپنے ہوئے بولی۔

”تم کرنے رہتا بات، میں ایک دو دن میں جاؤں گی اس کے گھر، شادی کی بات تو ہوتی رہے گی۔ میں ڈانپہ بھائی سے قول آؤں۔“

”ڈانپہ بھائی!۔؟ کیوں ہیں۔؟“

وہ پھر حیران ہوا۔

”مشعال کی می، جنہیں نہیں چاہا۔؟ مشعال تہار سے ڈیلی کے دوست دانیال حسن کی بیٹی ہے۔“

زو یہ تکر پوچھنے لگی۔

”تم مشعال سے کہاں ملے۔؟“

وہ فوراً جواب نہیں دے سکا۔ سوچنے پر بھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا، کیا کہے تو بتاؤں گا۔ کہتے ہوئے داس روم میں بند ہو گیا تھا۔ پھر شاور لینے کے دوران دو سسٹل سب سے چار باک سے بات ڈیلی نے پہلے اسے کیوں نہیں بتائی۔؟ یاد تو دوسری ناظم تھے۔ کچھ بھی تھا، وہ اب فوراً مشعال سے ملنا چاہتا تھا۔ شاور کے نکلا تو پہلے اسے فون کیا، تو پہلی بار اس کی کال ریسیو نہیں ہوئی مگر دوسری بار زانی کرنے پر مشعال کال لینے کے ساتھ خاصے کھڑے لے میں ہوئی تھی۔

"فرمائیے۔۔۔!"

"مشعال۔۔۔۔۔! تم اس سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہو۔"

"اس نے فرما دیا تھا تو! سنا تھا انداز میں ہوئی۔"

"میری پوچھیں گے کہ ان کو انیال حسن کی بیٹی کو جاب کی کیا ضرورت تھی۔؟ ویکٹیں شجران صاحب! میرا پرسنل میٹر ہے۔ جس جاب کیوں کر رہی تھی۔۔۔؟ میں نے ریز آئی کیوں دیا۔؟ آپ کو ان باتوں سے کوئی غرض نہیں ہوتی چاہیے۔"

"مجھے واقعی ان باتوں سے غرض نہیں ہے۔ مشعال۔۔۔!"

"اس نے دھرج سے کہا۔"

"غرض نہیں ہے تو پھر کیوں شک کر رہے ہیں مجھے۔۔۔؟ ہار ہاروں کہ تہہ ہیں۔ راتے میں نظر آتی تو پتہ لیتے ہیں۔ آپ کو پتا نہیں ہے کہ یہ کتنی ناخوش حرکت ہے۔؟"

"دوخت آلاں تھی۔"

"آئی ایم سوری مشعال۔۔۔! آئندہ ویسا نہیں ہوگا۔ لیکن پلیز! میری بات سنو۔"

"اس نے امداد کے ساتھ مہجڑی سے کہا تو وہ ہز ہز ہو کر ہوئی۔"

"کیا بات؟"

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ دیکھو، منع مت کرنا۔ یہ بہت ضروری ہے۔ مشعال! ابھی میری زندگی کا معاملہ ہے۔ ایک بار آ جاؤ۔ پلیز۔۔۔! آ رہی دو!۔۔۔؟"

"اس کی منت پر اصرار نہ کرنا، دوشی چھائی ہو، پتا کر ہو گا۔"

"سنو مشعال! میں چیری ہال کے کیفے میں سنا مارا انتظار کر رہا ہوں۔"

"اس کے ساتھ ہی اس نے نوٹسلڈ مشعل کی کارڈ ایک وہم حرکت ہو گیا۔ وہ من میں تیار، اور تفریبا آدھے گھنٹے بعد، چیری ہال کے کیفے میں موجود تھا، اور وہ چارے دو گھنٹے بعد آئی تھی۔ وہ خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھ گئی تو کئی عرصہ اسے دیکھنے لگا۔ جب وہ جڑ ہونے لگی تب کہہ دیا۔"

"کیوں بھاگ رہی ہو مجھ سے، میری بہت سے۔؟ کیا صرف اس لئے کہ تم نے میرے ساتھ مارا دو دیکھا ہے۔؟ ہاں! میں نے سارے کے ساتھ وقت گزارا ہے، اس کے ساتھ زندگی بھی گزارا تھا۔ اگر تم نہ آئیں۔۔۔"

مشعال نے مٹھا، ہونٹ، اونٹوں میں دبا کر گویا کچھ نہ کہنے کا تجربہ کیا۔

"تم نے مجھے بہت کا اور دک دیا ہے۔ مشعال! میرے دل میں بہت سی شے ہے۔ سنا کہ اب دامن کیوں چھو رہی ہو۔؟ ہاں! میں نہیں بھارتیہ! چاہو گی کہ میں بھی نہیں۔۔۔! ہر ایک میرے دل میں بھڑک

ہے۔ اس کی پیش سے تم بھی محفوظ نہیں رہ سکتیں۔"

وہ ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ دوپل چڑی بہت نزدیک آنا لگا تھا۔

"میں محفوظ رہوں باقی کرنا کھو جاؤں، آپ کو اس سے غرض نہیں ہوتی چاہیے۔"

"تو تمہیں کیا غرض تھی۔۔۔؟ بھاگنے دینی مجھے سارے کے پیچھے۔"

"میں نے آپ کو سارے کے پیچھے بھاگنے سے نہیں رکھا تھا۔ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ اس کی آواز اس سے پہلے خود آ رہی تھی۔"

"دوخت کر رہی تھی۔"

"اس لئے جا کر نہ جاتی تھی، جب میں اپنے دل کو نزلوں کا تو سہارہ دیتی تھی کہ ہرگز اُسے گئی۔"

وہ جانے انہاں سے اسے نصرت دلا رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔! میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ آپ غلط سوچ رہے ہیں۔"

وہ خاموش ہو کر اصرار دھریکھنے لگا۔ بکہ دھیان اسی کی طرف تھا۔ وہ اپنے آپ میں الجھ رہی تھی۔ تب وہ بار بار کر دیا۔

"میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ زندگی میں ہر قدم تمہیں اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھ سے شادی کر دے۔۔۔؟"

مشعال نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا تھا کہ وہ فوراً ہو گیا۔

"ہاں کہنے سے پہلے سو لینا۔ میرا دل تمہارے ساتھ رہے گا۔ میں تمہیں فوراً نہیں کر رہا مشعال۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ ہاں ہاں سے پہلے اپنے اندر جھانک لو۔ ہو سکتا ہے تمہارے دل کے کسی کونے میں میری جیسی بہت سی بچی کی پنگاری چھپ چکی ہو۔"

وہ چاہنے کے باوجود نظریں نہیں اٹھا سکی اور اپنے چہرے پر جیسی اس کی نظریں بری طرح محسوس ہو رہی تھیں۔ تب وہ کچھ کہنے بغیر کھل چلی تو وہ ہمیشہ کی طرح اسے ڈر تک جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

انیال حسن کو ایک ایک یاد آئی کہ انہیں نواب صاحب کے ہاں سے ٹائیڈ کپڑے ڈانٹوں نے خالص بند کر دی اور انہیں لگے تھے کہ ایک لڑکی کا بچہ روم میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر ڈک گئے۔

"جی۔۔۔؟"

ان کا انداز سوالیہ تھا۔

”میرا نام سارہ ہے اور میں نے کل مشعال کو یہاں سے آپ کے ساتھ نکلنے ہوئے دیکھا تھا۔“  
اس نے کہا تو دو خوش اخلاقی سے بولے۔

”اوہ.....! تو آپ مشعال کی دوست ہیں؟.....“  
”دوست.....؟“

دو کھڑکیز سگلتے ہوئے لمبے میں بولی۔

”سوری.....! میں مشعال جیسی لڑکیوں سے دوستی تو ذرا کی بات، ان کی طرف دیکھنا بھی پڑے نہیں کرتی۔“

”ہاؤ ٹیل یو.....؟“

ان کی پیشانی پر بے شمار گھٹنیں ابھرتی تھیں۔

”جانتی ہیں، آپ کس کے بارے میں بات کر رہی ہیں.....؟“

”بہت ابھی طرح، وہی مشعال جو کچھ عرصہ پہلے علی احمد صاحب کے آفس میں ان کے بیٹے سلمان پر ڈور سے ڈال رہی تھی۔ اب آپ کو کیا آپ کے بیٹے کو چھانسنے کی کوشش کر رہی ہے۔“

”شٹ اپ.....!“

شمس نے ان کی آواز پھٹ گئی تھی۔

”شرم آتی ہے چاہے نہیں، میں مشعال کا باپ ہوں۔“

”باپ.....؟“

سارہ کو ہلکا لگا تھا۔

”ہاں باپ۔ مشعال میری بیٹی ہے۔“

انہوں نے زور دے کر کہا تو دہریز لڑی سے بولی۔

”آپ کی بیٹی ہے تو گام ڈال کر گھس اسے، اور اسے یہ بھی سمجھا دیں کہ شامی میرے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔ دھمکے اور سناہمی کے درمیان سے بہت جائے، ورنہ.....“

”شٹ اپ! تو تمہاری ٹائڈل ڈاؤٹ.....! آئی نے گیت آؤٹ.....؟“

دو بالکل آپ سے باہر ہو گئے تھے۔ بس نہیں چل رہا تھا، اسے اٹھا کر باہر پھینک دیں۔  
”ہو نہ.....!“

سارہ فحوت سے سر جھٹکتی ہوئی، ہیرا دلچے ہوئے چلی گئی تو انہوں نے سر قہام لیا۔ ان کا ذہن بری طرح جھنجھٹا لگا تھا۔ یہ بھی یا انہیں رہا کر انہیں ٹائیڈ کو لینے جانا تھا۔ انہوں نے اس لڑکی کو تو کال دیا تھا، لیکن دس کی باتیں مسلسل کانوں میں گونج رہی تھیں۔

”وہی مشعال جو پہلے سلمان پر ڈور سے ڈال رہی تھی، اب آپ کو کیا آپ کے بیٹے کو چھانسنے کی کوشش کر رہی ہے۔“

”میرے خدا.....!“

ان کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ سٹن میں کانٹے جیسے لگے تھے۔ انہوں نے گلاس کو دیکھا، پانی نہیں تھا، اور ملازم کو بلانے کی ہمت نہیں ہوئی، نہ ٹیبلے کی سکت تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے گانگوں میں جان ہان نہ ہو۔ تب ہی فون کی تیل بج اٹھی تو انہوں نے مشکل رہیوڈر لٹایا تھا۔

”کہاں رو گئے، وانیال.....؟“

”اصرہ چاہیے تھی۔“

”ہاں.....! میں.....! میں آفس میں ہوں۔ مشعال کہاں ہے.....؟“

ان کا ذہن مشعال میں اٹھتا ہوا تھا۔

”مشعال گھر پر ہے۔“

ٹائیڈ نے بتایا تو وہ کہنے لگے۔

”ٹھیک ہے.....! تم بھی گھر چلی جاؤ، مجھے انے میں دیر ہو جائے گی۔“

اس کے ساتھ ہی انہوں نے رہیوڈر کو دکھا دیا۔ پھر خود پر کاپو پالنے میں انہیں بہت دیر لگی، اور گھر آتے آتے توراٹ ہو گئی۔ وہ بے حد حال لگ رہے تھے، جب ہی ٹائیڈ انہیں دیکھتے ہی پریشان ہو گئی۔

”وانیال.....! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ہاں.....؟“

”ہوں.....!“

دوسرے دس دنوں میں جے گئے۔ بھیج کر کے نکلے تو لپٹ گئے۔

”کہا تا نہیں کہ میں گریا.....؟“

ٹائیڈ نے انہیں لینے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں.....! اچھے ہو کر نہیں ہے۔“

انہوں نے آنکھوں پر بازو رکھا لیکن ٹائیڈ مزید پریشان ہو کر ان کے قریب آ گئی۔

”وانیال.....! کیا ہو گیا ہے.....؟“

”کچھ نہیں.....! بس.....“

”کیا بس دور.....؟ تیس دن وانیال.....! کیا ہوا ہے.....؟“

ٹائیڈ نے ان کی آنکھوں پر دکھا بازو پکڑ کر سمجھنے لیا تو وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

”چاہیں ٹائیڈ.....! میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ دیر اور دوست علی احمد یا وہ نہیں.....؟“





زدہہ کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

”اور ہاں! میری بات سوچنا ضرور میں پھر آؤں گی۔“

ثانیہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور اسے رخصت کر کے مشعال کے کمرے میں آئی اور اسے دیکھنے لگی۔

”کیا بات ہے سہی؟“

مشعال نے پوچھا تو وہ تیزی سے اس کے قریب آ گئی۔

”جو میں پوچھوں، سچ بچ بتانا۔ تمہارے اور شامان کے درمیان کیا معاملہ ہے۔؟“

”میرے اور شامان کے درمیان؟ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی؟ اور آپ شامان کو کیسے جانتی

ہیں؟“

مشعال اندر سے غائف ہو گئی تھی۔

”تم میری بات کا جواب دو۔“

اس کی سختی سے مشعال رو پاؤںسی ہو گئی۔

”میرے اور شامان کے درمیان کچھ نہیں ہے امی! آپ سے یہ بات کس نے کہی ہے۔؟ مجھے

بتائی تو۔“

”کیا کرو گی جان کر۔۔۔؟“

”کچھ نہیں کروں گی، لیکن یہ تو پتا چل جائے گا کہ میرے خلاف یہ پروپیگنڈا کون کر رہا ہے۔۔۔؟ اور

اس کا مقصد کیا ہے۔۔۔؟“

مشعال نے کہا تو وہ دانت چرس کر بولی۔

”اس کا مقصد جو بھی ہو، تمہارے پاپا کو یہ بات بہت بری لگی ہے۔“

”پاپا۔۔۔؟“

مشعال پکرا اٹھی۔

”ہاں۔۔۔! کوئی لڑکی تمہارے پاپا سے کہہ گئی ہے کہ تم اس کے اور شامان کے راستے سے ہٹ جاؤ۔“

ثانیہ نے کہا تو وہ مزید پکرا اٹھی۔

”اُف۔۔۔! وہ یقیناً سارہ سی ہو گی۔“

”کون سارہ۔۔؟ تم جانتی ہو سارہ کو۔۔۔؟“

اس نے فوراً پوچھا۔

”جی۔۔۔! وہ شامان کی دوست ہے، اور اس نے مجھ سے بھی کہا تھا، جب ہی تو میں نے ریزائنز سے

دیا تھا۔ میں۔۔۔ میں کسی کے درمیان نہیں ہوں امی۔۔۔! سارو کو غلط سمجھی تھی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں امی۔۔۔! میرا

یقین کریں۔ میں کسی کے درمیان نہیں تھی۔ سارا جھوٹی ہے۔“

دور دے گئی۔ ثانیہ نے اسے چپ نہیں کرایا، مزید جھپٹے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

”اور جو ابھی شامان کی امی آئی تھی، تمہارا پر پول دے گئی ہیں، انہیں کیا جواب دیا جائے۔؟“

”بتاؤ۔۔۔!“

”سبک۔۔۔ کیا۔۔۔؟“

”وہ جو پچھلی رو گئی۔“

”میں کیا بتاؤں۔۔۔؟ جو آپ کا دل چاہے، کریں۔ مٹ کر دیں۔ بے شک۔۔۔!“

مشعال روتے ہوئے بولی تھی۔

”منع تو میں کروں گی۔“

ثانیہ جیسے خود سے فیصلہ کرتے ہوئے اس کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

مشعال بیڈ پر لوٹے مگر کئی سستی دیر روٹی رہی۔ پھر اس نے ٹیبل سے فون اٹھا کر شامان کا نمبر

پیش کیا تھا۔

”میں بڑی شدت سے تمہارے فون کا انتظار کر رہا تھا۔“

ادھر سے وہ کال ریسیو کرتے ہی بولا تھا۔

”میں آپ کو پیش کئے لئے انتظار کی دھت سے بھاری ہوں شامان بلی۔۔۔! کیونکہ میں اس فون کے

ساتھ اپنے دل سے بھی آپ کا Delete کر رہی ہوں۔“

اس نے کہا۔

”چلو تم نے یہ تو اعتراف کیا کہ تمہارے دل پر میرا غم نقش تھا۔“

وہ پریٹانی میں بھی جتا کر پچھنے لگا۔

”ایسا کیوں کر رہی ہو۔۔۔؟“

”مجھے یہی کرنا چاہیے، کیونکہ آپ کی وجہ سے میں اپنے بچر جس کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہیں

رہی۔“

”میری وجہ سے۔۔۔؟ میں نے ایسا کیا کیا ہے۔۔۔؟“

”کسی نے بھی کہا ہو، وجہ آپ ہی ہیں، اور چلیز۔۔۔! آئندہ مجھے فون مت کیجئے گا۔“

وہ اس آف کرنے لگی تھی کہ وہ پول پڑا۔

”مشعل! چلیز، مہری بات سنو! اچھے بناؤ کیا ہوا ہے؟“

”سارہ سے پوچھیں، وہ میرے پاپا کے پاس کیوں گئی تھی؟“

اس نے کبیر کرسٹل آف کر دیا تھا۔ پھر سارا دن وہ کمرے سے نہیں نکلی۔ ڈیڑہ دور دانیال حسن کا سامنا کرنے کے خیال سے ہی اس کی جان جا رہی تھی۔ وہ پھر میں تو جانے نہ خواہے نہیں دانیال حسن مات کے کھانے کے لئے لائڈز کو بھیجا تو بھی اس نے ہلک نہ ہونے کا کہ کر منع کر دیا اور کچھ دیر انتظار کرنی رہی کہ شاید ڈیڑہ خود آئے گی۔ لیکن وہ نہیں آئی، تب وہ مندر لپٹ کر سوئی، اور اسے پتا بھی نہیں چلا، رات کس وقت دانیال حسن اس کے کمرے میں آئے تھے۔ وہ بے خبر سو رہی تھی۔ اس کے سٹیل فون کی بجائے لائٹ بلب جھرمی تھی، جب ہی دانیال حسن نے اس کا سٹیل فون اٹھا کر کچھ دیکھا تھا۔

”تم اپنے دل سے میرا نام Delete نہیں کر سکتی مشعل! کیونکہ مہری مہت اتنی بڑی نہیں ہے۔“

انہوں نے شامان کا دم دیکھا، پھر سٹیل رکھ کر کمرے سے نکل گئے تھے۔ صبح اس نے بیچ کے ساتھ شامان کا نام بھی Delete کر دیا تھا۔ لیکن وال کا کیا کرتی، جو اس شخص کو چھوٹے بھی نہیں دے رہا تھا۔

☆☆☆

فواد صاحب وہیں بیٹھے تھے جہاں شوبی جاتے: وہ انہیں چھوڑ کر گیا تھا، جب ہی اس نے سڑی ایک پیچنگ کر ٹوشی سے تنفر لکھا تھا۔

”نانا!...! میں آگیا تا!...!...!“

”اوسے! میرا بچہ!...!“

فواد صاحب نے ہاتھیں پھیلا دیں تو وہ ان سے لپٹ گیا۔

”بہت جلدی آگئے؟“

”ہیں...؟ میں تو سوچ رہا تھا آپ کہیں گے، بہت دن لگا دیے۔“

شوبی نے کہا تو وہ سٹرا کر پوچھنے لگے۔

”اس کیسی ہے تمہاری؟“

”اچھی ہیں آپ کو بہت سلام کہہ رہی تھیں۔“

وہ جواب کے ساتھ پوچھنے لگا۔

”آپ اس دن سے نہیں بیٹھے ہیں؟“

”ہاں...! تم سے کہا تھا ان سب سے میں اس کا تو بیٹھا رہا۔“

فواد صاحب نے ہنسنے ہوئے کہا تو وہ پھر ان سے لپٹ گیا۔ جب ہی روٹی کھانے کی ٹرے لئے آگئی۔

”اوپا!...!“

پھر شوبی کو دیکھ کر خوش گوار حیرت میں گھر گئی تو وہ اس کے ہاتھوں میں ٹوٹ کی طرف اشارہ کر کے پوچھنے لگا۔

”کیا ہے...؟“

”یہ میں نانا! کے لئے کھانا لائی ہوں۔“

”صرف نانا! کے لئے کیوں؟ میں کیا کھاؤں گا...؟“

”شوبی...!“

فواد صاحب نے اسے ٹوک کر پھر روٹی سے بولے۔

”جائو بیٹی!...! تھیں میں رکھ دو اور دلو! اب اپنی ماں سے کہنا، تکلیف نہ کرے۔ شوبی آگیا ہے، اب یہی پکاتے گا۔“

”جی نہیں!...! میں کوئی نہیں کھاؤں گا۔ پکانے والی لے آئیں اب۔ میں وہی سے بھی کبہ آیا ہوں۔“

اس نے کہتے ہوئے روٹی کو آٹھ ماری تو وہ جو بیٹھا تھیں وہ کمانی تھی، مٹھا کر بھاگ گئی جس پر وہ زور سے ہنسا تھا۔

☆☆☆

ڈیڑہ آگئے کے سامنے کھڑی اپنی یارن کا جائزہ لے رہی تھی کہ دانیال حسن کمرے میں داخل ہو کر ڈک

گئے اور آگئے میں سر اپنی نظروں سے اسے، فواد پوچھنے لگے۔

”کیا اس کی تہری سب بھی؟“

”بیٹھے ہاتھی ملدی مبول گئے؟“

ڈیڑہ ان کی طرف پلٹ کر کہنے لگی۔

”ہیں! آپ بھی جلدی سے فرمائیں! دو جائیں۔ سڑاؤ نہ کے ہاں جاتا ہے۔ وہ سٹھی ہار فون پر کچل

تیں۔ بس چلیں، دیکھ آتے ہیں ان کے!...!“

”تم نے مشعل سے پوچھ لیا ہے۔“

دانیال حسن پڑا: یہ کی گلت کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

”پتہ چلے گا، مشعل سے بھی، پس! نہ کہ تو کہہ رہی ہیں۔“

ہائے لے کہا تو وہ بیٹی سر ہلاتے ہوئے بولے۔

”نہیں تائیہ۔۔۔ ایسے ساری باتیں ہمدش آتی ہیں، پہلے بیٹی کی رضامندی ضروری ہے، اور ہاں۔۔۔ اتم نے بتا تھا بیٹی احمد کی سسر بھی اسی سلسلے میں آئی تھیں۔“

”انہیں تو خیر میں منع کر دوں گی۔ مجھے مشعال کی شادی وہاں نہیں کرنی۔“  
وہ فوراً بولی گئی۔

”کیوں؟۔۔۔ میرا مطلب ہے تم نے اپنے آپ سوچ لیا، فیصلہ کر لیا۔؟“

”ہاں۔۔۔ ایسا مشعال کی ماں، دلوں۔ کیا مجھے کچھ نہیں ہے اس کے بارے میں سوچنے اور فیصلہ کرنے کا؟۔۔۔“

وہ پہلی بار بہت دھرم لگ رہی تھی۔

”بالکل ہے، لیکن شادی بنیاد کے معاملے میں لڑکی کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ مشعال کی مرضی معلوم کئے بغیر ہم اپنے طور پر فیصلہ نہیں کر سکتے۔“

انہوں نے دیرین سے سمجھا تے کی کوشش کی تو وہ آگوار ہی سے بولی۔

”میں مشعال سے پوچھ چکی ہوں۔ شہامان کے لئے اس نے منع کر دیا ہے۔“  
”اچھا۔۔۔؟“

وہ تیراں ہوئے۔

”مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے تم مشعال کے ساتھ زبردستی کر رہی ہو۔۔۔؟“  
”ہاں۔۔۔؟ کر رہی ہوں زبردستی۔“

وہ سچائی تھی۔  
”کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میری بیٹی کا نصیب مجھ جیسا ہو۔ گھر سے بے گھر کی جائے۔“

”تائیہ۔۔۔؟“

وہ ہلنک گئے۔

”کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟“

”مطلب مجھے میرے گھر سے لکائے والی حاتھی اور وہاں سارہ موجود ہے۔ دینی سارہ جو آپ کو وارن کر چکی تھی۔ کیا وہ تیار ہی بیٹی کو چٹن سے رہنے دے گی۔؟ نہیں دانیال۔۔۔ میں جاننے بوجھتے ہوئے اپنی بیٹی کو آزمائشوں میں نہیں ڈال سکتی۔ کیونکہ میں جانتی ہوں، میں نے بیس سال کیسے گزارے ہیں۔۔۔؟ سر پر چھت تو تھی، پھر بھی بے سائبانی کا احساس برپا ہو چکا تھا۔ یہ مگے کے دکھ سے بڑا دکھ پھیلا ہے میں نے۔ اب اور بہت نہیں

دور دور لگی تو دانیال نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ پھر اپنے پاس ہٹا کر قدرے بھر مانا انداز

میں بولے تھے۔

”میں نے علی احمد سے ہائی بھری ہے۔ وہ اور ان کی سسر بھی آنے والے ہوں گے۔“

”کیا۔۔۔؟“

وہ جھکے سے انہی تھی۔

”آپ نے ایسا کیوں کیا دانیال۔۔۔؟ محض اپنی، دینی کی خاطر بیٹی کا مستقبل داؤ پر لگا رہے ہیں۔۔۔؟“  
پھر اس کے لیے میں غصہ مست آجاتا۔

”آپ ایسا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ مشعال آپ کے سامنے بڑی نہیں ہوئی، آپ نے بچپن میں اسے اپنا ہاتھوں میں نہیں جھٹایا۔ آپ کو کیا فرق پڑتا ہے، اس کے ساتھ کچھ بھی ہو۔۔۔؟“

”کچھ نہیں ہو گا تائیہ۔۔۔؟ کچھ نہیں ہو گا۔“

وہ زور سے کر کہنے لگے۔

”میں جنہیں یقین دلاتا ہوں، میں نے دقتی میں مشعال کی محبت کو دیکھتے ہوئے اور یہ سوچ کر شہامان کے رشتے کی بانی بھری ہے کہ آخر تک یہاں بیوی کے درمیان حنا اور سارہ جیسی رشتہیں پیدا کرتی رہیں گی۔ بس

میں اب یہ سلسلہ ختم ہو جانا چاہئے۔“

”آپ کے کہنے سے ختم ہو جائے گا، کیا شیطان مرجائے گا۔۔۔؟ نہیں دانیال۔۔۔! شیطان تو ازل سے آدم اور حوا کے درمیان موجود ہے۔“

اس کی بات لفظ نہیں تھی۔ دانیال حسن نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور تائید کے ساتھ بولے۔

”بے شک شیطان موجود ہے۔ لیکن۔۔۔ کیا تمہیں باؤنٹس، میرے ایک دوست جہاز زیب اور اس کی بیوی جانیہ کے درمیان بھی ایک شیطان ہی تو تھا، جس نے اوہ مجھے جھکڑے استعمال کر کے ان دونوں میں فساد برپا

کر دیا؟ کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میری بیٹی کا نصیب مجھ جیسا ہو۔ گھر سے بے گھر کی جائے۔“  
اس شیطان کے مطلق سب کچھ بتا دیتا تھا۔ تب تو کیا نکلا۔۔۔؟ آخر شیطان کو ہی ہارنا پڑتا تھا۔۔۔!“

دانیال حسن ایک لمحے کو خاموش ہوئے، پھر کہنے لگے۔

”ہاں۔۔۔! نہیں مانتا: وہی شیطان واقعی ہی موجود ہے، لیکن اس سے بڑی ذات اللہ کی ہے، اور یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ کرنے کی بجائے خود کو آرام سے شیطان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ بڑے رنگین خواب دکھاتا ہے شیطان، انسان اپنا مسدہ دھڑکھڑکتا ہے۔ ہوش تب آتا ہے جب وہی رنگین خواب بھیا تک نصیر

لے کر سامنے آتے ہیں۔“

”پھر بھی آپ۔۔۔؟“

”ہاں! پھر بھی میں شیطان کا خوف لوٹا جاتا رہتا ہوں۔ مجھ پر اس کا وار چل گیا تھا اور میرے دوست جہانزہب پر بھی اس شیطان مردود کو وار چل جاتا، اگر جانیے بھائی اسے اپنے اعتماد میں نہ لیتیں۔ مگر اب میں اپنی بیٹی مشعال پر اس شیطان مردود کا وار ہرگز، ہرگز نہیں چلے دوں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔ اپنے دل سے سارا کا خوف نکال دو۔“

وانیال حسن نے مطبوعہ لہجے میں کہا۔

”وانیال!“

وہ کمزور پڑ گئی۔ انہوں نے اس کے دونوں پرانی انگلی رکھ دی۔  
 ”معال اور مشعال کی خوشیاں مجھے ڈو سے بڑھ کر عزیز ہیں۔ میں اسے ہمیشہ خوش دیکھتا چاہتا ہوں۔ اس لئے میں نے شامان کا یہ منظر دیکھا ہے۔ کیونکہ دو مشعال کی پسند ہے۔ پھر بھی اگر تم نہیں چاہتیں تو میں علی احمد کو منع کر دوں گا۔“  
 ”نہیں!“

اس نے بے اختیار اپنے دونوں پرانے انگلی وانان کا ہاتھ تھاما تھا۔ وانیال حسن نے مسکرا کر اس کی بیٹائی پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔

زندگی میں ذہب نے بہت چھٹاؤں کی تمنا ہی نہیں کی تھی، اور یہ تمنا میں ہی تو دل کا کسانا ہیں۔ ابھی چن رہا ہے اور چلنا ہے، چلتے چلے جاتا ہے، ہاتھ تک منزل پہ پہنچ جائیں۔  
 نانہ اپنی منزل پہ پہنچ کر تھوگی سے چلیں، ہند نے دوئے مشعال اور شامان کی خوشیوں کی تمنا کرنے کے ساتھ دل سے ڈھما بجھی۔

اختتام